شواہدِ تحریف

علامہ محقق سیدِ مرتضیٰ عسکری

مجمعِ علمی اسلامی
تجریش - تہران - ایران

تحقیق و تالیف

علامہ محقق سید مرتضیٰ عسکری

یکے از مطبوعات

مجمع علمی اسلامی

تجریش - تہران - ایران

تحقیق
علامہ مرتضیٰ عسکری

ترجمہ
محمد فضل حق

تدوین
رضا حسین رضوانی

فہرست

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ عَلَّمَ بِالْقَلَمْ
عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ یَعْلَمْ
وَصَلَّی اللّٰہُ عَلیٰ مُحَمَّدٍ وَّآلِہٖ وَسَلَّمْ

حرفِ آغاز

انسان کی زندگی کسی دَور میں بھی چپقلشوں اور لڑائیوں سے خالی نہیں رہی۔ اب تک دنیا میں ان گنت لڑائیاں لڑی گئی ہیں اور ان سب لڑائیوں کے انسانی زندگی کے مختلف پہلوؤں پر گہرے اثرات مرتب ہوئے ہیں۔ شاید کوئی حیوان بھی دشمن سے آمنا سامنا ہونے سے پہلے اس کے ساتھ لڑنے کی فکر میں نہیں ہوتا۔ شیر اور چیتے بھی جب اپنے کچھار سے باہر آتے ہیں تو ان کے دماغ میں دشمن سے برسرِ پیکار ہونے کا کوئی منصوبہ نہیں ہوتا۔ ہاں! ان کے حصولِ خوراک میں کوئی چیز مانع ہو تو بلاشبہ وہ اس رکاوٹ کو دُور کرکے اپنی خوراک حاصل کرتے ہیں اور جب سیر ہو جاتے ہیں تو بہت کم دھاڑتے یا خون بہاتے ہیں۔ دوسرے الفاظ میں حیوانوں میں غیظ و غضب بھوک کے وقت ظاہر ہوتا ہے اور سیر ہو جانے کے بعد وہ پُرسکون ہو کر اپنی راہ لیتے ہیں لیکن جہاں تک انسان کا تعلق ہے اس کا غیظ و غضب مستغنی ہونے یا سیر ہو جانے کے بعد ابھرتا ہے اور

بدقسمتی سے بھوک کی حالت میں وہ پُرسکون ہوتا ہے۔ بجز اس کے کہ بھوک
اس پر دھاوا بول دے حتیٰ کہ اس میں حرکت پیدا ہوجائے اور فلسفیوں کی اصطلاح
میں "قسری" ہوجائے تاکہ اس کی قسری حرکت جاری نہ رہے۔ لہ

پس یہ انسان جو قرآن مجید کی تعبیر کے مطابق جب اپنے آپ کو مستغنی
سمجھتا ہے تو سرکش ہوجاتا ہے (سورۂ علق۔آیت ۳)۔ اس کی سرکشی بے نیازی
کے بعد ہوتی ہے۔ جب وہ مادّی طور پر بے نیاز ہو تو دوسروں کو محکوم بنانے،
مال جمع کرنے، انسانوں کا خون بہانے اور غارتگری میں مصروف ہوجاتا ہے
اور جس کسی پر اس کا زور چلے اسے غلام بناتا ہے، زنجیروں میں جکڑتا ہے اور
مزاحمت کو دُور کرنے کے لیے بے گناہوں کے خون سے ہاتھ رنگتا ہے۔

ایک سرکش انسان جب سرکشی کی حدوں کو چھوتا ہے تو وہ کسی کو بھی خاطر میں نہیں
لاتا حتیٰ کہ وہ جس پیغمبر کا اُمتی ہوتا ہے اگر اس پیغمبر کا فرزند بھی اسکی سرکشی میں
مزاحم ہو تو اسے بھی قتل کردیتا ہے اور اس گھر کو بھی جس میں وحی نازل ہوتی
رہی ہو جلاکر راکھ کا ڈھیر بنا دیتا ہے۔ سرکش لوگوں سے ایسی حرکت کو بعید
سمجھنا بجائے خود ان کے حالات سے لاعلمی کے مترادف ہے۔

لہ القسر لایدوم: فلسفہ کی کتابوں میں حرکت کی مختلف اقسام میں سے ایک قسم کا نام
حرکتِ قسری رکھا گیا ہے۔ اس سے مراد وہ حرکت ہے جو کسی کے طبعی میلان کے
برعکس ہو، مثلاً اگر ایک گیند کو پانی میں ڈبویا جائے تو جب تک قاسر یعنی ڈبونیوالے
کا ہاتھ اس پر ٹیکا رہے گا، گیند پانی میں ڈوبی رہے گی اور جونہی وہ ہاتھ ہٹائے گا
گیند زیادہ زور کے ساتھ پانی سے باہر کی طرف اچھلے گی۔ قسر کا عمل جتنا شدید
ہوتا ہے اس کا ردعمل بھی اتنا ہی شدید ہوتا ہے۔

علمی بے نیازی کے بعد سرکشی کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ علم کو پوشیدہ اور عوام کو جاہل
رکھا جاتا ہے تاکہ کسی موچی کا لڑکا تعلیم حاصل کرکے دستکاروں کے طبقے سے
نکل کر دانشوروں کے طبقے میں شامل نہ ہوجائے اور اس طبقاتی نظام میں
شگاف نہ ڈال دے جو گزشتہ زمانے میں بطلیموسی افلاک کی طرح ناقابل
شکست تھے۔ الغرض یہ کہ علم کی بے نیازی کی بنا پر سرکشی دولت کی بے نیازی
کی سرکشی سے کمتر نہیں ہے کیونکہ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ علم کی بے نیازی مادّی
بے نیازی کی خاطر ہوتی ہے اور یہی وہ وقت ہوتا ہے جب علم کا نتیجہ بربادی
کی شکل میں نکلتا ہے۔

اس وقت علم مال و دولت کے لیے حاصل کیا جاتا ہے اور مال و دولت
سرکشی اور قتل و غارت کی خاطر ہوتا ہے حتیٰ کہ اپنے ان اسلحہ کی فروخت کے لیے
جو سرکشی کو جنم دینے والے علوم کی پیداوار ہیں، جنگ و جدل کی راہ ہموار کیجاتی ہے۔

بعض اوقات خیالی علمی بے نیازی کی بنا پر سرکشی اس حد تک جا پہنچتی ہے
کہ ہر وہ علم جو اس کے مقابل آئے اسے جہالت کہا جاتا ہے اور اس علم کے روبہ کار
آنے کے لیے راستا بھی ہموار نہیں کیا جاتا چنانچہ اکثر ایسا ہوا ہے کہ واقعی علوم اور
سچے عالموں کو جھوٹے عالموں کے مقابلے میں زندگی کے میدان سے نکالکر موت
سے ہمکنار کردیا گیا اور بعض اوقات یوں بھی ہوا ہے کہ لوگوں نے خود نمائی
کی خاطر ان علوم و حقائق میں تحریف کرکے انہیں کچھ سے کچھ بنا کر پیش کیا ہے۔

اگر ہم معنوی بے نیازی کی بنا پر سرکشی کو سرکشی کا تیسرا مرحلہ قرار دیں تو شاید آپ
کو تعجب نہیں ہوگا۔ کیا یہ درست نہیں۔ بہت سے صوفیاء کشف و شہود کے مراحل
میں سے سب سے چھوٹے مرحلے کا مشاہدہ کرکے اور مشاہدے کے دریچوں میں

سے بہت مختصر سا دیدار کر کے جامے سے باہر ہو گئے۔ ان میں سے بعض نے دعوائے خدائی کر کے اپنی کم ظرفی کا اظہار کیا اور بعض مرید بنانے اور اپنا حلقہ اور سلسلہ قائم کرنے میں لگ گئے۔

فرعون اپنے آپ کو چند روزہ حکومت کی مسند پر دیکھتا ہے تو اَنَا رَبُّکُمُ الْاَعْلٰی کا نعرہ لگاتا ہے، ایک عارف اور زاہد جب اپنی ریاضت کے نتیجے کشف و شہود سے دوسروں کے ارادوں کو جاننے اور عالم تکوین میں تصرف کے مقام پر پہنچتا ہے تو اس کی سرکشی یوں شروع ہوتی ہے کہ وہ لَیْسَ فِیْ جُبَّتِیْ سِوَی اللّٰہِ (میں انسان کے روپ میں خدا ہوں) کا نعرہ لگاتا ہے یا ایک انسان جسے وقت اور تقدیر کے ہاتھوں تھوڑے سے عرصے کے لیے رسول اکرمؐ کی مصاحبت نصیب ہوئی اور اس کی بدولت اس نے زمانۂ جاہلیت کی گمراہی اور صحرا نوردی سے نجات حاصل کرلی تو وہ اپنے آپ کو خدا اور رسولؐ کا جانشین سمجھ بیٹھتا ہے اور خدا کے قانون کے مقابلے میں اپنا قانون وضع کرتا ہے اور خود ہی چیزوں کو حلال و حرام قرار دیتا ہے۔ وہ پیغمبر آخر الزماںؐ کی مسند پر بیٹھ کر کہتا ہے: مُتْعَتَانِ کَانَتَا مُحَلَّلَتَانِ فِیْ زَمَنِ رَسُوْلِ اللّٰہِ اَنَا اُحَرِّمُھُمَا وَ اُعَاقِبُ عَلَیْھِمَا۔

"رسول اللہؐ کے زمانے میں دو متعہ (متعۂ حج اور متعۂ نساء یا ازدواج موقت) حلال تھے۔ میں نے ان دونوں کو حرام کر دیا ہے اور ان دونوں کے کرنے پر سزا دوں گا۔" [1]

---

[1] یہ جملہ عمر نے اپنی حکومت کے زمانے میں کہا تھا۔ اگرچہ متعۂ نساء کا حکم قرآن میں آیا ہے اس کے باوجود وہ شخص جس نے خلافت کی مسند پر ٹیک لگا رکھی تھی وہ اپنی رائے سے قانون وضع کرنے اور چیزوں کو حلال حرام قرار دینے لگا۔

یہ تینوں سرکشیاں ایک ہی قسم کی ہیں اور ان سب کا موجب استغناء ہے اور یہ انسان کے لیے ہی مخصوص ہیں اور انسان کی تخلیق اس نہج پر ہوئی ہے کہ اس کے لیے میدانِ عمل کھلا رہے تاکہ وہ جس قدر چاہے قدم بڑھائے لِیَمِیْزَ اللّٰہُ الْخَبِیْثَ مِنَ الطَّیِّبِ۔ (سورۂ انفال۔ آیت ۳۷) "تاکہ خدا پاک کو ناپاک سے جدا کردے" اور اپنے لیے جس راستے کا چاہے انتخاب کرے کیونکہ ہم نے اس کو راستا بھی دکھا دیا ہے۔ اب چاہے وہ شکر گزار بنے چاہے ناشکرا۔ (سورۂ دہر۔ آیت ۳)۔

اختیار رکھنے اور ارادے کی آزادی سے بہرہ مند ہونے نے انسان کی زندگی کو میدانِ جنگ بنا دیا ہے۔ یہ ایک ایسی لڑائی ہے جو سوچ بچار سے پیدا ہوتی ہے اور سرفرازی اور ترقی کی خاطر ہے لیکن ہر موہوم ترقی اور پیش رفت کی خاطر کی جانے والی جدوجہد اس زمرے میں نہیں آتی بلکہ اس سے مراد خدا کی جانب اور خدا کی خاطر مجاہدہ ہے جو حقیقی کمال ہے اور انسان کو اسی غرض سے پیدا کیا گیا ہے:

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِیَعْبُدُوْنِ۔

اس مجاہدے کا ہدف خود جہاد نہیں بلکہ یہ خالق کون و مکان کی طرف جانیوالا راستا ہے، جیسا کہ حضرت ابراہیمؑ نے اپنے مجاہدات کے انتہائی مراحل میں ہدف کو ان الفاظ میں بیان کیا:

"میں نے تو باطل سے کترا کر اس کی طرف اپنا منہ کرلیا ہے جس نے آسمان اور زمین پیدا کیے اور میں مشرکین میں سے نہیں ہوں۔" (سورۂ انعام۔ آیت ۷۹)

"کہو کہ میری نماز، میری عبادت، میرا جینا، میرا مرنا

ہی کے لیے ہے جو سارے جہانوں کا پروردگار ہے اور اس کا
کوئی شریک نہیں اور مجھے اسی کا حکم دیا گیا ہے اور میں سب سے
پہلے اسلام لانے والا ہوں۔" (سورۂ آل عمران۔ آیت ۱۶۲-۱۶۳)

یہ معرکہ آرائی روز اول سے آج تک جاری ہے البتہ مختلف ادوار میں اس کی صورتیں مختلف رہی ہیں۔ چنانچہ آج کے پرآشوب وقت میں اگر ہم حق کی حمایت کے لیے میدان میں نہ آئے تو گنہگار ہوں گے کیونکہ جب ہم دیکھ رہے ہیں کہ انسان اپنی بے بصیرتی کے باعث تباہی کے گڑھے تک آ پہنچا ہے تو ہمیں اسے اس میں گرنے سے بچانا چاہیے۔

اگرچہ اسلام تسلیم سے مشتق ہے اور سلامتی کی خوشخبری دینے والا ہے لیکن وہ سلامتی کو ہر قسم کی بے یقینی، نافرمانی اور روگردانی کے ختم کرنے میں مضمر تصوّر کرتا ہے اور مردہ زمین کو صلح و صفائی کا بیج بونے کے لیے مناسب خیال نہیں کرتا لہٰذا وہ دین جس کی بنیاد تسلیم اور سلامتی پر ہے اَلْاِسْلَامُ ھُوَ التَّسْلِیْمُ اور جس کے پیغمبرؐ کا ایک نشان یَظْھَرُ بِالسَّیْفِ ہے۔ اس نے اپنی دعوت کا آغاز کلمہ " لَا " سے کیا ہے کیونکہ جب تک جھوٹا " اِلٰہ " موجود ہو سچا " اَللّٰہ " جلوہ نہیں دکھا سکتا اور جب تک آلودگی اور ناپاکی دُور نہ کی جائے انسان حقیقی انسانیت، نیکی اور پاکیزگی کے زیور سے آراستہ نہیں ہو سکتا جیسا کہ ارشاد ہوا ہے:

"یہ وہ کتاب ہے جس میں کوئی شک نہیں ہے۔ یہ متقیوں
کے لیے راہنما ہے۔" (سورۂ بقرہ۔ آیت ۲)

اسی بنا پر " لَا " اور " اِلَّا " کے درمیان، تقویٰ اور فسق کے درمیان، حق اور باطل کے درمیان، پیغمبرؐ اور ابوجہل کے درمیان ... اتحاد نہیں ہو سکتا بجز اس کے کہ سیاست کا ہاتھ اپنا کرتب دکھائے اور ان میں ایک طرح کا

جعلی اتحاد اور قرب پیدا کرنا چاہے۔

لہٰذا اس سے پیشتر کہ دانشمند حق اور باطل کے مابین اتحاد کی فکر کریں اور اس طرح ان دونوں کے طرفداروں میں بھی اتحاد قائم کرنا چاہیں اور قبل اس کے کہ حق کی کچھ مقدار باطل میں اور باطل کی بیشتر مقدار حق میں ملا دیں بہتر یہ ہے کہ وہ راستا روشن کرنے اور گمراہیوں کی نشاندہی کرنے میں لگ جائیں اور وہ کام انجام دیں جس کے بارے میں خدا نے حکم دیا ہے اور خود یوں واضح کیا ہے کہ: وَھَدَیْنٰهُ النَّجْدَیْنِ (سورۂ بلد آیت ۱۰) ہم نے اسے اچھی بُری دونوں راہیں دکھا دیں۔

لہٰذا ضروری ہے کہ ابتدا میں تعصبات کو دُور کر کے اور اعتقادی انحرافات کے داغ مٹا کر علمی اور فکری مباحث کی بنیاد ڈالی جائے تاکہ راستے کے انتخاب کی وضاحت کے ساتھ وہ فکری اختلافات جو جنگ و جدال کا سبب ہیں ختم ہو جائیں۔

صدرِ اسلام کے بے نیاز انسانوں کی سرکشی نے انہیں اپنی سرکشی کو جاری رکھنے کے لیے جرائم پر مجبور کیا تو انھوں نے بعض بے گناہ انسانوں کو مار ڈالا اور بعض کو ارتداد کی تہمت لگا کر قتل کر دیا[1] اور بعض کو رات کے اندھیرے میں ختم کرا دیا اور کہہ دیا کہ انہیں جنوں نے مارا ہے[2] کچھ لوگوں کو گھروں میں نظر بند[3] اور کچھ کو جلاوطن کر دیا یہاں تک کہ وہ کسمپرسی کی حالت میں انتقال کر گئے[4] اور

---

[1] قبیلۂ تمیم کے رئیس مالک بن نویرہ کے قتل کی جانب اشارہ ہے۔

[2] قبیلۂ خزرج کے رئیس سعد بن عبادہ کے قتل کی جانب اشارہ ہے۔

[3] امیرالمومنین علیہ السلام کو خانہ نشین کر دینے کی جانب اشارہ ہے۔

[4] رسول اکرمؐ کے بزرگ صحابی ابوذرؓ کی جلاوطنی اور قتل کی جانب اشارہ ہے۔

ایک معظمہ کو دروازے اور دیوار کے درمیان [1]... اور سب سے بڑھ کر یہ کہ اصلی اسلامی عقائد و نظریات میں ایسی تبدیلیاں کیں کہ امام علیؑ کی تعبیر کے مطابق اسلام کو اُلٹا چغہ پہنا دیا۔

یہ کتاب جس کا اصل متن عربی میں ہے علامہ مرتضیٰ عسکری کی اجازت سے شائع کی جا رہی ہے۔ اس کے مندرجات سے اسلام کے مستقبل کے بارے میں رسول اکرمؐ کی پیشین گوئی کی نشاندہی ہوتی ہے اور دوسری امتوں کے مقابلے میں اسلام کی کیفیت ظاہر ہوتی ہے یعنی یہ کہ کس اعتبار سے مسلمان دوسری امتوں کے مشابہ ہیں اور کس لحاظ سے ان سے ممتاز ہیں اور یہ کہ اگر اس کیفیت کو جانتے ہوئے کوئی محقق صحیح اسلام کے متعلق تحقیق کرنا چاہے تو کونسی کتابیں پڑھے اور صحیح و معتبر اسلامی مصادر کو کہاں تلاش کرے۔

کیا یہ ایک حقیقت نہیں کہ تاریخ، حدیث، تفسیر، فقہ، کلام اور عرفان کے اہم مدارک اور معتبر کتابیں سب کی سب ان لوگوں کی حکومت کے سائے میں لکھی گئی ہیں جو مادی استغناء کی وجہ سے طاغوت بن گئے اور ان کی سرکشی فرزند رسولؐ کو قتل کرنے کی حد تک پہنچ گئی اور ان کتابوں کے مؤلفین سرکشوں کے ہمنوا تھے اور ان کی بداعمالیوں کا جواز پیش کرتے رہے یہاں تک کہ غزالی یزید جیسے ملعون کو قابل بخشش سمجھتا ہے اور کسی بھی گنہگار کو زمین میں عذاب الٰہی کا مورد نہیں گردانتا۔

اس کتاب کے مطالعہ سے پتا چلتا ہے کہ دیگر دنیاوی حاکموں کے برعکس رسول اکرمؐ اپنے صحابہ اور رفقاء کو دیکھ کر مغرور نہیں ہوئے اور ایسا نہیں ہوا کہ آپ

[1] امیرالمومنینؑ کے گھر پر حملے کی جانب اشارہ ہے جس کے نتیجے میں دختر رسولؐ فاطمہؑ نے وفات پائی۔

صرف اور صرف لوگوں کے مسلمان ہونے پر اور ان کی تعداد کی کثرت کی بنا پر خوش ہوتے اور یا آپ نے ان کے صحابی ہونے کے پیش نظر ان کی خطاؤں سے چشم پوشی کی ہو بلکہ آپ نے باضابطہ طور پر ان کے آئندہ انحرافات کی خصوصیات کا نقشہ کھینچا اور مسلمانوں کو ان جرائم کے ارتکاب سے خبردار کیا اور انہیں بداطوار لوگوں کے اعمال میں شریک ہونے سے ڈرایا۔

ہم دیکھتے ہیں کہ رسول اکرمؐ نے کن کن عبارات اور الفاظ کے ساتھ اسلام میں تحریف اور تغیّر کے بارے میں مسلمانوں کی یہودیوں اور عیسائیوں سے مماثلت کا ذکر فرمایا ہے اور ان کے جھوٹ اور افتراء کی جانب اشارہ فرمایا ہے۔

حضرت علامہ عسکری نے اس بے نظیر تحقیق کے ساتھ جو ان کا خاصہ ہے اہل سنت کے معتبر اور قابل قبول مدارک سے استفادہ کیا ہے تاکہ انکار کی کوئی گنجائش باقی نہ رہے اور یہ ثابت کیا ہے کہ کیونکہ قرآن مجید اللہ تعالیٰ کے ارادے کی بنا پر تبدیلیوں اور تحریف سے محفوظ رہا اور اس کی بجائے احادیث رسولؐ تغیّر و تبدّل کا شکار ہو گئیں اور اگر اہل بیت رسولؐ سے تعلق رکھنے والے اسلام کے سچے پیشوا کوشش نہ فرماتے تو یہ تحریفات اسلام کے حقیقی چہرے کو اپنے گرد و غبار میں چھپا لیتیں اور جو اسلامی حقائق اس وقت ہماری دسترس میں ہیں ان کے خد و خال واضح نہ ہوتے۔

نیز اس کتاب میں ان تحریفات کا موازنہ بھی کیا گیا ہے جو گزشتہ ادیان اور اسلام میں رونما ہوئیں۔

گزشتہ ادیان میں کلام الٰہی میں تحریف کی گئی لیکن جہاں تک اسلام کا تعلق ہے چونکہ خود خداوند عالم نے اپنے کلام کی حفاظت کا ذمہ لیا تھا اس لیے وہ تحریف سے محفوظ رہا لیکن اس کی بجائے رسول اکرمؐ کی حدیث جو قرآن مجید اور دوسرے اسلامی علوم و معارف کی شارح اور مفسّر تھی تحریف سے دوچار ہو گئی۔

چونکہ ہمارے اور پیغمبر اسلامؐ کے درمیان تقریباً چودہ سو سال کا فاصلہ ہے اس لیے ہمارے پاس حقیقی اسلام کو سمجھنے کے لیے اس کے علاوہ اور کوئی ذریعہ نہیں کہ ہم اسلام اور اس کی تاریخ کے بارے میں لکھی گئی معتبر کتابوں سے رجوع کریں تاہم ان کتابوں کی تعداد اتنی زیادہ ہے کہ ان سب کا یا ان میں سے بیشتر کا مطالعہ کرنا ہر ایک کے بس کی بات نہیں، اس لیے جو کچھ اس کتاب میں لکھا گیا ہے اس کے ماخذ کا ذکر تفصیل سے کیا گیا ہے۔

ہر اس شخص کے لیے جو حق و حقیقت کا جویا ہے یہ لازم ہے کہ دوسروں کی اندھا دھند تقلید کرنے کی بجائے خود جستجو کرے اور اپنے پیشروؤں کے طور طریقے اور خیالات صرف اس وقت اپنائے جب اسے اپنی ذاتی کاوش کے بعد ان کی صحت اور صداقت کا یقین ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ نے سورۂ بقرہ کی ۱۶۹ ویں آیت میں فرمایا ہے:

"کیا وہ اپنے آبا و اجداد کی پیروی کرنا چاہتے ہیں حالانکہ وہ کچھ نہیں جانتے تھے اور ہدایت سے بے بہرہ تھے۔"

سید حسن افتخار زادہ سبزواری
صفر المظفر سنہ ۱۳۹۷ ہجری

سرگزشتِ حدیث

لوگوں کی یہ مسلسل عادت رہی کہ وہ ہر نبی کے بعد اس کی شریعت کو تبدیل کر دیتے تھے اور اسکی لائی ہوئی آسمانی کتاب میں تحریف کر دیتے تھے اور جب کسی پیغمبر کی مقدس کتاب میں تحریف کر دی جاتی تھی اور اسکی شریعت تبدیل کر دی جاتی تھی تو خداوند تعالیٰ ایک اور پیغمبر اور تازہ شریعت بھیجکر اپنے دین کی تجدید کر دیتا تھا۔
شریعتیں اسی طرح ارتقا کی منزلیں طے کرتی رہیں حتیٰ کہ نوبت پیغمبر اسلامؐ تک پہنچی اور خدا نے یہ چاہا کہ شریعتوں کو اسلام پر ختم کر دے۔ اس بنا پر اس نے اسلام کی آسمانی کتاب (قرآن) کی تحریف سے حفاظت کرنے کی ذمہ داری خود سنبھال لی اور فرمایا:

إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ ۔ (سورۂ حجر۔ آیت ۹)

"ہم نے ذکر (قرآن) نازل کیا ہے اور ہم خود اس کے نگہبان ہیں۔"

اسلامی اقوام میں اختلاف کا منبع

نماز، زکات اور حج جیسے اسلامی احکام اور انسان کی ضرورت کے دوسرے تمام احکام کے بنیادی اصول قرآن مجید میں موجود ہیں خواہ ان کا تعلق عبادات سے ہو یا معاملات سے!

نبی کریمؐ نے قرآن مجید میں مندرج احکام کی وضاحت کرنے اور لوگوں کو سمجھانے کے سلسلے میں ان کی جزئیات بیان کرنے کی جانب توجہ فرمائی اور نماز کی رکعتوں کی تعداد اور اس کے اذکار، زکات کے نصاب کا تعین، حج ادا کرنے کا طریقہ اور دیگر مناسک بیان فرمائے۔

اس گفتگو سے ہم جو نتیجہ اخذ کرتے ہیں وہ یہ ہے کہ احکام کے اصول قرآن مجید میں مندرج ہیں لیکن ان کی تفصیل اور تشریح حدیث کی صورت میں رسول اکرمؐ سے نقل کی گئی ہے۔

پیغمبر خداؐ کی پیروی کرنا لازم ہے جیسا کہ خدا نے حکم دیا ہے:

"جو کچھ رسولؐ تمہیں دیں وہ لے لو اور جس چیز سے منع کریں اس سے باز رہو۔" (سورۂ حشر آیت ۷)

لیکن بدقسمتی سے رسول اکرمؐ کے زمانے میں لوگوں نے آپ پر تہمتیں باندھیں اور جعلی روایتیں آپ سے منسوب کر دیں جیسا کہ امام علیؑ نے اس بارے میں فرمایا ہے:

"رسول اللہؐ کے زمانے میں لوگوں نے اتنی جھوٹی باتیں آپ سے منسوب کیں کہ مجبوراً آنحضرتؐ اپنی جگہ سے اٹھے اور لوگوں سے یوں خطاب فرمایا: جو کوئی جان بوجھ کر مجھ سے جھوٹی بات منسوب

کرے گا خدا اسے جہنم میں جگہ دے گا۔" [1]

تاہم یہ عمل رسول اکرمؐ کی وفات کے بعد بھی جاری رہا اور لوگ آنحضرتؐ سے جھوٹی باتیں منسوب کرنے سے باز نہیں آئے لہٰذا ہم دیکھتے ہیں کہ اسلامی احکام میں تفرقہ پیدا ہو گیا اور اس نتیجے میں مسلمانوں میں اختلافات ظاہر ہوئے اور چونکہ خداوند تعالیٰ نے خود اس بات کا ذمہ لیا ہے کہ وہ اپنی کتاب کو حتماً ہر قسم کی تحریف اور تبدیلی سے محفوظ رکھے گا اس لیے بددیانت لوگوں کے ہاتھ رسول خداؐ کی حدیث کی جانب بڑھے اور انہوں نے حدیث میں جو قرآن مجید کی شارح اور اس کے مطالب کی وضاحت کرنے والی ہے تحریف کی اور مختلف موضوعات پر روایتیں وضع کر کے جھوٹی باتیں آنحضرتؐ سے منسوب کر دیں۔

چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ مسلمانوں میں کیا کیا اختلافات وجود میں آئے یہاں تک کہ دین کے تمام معاملات میں خواہ وہ اعتقادی ہوں یا فروعی ہوں اختلافِ رائے پیدا ہو گیا۔

انہوں نے خدا کی صفات کے بارے میں اختلاف کیا کہ: آیا وہ جسم ہے اور اعضاء رکھتا ہے اور آیا قیامت کے دن اسے دیکھا جائے گا اور کیسے دیکھا جائیگا؟ [2]

---

[1] اس سلسلے میں ملاحظہ کیجیے: ۱۔ نہج البلاغہ۔ خطبہ ۲۰۱
۲۔ صحیح بخاری، کتاب علم، باب اثم من کذب علی النبیؐ (محمد اسمٰعیل بخاری)
۳۔ فتح الباری (شرح صحیح بخاری) جلد اول صفحہ ۲۰۹ (ابن حجر عسقلانی)

[2] ملاحظہ کیجیے: توحید۔ مکتبۃ الکلیات الازہریہ، مصر ۱۳۸۸ھ۔ق (ابن خزیمہ)
اور کلمۃ حول الرویۃ۔ مطبوعہ نعمان۔ نجف اشرف (سید عبدالحسین شرف الدین عاملی)

اور قرآن کے بارے میں اختلاف ہوا کہ: آیا وہ حادث ہے یا قدیم اور ازلی ہے۔

اسی طرح انبیائ کے متعلق اختلاف کیا گیا کہ: آیا انبیاءؑ ہر گناہ کے ارتکاب سے معصوم ہیں یا فقط کارِ رسالت انجام دینے کے سلسلے میں معصوم ہیں اور دوسرے معاملات میں گناہ کر سکتے ہیں۔

نیز رسول اکرمؐ پر وحی کے نزول کے بارے میں بھی اختلاف پیدا ہوا کہ: آیا آنحضرتؐ نے یہ خیال کیا کہ جبرئیل شیطان ہے جو آپ سے شرارت کر رہا ہے یا واقعی روح الامین ہے جس نے قرآن مجید آپ کے قلب پر نازل کیا۔ [1]

انھوں نے فروعی احکام کے بارے میں بھی اختلاف کیا کہ: آیا جو شخص وضو کر رہا ہو اسے پاؤں کا مسح کرنا چاہیے یا انہیں دھونا چاہیے!

اور آیا نماز کی ابتدا میں سورۂ حمد پڑھنے سے پہلے بسم اللہ پڑھنی چاہیے یا نہیں اور آیا حج میں طواف النساء واجب ہے یا نہیں۔ [2]

اور یوں تمام اسلامی احکامات اور معاملات میں تبدیلی پیدا ہوگئی؛ چنانچہ اگر ہم اس بارے میں جستجو کریں کہ اصول دین اور فروع دین کے متعلق یہ تمام اختلافات پیدا ہونے کی اصل وجہ کیا تھی تو ہمیں آسانی سے معلوم ہو سکتا ہے کہ یہ تمام اختلافات مختلف ادوار میں خلفاء کی دخل اندازی کی وجہ سے وجود میں آئے کیونکہ بعض احکام کے صدور کا منبع یہ تھا کہ ان کی حکومتیں ایسی چیزوں کا

---

[1] اہل تشیع اور اہلسنت کی کتابوں میں نزول وحی کی ابتداء کے بارے میں بحث ملاحظہ کیجیے۔

[2] دیکھیے: المسائل الفقہیہ (سید عبدالحسین شرف الدین عاملی)

الوضوء (نجم الدین عسکری)

حکم دیتی تھیں جو ان کی سیاست کے لیے سازگار ہوں۔ [1] اور پھر انکے نمک خوار یہ کوشش کرتے تھے کہ قرآن مجید کی آیات کی تاویل اس کے مطابق کریں اور اس حکم کی تائید میں رسول اکرمؐ سے ایک حدیث بھی روایت کریں۔ [2]

نتیجہ یہ ہوا کہ وہ جس چیز کی منظوری دیدیتے تھے وہ قابل پیروی اور صحیح اسلام کی نشاندہی کرنیوالی ہو جاتی تھی اور قدرتی طور پر جو حکم اسکے خلاف ہوتا تھا اس سے بے اعتنائی برتی جاتی تھی۔ اگر کوئی شخص اس حکم کی مخالفت کرتا تھا جو انہیں پسند ہوتا تھا (خواہ وہ قرآن کے خلاف ہی ہوتا) تو وہ اس کے ساتھ نہایت بے رحمانہ سلوک کرتے تھے اور بعض اوقات انہیں اپنی جان کا خطرہ لاحق ہو جاتا تھا۔

پھر حکام وقت نے اپنی سلطنت کی بہتری اس میں سمجھی کہ فقہی مسائل میں لوگوں کو اہلسنت کے چار ائمہ (ابوحنیفہ، شافعی، احمد بن حنبل اور مالک بن انس) [3] کی پیروی کرنے پر مجبور کریں [4] اور اسی طرح انہیں مجبور کریں کہ وہ اعتقادی مسائل

---

[1] ملاحظہ کیجیے: من تاریخ الحدیث (سید مرتضیٰ العسکری)

اضواء علی السنۃ المحمدیہ (شیخ محمود ابوریہ)

[2] تاریخ الشیعہ (محمد حسین مظفر)

[3] اہلسنت کے چار امام یہ ہیں: (ا) امام ابوحنیفہ نعمان بن ثابت ۱۵۰ھ ق میں فوت ہوئے (ب) ابوعبداللہ مالک بن انس ۱۷۹ھ ق میں فوت ہوئے۔

(ج) ابوعبداللہ محمد بن ادریس شافعی مطلبی ۲۰۴ھ ق میں فوت ہوئے۔

(د) ابوعبداللہ احمد بن محمد بن حنبل ذہلی شیبانی ۲۴۱ھ ق میں فوت ہوئے۔

[4] جیسا کہ سلطان ظاہر بیبرس بندقداری نے ۶۶۵ھ ق میں اس بارے میں فرمان جاری کیا تھا۔ ملاحظہ کیجیے "خطط" صفحہ ۶۱ (مقریزی)

ہیں اشعری لہ کے عقائد کی پیروی کریں۔

مسلمانوں کے ایک گروہ نے اپنے آپ کو 'صحاح' ۲ بالخصوص صحیح بخاری اور صحیح مسلم ۳ کی تقلید کا پابند کرلیا اور حدیث کے بارے میں ہر قسم کی بحث کا دروازہ بند کر کے اپنے لیے علم کا دروازہ بند کرلیا۔ یہ ایسے ہی ہوا جیسے کہ چار اماموں میں سے کسی ایک کی تقلید پر مجبور کرکے اجتہاد کا دروازہ بند کر دیا گیا۔

جس زمانے میں مسلمان فقط خلفاء کی جانب سے جاری کیے گئے احکامات کے تابع تھے اور دوسرے الفاظ میں جو حکم ان کی طرف سے نافذ کیا جاتا تھا اسے خدا کا حکم سمجھتے تھے۔ امت اسلامی میں کچھ ایسے لوگ بھی تھے جو اسلامی احکامات اور قرآنی تعلیمات کی حفاظت کی کوشش کرتے تھے تاکہ اسلامی احکامات معدوم نہ ہو جائیں یا ان میں کوئی تبدیلی نہ پیدا ہو جائے اور رسول اکرمؐ کی سنت تحریف اور تغیر و تبدل سے دوچار نہ ہو جائے۔

یہ بزرگوار رسول خداؐ کے اہلبیتؑ اور لوگوں کے حقیقی پیشوا تھے اور جو لوگ ان کی پیروی کرتے تھے انہیں شیعہ کہا جاتا تھا۔ شیعہ علماء رسول اکرمؐ کی احادیث ائمہ اہل بیتؑ سے حاصل کرتے تھے اور لوگوں تک پہنچاتے تھے۔

لہ ابوالحسن علی بن اسماعیل ۳۲۴ھ میں فوت ہوئے۔ اس گروہ کے حالات کا مطالعہ ذہبی کی تصنیف 'عبر' میں کیا جا سکتا ہے۔

۲ صحاح، صحیح کی جمع ہے اور ان کتابوں کو کہا جاتا ہے جن کی تمام روایات اہل سنت کے نقطۂ نگاہ کے مطابق صحیح ہوں۔

۳ ان دو کتابوں کی علمی قدر و منزلت کا اندازہ لگانے کے لیے محمد صادق نجمی کی کتاب "سیری در صحیحین" سے رجوع کیجیے۔

کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے، ان لوگوں کی پیروی کرو جن کا قول اور حدیث یہ ہے کہ:

"روایت کرتے ہیں ہمارے نانا جبرئیلؑ سے اور جبرئیلؑ خدا سے:

شیعہ علماء کمال جرأت اور دلاوری کے ساتھ ہمیشہ اسلامی روایات کی حفاظت اور اشاعت کی کوشش کرتے رہے ہیں اور اب تک کر رہے ہیں لیکن چونکہ اکثر لوگ اپنے سرداروں کی پیروی کرتے ہیں اور اس چیز کو اسلام سمجھتے ہیں جسے وہ پسند کریں اور خدا کا حکم اسے جانتے ہیں جس کی وہ تصویب اور تائید کریں اور ان روایتوں کو صحیح گردانتے ہیں جنہیں حکمران قبول کریں لہٰذا لوگوں کی ایک جماعت بتدریج اصلی اسلام سے دور ہو گئی۔ اسے اہلسنت والجماعت کا نام دیا گیا اور جو لوگ حکام وقت کی مخالفت کرتے تھے اور برحق پیشواؤں اور ائمہ اہل بیتؑ کے تابع تھے وہ رافضہ لہ کے نام سے موسوم ہوئے۔ لہٰذا ہم دیکھتے ہیں کہ ہر دور کے حکمران اپنے اپنے زمانے میں ائمہ اہل بیتؑ سے نالاں اور خائف رہتے تھے اور ان کے شیعوں پر الزام تراشیاں کرتے تھے اور انہیں تکلیفیں پہنچاتے تھے۔"

اس تمام زیادتی اور سخت گیری کے مقابلے میں شیعہ علماء نسل در نسل ثابت قدم رہے۔ انہوں نے تشیع کے جانفزا مکتب کا تعارف کرایا اور ان کے

لہ رفض کے معنی رد کرنے کے ہیں شیعوں کو یہ نام دینے کی وجہ یہ تھی کہ وہ اپنی تکالیف کے طویل دور میں ہمیشہ ان ظالمانہ احکامات کو رد کر دیتے تھے جو حق کے خلاف ہوتے تھے

اپنے اور اہل سنت والجماعت کے مابین جو اختلافات تھے وہ بیان کیے۔ اس گروہ یعنی شیعہ اکابرین میں سے جن علماء نے یہ اہم کام موجودہ دور میں انجام دینے کا فرض سنبھالا ان میں سے چند یہ ہیں:

۱۔ شہرۂ آفاق کتاب "اعیان الشیعہ" [1] کے مصنف مرحوم سید محسن امین (المتوفی ۱۳۷۱ھ)

۲۔ "اصل الشیعہ و اصولہا" کے مصنف مرحوم شیخ محمد حسین آل کاشف الغطاء (المتوفی ۱۳۷۳ھ)

۳۔ "الذریعہ الی تصانیف الشیعہ" [2] کے مصنف مرحوم شیخ آغا بزرگ طہرانی (المتوفی ۱۳۹۰ھ)

۴۔ "عقائد امامیہ" [3] کے مصنف مرحوم شیخ محمد رضا مظفر

۵۔ "شیعہ در اسلام" [3] کے مصنف اور مشہور تفسیر "المیزان" کے مفسر مرحوم سید محمد حسین طباطبائی (المتوفی ۱۴۰۲ھ)

علماء کے اس گروہ نے اور کئی دوسرے علماء نے اپنے لیے ایک راستے کا

---

[1] "اعیان الشیعہ" کی ۵۰ جلدوں میں شیعہ اکابرین کے حالات زندگی کا مطالعہ کیا گیا ہے۔ مطبوعہ مطبعۃ الانصاف۔ بیروت ۱۹۵۸ء

[2] اب تک "الذریعہ الی تصانیف الشیعہ" کی ۲۰ جلدیں چھپ چکی ہیں اور تیسرا حصہ مسودے کی شکل میں باقی ہے۔ اسی طرح "طبقات اعلام الشیعہ" کی فقط چار جلدیں چھپی ہیں جن میں ۱۳ ویں اور ۱۴ ویں صدی ہجری کے علماء کے حالات درج ہیں۔

[3-3] ان کتابوں کے اردو تراجم "مکتب تشیع" اور "پاسداران اسلام" کے نام سے جامعہ تعلیمات اسلامی پاکستان نے شائع کیے ہیں۔

انتخاب کیا ہے تاکہ شیعہ اور تشیع کا دفاع کریں اور ان کا تعارف کرائیں اور ان بزرگوں میں سے ہر ایک نے اس موضوع پر بڑے عمدہ طریقے سے خامہ فرسائی کی ہے اور حق تحقیق ادا کیا ہے۔

چونکہ ہماری نظر میں اختلاف کا منبع رسول اکرمؐ کی حدیث اور وہ چیزیں ہیں جو آنحضرتؐ کی سیرت کے بارے میں لکھی گئی ہیں اس لیے مناسب ہے کہ ہم حدیث کے بارے میں بحث اور غور و خوض کریں تاکہ متقدمین کی باتوں پر تکیہ اور ان کی تقلید ختم ہو جائے اور ہم حدیث اور تاریخ کی کتابیں تالیف کرنے والوں کی پرستش کے درجے سے نیچے لاسکیں [1] اور سیرت اور حدیث کی پہچان کے لیے وسیع اور گہرا مطالعہ کریں۔

ہمیں چاہیے کہ رسول اکرمؐ کی حدیث اور سیرت اور صحابہ کی روش کے متعلق علمی بحث کریں۔ بالخصوص ان صحابہ کی سیرت کے متعلق جنہوں نے احادیث نقل کی ہیں اور جنہیں اپنے معاشرے کے رہنما گردانا گیا ہے اور پھر حدیث اور مذاہب کی موجودہ وقت تک کی کتابوں کا طبقہ وار مطالعہ کریں۔ یہی وہ واحد طریقہ ہے جس کے ذریعے ہم اس وقت حقیقت تک پہنچ سکتے ہیں اور مسلمانوں کے اختلافات دور کر سکتے ہیں۔

جن اشخاص نے اس سلسلے میں کام کیا ہے ان میں سے کچھ یہ ہیں:

۱۔ مرحوم سید عبدالحسین شرف الدین عاملی نے اپنی کتاب "ابوہریرہ" میں۔

ب۔ سید مرتضیٰ عسکری (موجودہ کتاب کے مصنف) نے تاریخ اور احادیث

---

[1] جیسے کہ دیکھا جاتا ہے اہل سنت کے کچھ فرقے اپنے گزرے ہوئے لوگوں کے بارے میں اسی قسم کا عقیدہ رکھتے ہیں۔

کے مطالعہ کے سلسلے میں جو دراسات فی الحدیث والتاریخ کے نام سے شائع ہوا ہے۔ [1]

اور جو اشخاص اس موضوع پر بحث اور تحقیق کرنا چاہیں ان کے لیے امیرالمومنین علیؑ کے وہ الفاظ بہترین رہنما ہیں جو آپ نے سلیم بن قیس سے کہے۔ سلیم بیان کرتے ہیں کہ میں نے امیرالمومنین علیؑ سے عرض کیا:

"میں نے سلمان، مقداد اور ابوذر سے قرآن کی تفسیر میں بعض چیزیں سنی ہیں جو ان چیزوں سے متفاوت ہیں جو لوگ کہتے ہیں اور پھر میں نے آپ سے کچھ سنا ہے جو اسی کے مطابق ہے جو انہوں نے مجھ سے بیان کیا۔ لوگ تفسیر قرآن اور رسول اللہؐ کے ارشادات کے بارے میں کچھ باتیں کہتے ہیں جن کے آپ مخالف ہیں اور انھیں جھوٹ سمجھتے ہیں۔ کیا آپ کی مراد یہ ہے کہ لوگوں نے جان بوجھ کر جھوٹی باتیں رسول اکرمؐ سے منسوب کی ہیں اور قرآن کی تفسیر اپنے قیاس کے مطابق کی ہے؟"

قیس کہتے ہیں حضرت علیؑ نے منہ میری جانب پھیرا اور پھر فرمایا: "بلاشبہ جو احادیث لوگوں کی دسترس میں ہیں وہ حق اور باطل، سچی اور جھوٹی، ناسخ و منسوخ، عام اور خاص، محکم اور متشابہ اور محفوظ اور موہوم ہیں اور یہ ایک حقیقت ہے کہ رسول اکرمؐ کے زمانے میں آنحضرتؐ سے جھوٹی باتیں منسوب کی گئیں حتیٰ کہ

---

[1] اس سلسلے کی جو کتابیں اب تک شائع ہو چکی ہیں وہ یہ ہیں:
ا۔ عبداللہ بن سبا (ب) احادیث ام المومنین عائشہ (ج) خمسون و ماۃ صحابی مختلق۔

آپ نے ایک خطبہ دیا اور فرمایا: یقیناً جھوٹ بولنے والے زیادہ ہو گئے ہیں۔ جو کوئی جان بوجھ کر جھوٹی باتیں ہم سے منسوب کرے گا وہ جان لے کہ اس کا ٹھکانہ دوزخ کی آگ ہے۔"

اور آنحضرتؐ کے وصال کے بعد بھی جھوٹی باتیں آپ سے منسوب کی گئیں۔ [1] اور یقیناً تمہارے لیے چار آدمی حدیث نقل کرتے ہیں جن کا پانچواں نہیں ہے۔ اول وہ ریاکار جو ایمان کا اظہار کرتا ہے اور اپنے آپ کو اسلام کا پیرو ظاہر کرتا ہے لیکن گناہوں سے پرہیز نہیں کرتا اور خوف نہیں کھاتا۔ وہ جان بوجھ رسول اکرمؐ سے جھوٹی باتیں منسوب کرتا ہے۔

پس اگر لوگ اسے منافق اور جھوٹا سمجھتے تو اس کی حدیث قبول نہ کرتے اور اس کی باتوں کا یقین نہ کرتے لیکن وہ کہتے ہیں کہ وہ اصحاب رسولؐ سے ہے جس نے آنحضرتؐ کو دیکھا ہے اور ان سے سن کر حدیث حاصل کی ہے اور یہی وجہ ہے کہ وہ اس کی بات قبول کر لیتے ہیں۔

بالتحقیق خدا نے تمہیں منافق اور مکار لوگوں کے بارے میں خبر دی ہے اور ان کے اوصاف بتائے ہیں اور تمہیں ان سے آگاہ کر دیا ہے۔ [2]

---

[1] حدیث کا یہ حصہ ہم نے کتاب کافی۔ باب اختلاف الحدیث جلد ۱ صفحہ ۶۲ سے نقل کیا ہے۔ بقیہ حدیث کے لیے نہج البلاغہ خطبہ ۲۰۱ صفحہ ۶۰۶ (فیض الاسلام) دیکھیے۔ علاوہ ازیں تحف العقول عن آلِ رسولؑ صفحہ ۳۵ ملاحظہ کیجیے۔

[2] سورہ نساء آیات ۳۶ سے ۴۶ میں منافقین کے اوصاف بتائے گئے ہیں۔

رسول اکرمؐ کے بعد جو منافق رہ گئے وہ گمراہ پیشواؤں اور ان لوگوں کے ساتھ مل گئے جو جھوٹ اور بہتان کے ذریعے لوگوں کو جہنم کی جانب کھینچتے تھے۔ پس انہوں نے لوگوں کو تمام کاموں کا مختار اور لوگوں کے مال اور جان کا حاکم بنا دیا اور ان کے وسیلے سے دنیاوی فوائد حاصل کرنے لگے۔

اور لوگ ہمیشہ بادشاہوں اور دنیا کا ساتھ دیتے ہیں بجز ان کے جنہیں اللہ تعالیٰ محفوظ رکھتا ہے۔

پس ان چار اشخاص میں سے ایک منافق ہے اور دوسرا شخص وہ ہے جس نے رسول اکرمؐ سے کوئی چیز سنی اور اس کا ٹھیک ٹھیک خیال نہیں رکھا اور اس میں غلطی کھائی اور جان بوجھ کر جھوٹ نہیں بولا۔ جو کچھ اس کے پاس ہے اسے نقل کرتا ہے اور اس پر عمل کرتا ہے اور کہتا ہے:

میں نے یہ چیز رسول اللہ سے سنی ہے، لہٰذا اگر مسلمانوں کو علم ہوتا کہ اس نے حدیث کو غلط طور پر سمجھا ہے تو اس سے وہ حدیث قبول نہ کرتے اور اگر وہ خود بھی جانتا ہوتا کہ اس نے غلطی کھائی ہے تو اس حدیث کو ترک کر دیتا اور نقل نہ کرتا۔

اور تیسرا وہ شخص ہے جس نے رسول اکرمؐ سے کوئی ایسی بات سنی جس میں انہوں نے کوئی کام کرنے کا حکم دیا لیکن بعد میں اس کام سے منع فرمایا لیکن اسے اس بات کا علم نہیں ہوا کہ آنحضرتؐ نے اس کام سے منع کر دیا ہے یا اس نے ان سے کوئی ایسی بات سنی جس میں انہوں نے کوئی کام کرنے سے منع فرمایا لیکن بعد میں وہ کام کرنے کا حکم دیا تاہم اسے نئے حکم کا پتا نہ چلا۔ پس اس نے منسوخ شدہ حکم تو یاد رکھا لیکن منسوخ کرنے والے حکم سے لاعلم رہا اور اگر وہ جانتا ہوتا کہ یہ حدیث منسوخ ہوگئی ہے تو اسے نقل نہ کرتا اور اگر دوسرے مسلمانوں کو بھی وہ حدیث

سنتے وقت معلوم ہوتا کہ یہ حدیث منسوخ ہو چکی ہے تو اس پر عمل نہ کرتے۔

چوتھا شخص وہ ہے جس نے خدا اور رسولؐ سے کوئی جھوٹی بات منسوب نہیں کی اور خدا کے خوف اور رسول خداؐ کے احترام کی بنا پر جھوٹ کو برا سمجھا اور کوئی غلطی بھی نہیں کھائی بلکہ جو کچھ سنا اسے ہو بہو حفظ کر کے نقل کیا۔ اس نے اس میں کوئی کمی بیشی نہ کی۔ ناسخ حدیث کو ذہن نشین کر لیا اور اس کے مطابق عمل کیا اور منسوخ شدہ حکم کو بھی مدنظر رکھا اور اس سے دوری اختیار کی اور عام و خاص احکام کو پہچانا اور ہر ایک کو اس کا صحیح مقام دیا اور اس کے متشابہ اور محکم کو سمجھا۔

رسول اکرمؐ بعض اوقات کوئی ایسی بات کہتے تھے جس کے دو معنی ہوتے تھے۔ کوئی بات تو کسی معینہ چیز اور وقت سے مخصوص ہوتی تھی اور کوئی بات ہر چیز اور ہر وقت پر حاوی ہوتی تھی۔ پس جس شخص کو یہ علم نہیں ہوتا تھا کہ خدا اور اس کا رسولؐ اس بات سے کیا چاہتے ہیں۔ وہ اسے سنتا تھا اور اپنی ناسمجھی کی بنا پر خلاف واقعہ اور جس مقصد کے لیے وہ بات کہی گئی ہوتی اس کے برعکس اس کے معنی نکالتا اور اس کی غلط توجیہ کرتا۔ [1]

اور ایسا نہیں تھا کہ رسول اکرمؐ کے تمام اصحاب ان سے مسائل دریافت کرتے اور انہیں سمجھنے کے لیے تجسس کرتے تھے بلکہ وہ اس بات کو پسند کرتے تھے کہ کوئی صحرانشین یا مسافر آنحضرتؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر ان سے کوئی مسئلہ پوچھے تاکہ وہ بھی اس کا جواب سن لیں لیکن مجھے کوئی ایسا واقعہ درپیش نہیں ہوا بجز اس کے کہ میں نے اس کے بارے میں آنحضرتؐ سے پوچھا اور جو کچھ انہوں

---

[1] بعض اوقات رسول اکرمؐ کے احکام فقط کسی معینہ وقت کے لیے ہوتے تھے اور ان پر کسی اور وقت میں نہیں بلکہ مخصوص وقت میں عمل کیا جا سکتا تھا۔

نے فرمایا اسے حفظ کر لیا۔

پس روایات کے بارے میں لوگوں کے اختلاف اور پریشانی کے اسباب یہی ہیں۔ [۱]

ہم نے حدیث کے بارے میں لوگوں کے اختلاف کے منبع کے متعلق حضرت علیؑ کا ارشاد اس کے طویل ہونے کے باوجود نقل کیا ہے کیونکہ یہ اس چیز کی مکمل طور پر وضاحت کرتا ہے جس کے ہم دعویدار ہیں اور اس بات کے ضروری ہونے کی تائید کرتا ہے کہ ہمیں چاہیے کہ رسول اکرمؐ کی حدیث اور آنحضرتؐ اور صحابہ کی سیرت کے بارے میں بحث کریں تاکہ اختلافات آسانی سے رفع ہو جائیں اور خدا کی مدد سے اسلام کی شناخت ہو سکے۔

[۱] جو کچھ اس خطبے میں فرمایا گیا ہے اسکی تشریح مندرجہ ذیل کتابوں میں ملاحظہ کیجیے:
من تاریخ الحدیث (سید مرتضیٰ العسکری)
اضواء علی السنۃ المحمدیہ اور شیخ المضیرۃ (شیخ محمود ابوریہ)
ابو ہریرہ (سید عبدالحسین شرف الدین عاملی)

سرگزشتِ حدیث

جب رسول خداؐ نے اس دنیا سے رحلت فرمائی تو دو بیش بہا ورثے اپنے صحابہ کے درمیان چھوڑے یعنی قرآن (= خدا کی کتاب) اور عترت (= خاندان رسولؐ) اور اپنی امت کو حکم دیا کہ ان سے متمسک رہیں اور ہرگز ان سے جدا نہ ہوں۔ [۱]

اپنی زندگی کے دوران قرآنی حقائق بیان کرنا آنحضرتؐ کی ذمہ داری تھی۔ وہ اپنے پیروؤں کو عقائد، معارف اور احکام پر مشتمل تمام اسلامی علوم کی تعلیم حدیث کے ذریعے دیتے تھے۔ حدیث نقل کرنے کے بارے میں آپ یوں ارشاد فرماتے تھے:

"خدا خوش رکھے اس بندے کو جو ہماری بات سنے اور اسے سمجھ لے اور ان دوسرے لوگوں تک پہنچا دے جنہوں نے اسے نہ

[۱] ملاحظہ کیجیے: (ا) مسند احمد بن حنبل۔ جلد ۳ حدیث ۱۷۲۹۳۶ اور جلد ۵
(ب) "صحیح" محمد بن عیسیٰ ترمذی، [illegible]

سنا ہو کیونکہ ایسے بہت سے لوگ ہیں جو علم و دانش کی باتیں اپنے سے زیادہ دانا اور سمجھدار لوگوں کے سامنے دہراتے ہیں۔" [1]

اب ہم دیکھتے ہیں کہ اسلامی معاشرے کے افراد نے رسول اکرمؐ کی رحلت کے بعد قرآن اور اہلبیتؑ کے ساتھ کیا کیا اور آنحضرتؐ کی احادیث کے مقابلے میں انہوں نے کیا کردار ادا کیا۔

انہوں نے آنحضرتؐ کے خاندان کو معاشرے سے خارج کر کے خانہ نشین کر دیا اور ان کے ساتھ ایسا سلوک کیا جس کے بیان کرنے کا زبان کو یارا نہیں [2] اور جب وہ اسلام کے حقیقی محافظوں کو معاشرے سے نکال باہر کرنے کی سازش میں

---

[1] صحیح محمد بن عیسیٰ ترمذی، جلد ۱ صفحہ ۱۲۵، جلد ۱ صفحہ ۱۴ باب فضل العلم تبلیغ الحدیث عن رسول اللہؐ۔ بحار الانوار۔ علامہ محمد باقر مجلسی۔ جلد ۱ صفحات ۱۰۹، ۱۱۰۔

[2] دو بزرگ صحابیوں سلمانؓ اور ابوذرؓ نے اس زمانے کے حالات کی تشریح بڑے مؤثر انداز میں کی ہے۔ سلمانؓ فرماتے ہیں: اپنے ناشائستہ عمل (غصب خلافت) کے نتیجے میں تم پریشانی میں مبتلا ہو گئے اور ہدایت کے چشمے سے دور رہ گئے۔ ابن ابی الحدید شرح نہج البلاغہ جلد ۲ صفحات ۱۳۱، ۱۳۲ اور جلد ۶ صفحہ ۱۷۔ آپ نے یہ بھی فرمایا کہ: انہوں نے خلافت غصب کی جو ایک برا کام تھا۔ اگر یہ علیؑ کی بیعت کر لیتے تو یقیناً آسمان اور زمین کی نعمتیں حاصل کر لیتے۔ ابوذرؓ فرماتے ہیں: اگر تم اس چیز کو مقدم رکھتے جسے خدا نے مقدم رکھا ہے اور اس چیز کو ترک کر دیتے جسے خدا نے ترک کیا ہے اور اپنے پیغمبرؐ کے خاندان کی ولایت اور وراثت تسلیم کر لیتے تو بلاشبہ خدا کی نعمتوں سے بہرہ مند ہوتے لیکن اب جبکہ تم نے یہ عمل انجام دے ہی دیا ہے تو اپنے اعمال کا نتیجہ بھی بھگتو۔

کامیاب ہو گئے تو ان کے لیے ممکن ہو گیا کہ قرآن اور احادیث کے درمیان ـــ جو اس کا صحیح مطلب بیان کرتی تھیں ـــ جدائی ڈالدیں اور خدا کی کتاب کی تفسیر اور تاویل اپنی خواہشات کی بنیاد پر کریں۔

رسول اکرمؐ کے اقوال اور آپ کے طور طریقے جنہیں سنت کہا جاتا ہے بجائے خود خلفاء کی سیاست کے راستے میں ایک بہت بڑی رکاوٹ تھے اور اس کے نتیجے میں ان کے مخالفین کے ہاتھ میں بڑا مؤثر حربہ تھے۔ اس بنا پر خلفاء نے واحد چارۂ کار یہ سمجھی کہ اپنے مخالفین کو اس حربہ سے محروم کر دیں۔

پہلے ابوبکر نے یہ طے کیا کہ اس ہتھیار پر اجارہ حاصل کر لیں اور اس مقصد کے حصول کی خاطر رسول اکرمؐ کی پانچسو کے لگ بھگ احادیث جمع کر کے انھیں مدوّن کیا لیکن کچھ مدت کے بعد انہیں احساس ہوا کہ اس کام سے انہیں کوئی فائدہ نہ ہوگا کیونکہ اجارہ داری کا کوئی امکان نہ تھا لہٰذا انہوں نے وہ تمام حدیثیں جلا دیں [1]

بلاشبہ اس زمانے میں اس بات کا کوئی امکان نہ تھا کہ لوگوں کو احادیث نقل کرنے یا لکھنے سے باز رکھا جائے اور انہیں فقط احادیث سے استفادہ کرنے پر مجبور کیا جائے جو ابوبکر نے جمع کی تھیں، لہٰذا انہوں نے اس کا علاج یہ سمجھا کہ احادیثِ رسولؐ کا روایت کرنا قطعاً ممنوع قرار دیدیں تاکہ لوگوں کے ہاتھ اس طاقتور ہتھیار سے خالی ہو جائیں۔ اس بنا پر خلیفہ نے مسلمانوں کو حدیث نقل کرنے سے منع کرتے ہوئے حکم دیا: "رسول اللہؐ سے حدیث نقل نہ کرو اور قرآن کی طرف متوجہ رہو"۔ [2]

جی ہاں! لوگوں سے کہا گیا کہ فقط قرآن سے کام رکھیں کیونکہ قرآن کو

---

[1] شمس الدین ذہبی۔ "تذکرۃ الحفاظ" جلد ۱ صفحہ ۵۔

[2] ـــــ ایضاً ـــــ جلد ۱ صفحہ

احادیث رسولؐ سے جدا کر کے اس کی تاویل اپنی مرضی کے مطابق کی جا سکتی تھی۔
ابوبکر نے وفات پائی تو اپنے وصیت نامے میں خلافت عمر کے سپرد کر دی۔[۱]
بلاشبہ بہت سے مسلمانوں نے جو ارشاداتِ رسولؐ سے بے بہرہ ہونے کی وجہ سے اپنی روشن دماغی کھو بیٹھے تھے خلیفہ کا حکم ماننے سے انکار نہیں کیا۔

عمر نے بھی اپنے دورِ حکومت میں حدیث کی مناہی کی پالیسی پر بڑی سختی سے عمل کیا اور ایک دفعہ جب دکھاوے کی غرض سے رسول اکرمؐ کی احادیث لکھنے اور نقل کرنے کا مسئلہ لوگوں کے سامنے پیش کیا اور عام مسلمانوں نے اس کے لازم ہونے کے حق میں فیصلہ دیا تو انہوں نے کمال ہوشیاری سے ایک مہینے تک سوچنے کے بعد اس کا حل ڈھونڈ لیا۔ چنانچہ انہوں نے لوگوں کو مخاطب کرتے ہوئے کہا:

"میں رسول اکرمؐ کی احادیث لکھنا چاہتا تھا لیکن پھر مجھے سابقہ امتوں کا خیال آیا جنہوں نے بعض کتابیں لکھ کر اور انکی جانب زیادہ توجہ دیکر اپنی آسمانی کتاب کو پس پشت ڈال دیا لہٰذا میں خدا کی کتاب (= قرآن) کے ساتھ ہرگز کسی چیز کی آمیزش کرنا نہیں چاہتا۔"[۲]

وہ جب صحابۂ رسولؐ کو کسی ماموریت کے سلسلے میں بھیجتے تو انہیں حکم دیتے کہ حدیث بیان نہ کریں اور اس کے ذریعے لوگوں کو قرآن سے باز نہ رکھیں۔ اگر انہیں پتا چل جاتا کہ ان میں سے کسی نے ان کے حکم کی خلاف ورزی کی ہے تو اسے اپنے

---

[۱] نہج البلاغہ خطبہ شقشقیہ: حَتّٰی مَضَی الْاَوَّلُ لِسَبِیْلِہٖ فَاَدْلٰی بِھَا اِلٰی فُلَانٍ بَعْدَہٗ۔

[۲] محمد بن سعد کاتب واقدی۔ طبقات الکبریٰ جلد ۳ صفحہ ۲۸۷، ابن عبدالبر "جامع بیان العلم وفضلہ" جلد ۱ صفحہ ۶۴-۶۵

پاس مدینہ بلا لیتے اور وہ جب تک زندہ رہتا اسے زیر نگرانی رکھتے۔[۱]
علاوہ ازیں اگر کچھ احادیث جمع کر کے لکھی جاتیں تو وہ لوگوں سے لے کر انہیں جلا دیتے۔

یوں عمر کی خلافت کا زمانہ اختتام کو پہنچا اور عثمان نے اس جتھا بندی کے ساتھ جو نمودار ہو چکی تھی خلافت سنبھالی۔[۲] عثمان کے زمانے میں اربابِ خلافت کی جانب سے حدیث نقل کرنے کے خلاف جنگ میں مزید شدت آ گئی۔ اگر عمر اپنے زمانے میں صحابۂ رسول کو پریشان کرتے تھے اور انہیں مدینہ میں زیر نگرانی رکھتے تھے اور ان کی لکھی ہوئی حدیثوں کو جلا دیتے تھے تو عثمان انہیں رسول اکرمؐ کے اقوال اور افعال کا تذکرہ کرنے سے باز رکھنے کے لیے آنحضرتؐ کے سربرآوردہ اصحاب کو تکلیفیں پہنچاتے اور جلاوطن کرتے تھے۔ جیسا کہ انہوں نے ابوذرؓ کو مدینہ سے شام، پھر شام سے مدینہ اور پھر مدینہ سے ربذہ جلاوطن کیا حتیٰ کہ رسول اکرمؐ کے اس گرامی قدر صحابی نے تپتے میدان میں جان جاں آفریں کے سپرد کر دی اور آنحضرتؐ کے ایک اور صحابی عمار بن یاسرؓ کو اس قدر مارا کہ وہ بیہوش ہو کر زمین پر گر پڑے۔[۳]

تین خلفاء کے پچیس سالہ دورِ حکومت میں صحابۂ رسولؐ اور تابعین اور اسلام کے دوسرے دست پروردہ لوگ اسی طرح پریشانی کے عالم میں وقت گزارتے رہے

---

[۱] تفصیلات کے لیے سید مرتضیٰ العسکری کی کتاب دراسات من تاریخ الحدیث دیکھیے۔

[۲] نہج البلاغہ خطبہ شقشقیہ فَصَیَّرَھَا فِیْ حَوْزَۃٍ خَشْنَاءَ۔ اس بارے میں تفصیل کے لیے سید مرتضیٰ العسکری کی کتاب عبداللہ بن سبا کا دوسرا ایڈیشن جلد ۱ صفحات ۱۴۲ تا ۱۵۱ ملاحظہ فرمائیں۔ [۳] احمد بن یحییٰ بلاذری۔ انساب الاشراف جلد ۵ صفحہ ۴۹۔

حتیٰ کہ ان کی قوت برداشت جواب دے گئی۔ انہوں نے ایک عوامی بغاوت کرکے عثمان کی خلافت کا خاتمہ کر دیا، انہیں قتل کر دیا اور پھر علیؑ کی جانب متوجہ ہوئے اور انہیں بیحد اصرار کے ساتھ خلافت کے لیے منتخب کر لیا۔ [۱]

امام علیؑ اس وقت خلیفہ بنے جب مسلمان ایک چوتھائی صدی سابقہ خلفاء کے طور طریقوں کے ساتھ گزار کر رفتہ رفتہ ان کے عادی ہو چکے تھے۔ آپ نے اپنے زمانے کے حالات یوں بیان فرمائے ہیں: [۲]

"مجھ سے پہلے خلفاء نے بہت سے ایسے کام انجام دیے ہیں جن میں انہوں نے جان بوجھ کر رسول خدا کی مخالفت کی ہے۔ انکے پیمان کو توڑا ہے اور ان کی سنت کو تبدیل کیا ہے اور اب اگر میں لوگوں کو وہ باتیں ترک کرنے کو کہوں اور معاملات کو ان کی پہلی اور صحیح شکل یعنی اس شکل میں لاؤں جس میں وہ رسول اکرمؐ کے زمانے میں تھے تو میرے سپاہی میرے پاس سے تتر بتر ہو جائیں گے اور مجھے تنہا اور بے کس اور زیادہ سے زیادہ میرے تھوڑے سے شیعوں کے ساتھ چھوڑ دیں گے یعنی میرے ساتھ فقط وہ لوگ رہ جائیں گے جو خدا کی کتاب اور سنت رسولؐ کے ذریعے مجھ سے اور میری امامت سے واقف ہیں۔"

---

[۱] احادیث ام المومنین عائشہ۔ باب عہد الصہرین، صفحہ ۱۱۵ اور اس کے بعد

[۲] ہم نے یہاں امیر المومنین علیؑ کے درد آلود شکووں پر مشتمل جملے آپ کے مطالعہ کے لیے تحریر کیے ہیں لیکن یہ ان کا تحت اللفظ ترجمہ نہیں ہے جس کے لیے شرح اور تفصیل کی ضرورت ہے بلکہ ان کے ارشادات کا مفہوم نقل کیا گیا ہے۔ تفصیل کے لیے محمد بن یعقوب کلینی کی کتاب "روضۂ کافی" جلد ۸ صفحات ۶۱ تا ۶۳ ملاحظہ فرمائیے۔

۱۔ تم کیا خیال کرتے ہو؟ اگر میں حکم دوں کہ مقام ابراہیمؑ کو اس جگہ واپس لایا جائے جس کا رسول اکرمؐ نے حکم دیا تھا۔

۲۔ فدک کو فاطمہؑ کے ورثاء کے سپرد کر دوں۔

۳۔ آنحضرتؐ کے دور میں جو پیمانہ مروج تھا اسے دوبارہ رائج کر دوں۔

۴۔ جو زمینیں رسول اکرمؐ نے کچھ لوگوں کو بعض مصالح کی بنا پر دی تھیں وہ انہیں واپس دلا دوں۔

۵۔ خلفاء کے ظالمانہ فیصلوں کو منسوخ کر دوں۔

۶۔ زکات اس کے اصلی منابع سے اور صحیح مقدار میں وصول کروں۔

۷۔ وضو، غسل اور نماز کو ان کی پہلی شکل پر واپس لے آؤں۔

۸۔ جن عورتوں کو ناجائز طور پر ان کے شوہروں سے جدا کیا گیا ہے انہیں ان کے شوہروں کو لوٹا دوں۔

۹۔ بیت المال کو جسے طبقاتی انداز میں تقسیم کیا گیا ہے، رسول اکرمؐ کے زمانے کی طرح برابر تقسیم کر دوں اور اس بات کی اجازت نہ دوں کہ دولت فقط امیر لوگوں کے ہاتھوں میں رہے۔ [۱]

---

[۱] عمر نے بیت المال کی تقسیم کے ذریعے اسلامی معاشرے میں طبقاتی نظام رائج کیا کیونکہ اس نے اپنے زمانے کے مسلمانوں کے ناموں کی فہرست تیار کی اور ایک گروہ کی پانچ ہزار درہم سالانہ، دوسرے کی چار ہزار درہم سالانہ اور باقیماندہ گروہوں کی تین ہزار، دو ہزار، ایک ہزار اور پانچ سو سے دو سو درہم سالانہ وظیفہ مقرر کیا اور یوں ایک طرف امراء اور دولت مندوں کا اور دوسری طرف فقراء اور ناداروں کا طبقہ پیدا کر دیا۔

١٠- زمینوں کا مالیہ منسوخ کردوں۔ [1]
١١- مسلمانوں کو ازدواج کے معاملے میں ہم پلہ اور برابر قرار دوں۔ [2]
١٢- خمس اس طرح وصول کروں جس طرح خدا نے حکم دیا ہے۔ [3]
١٣- مسجد نبوی کو ویسی شکل دوں جیسی آنحضرت ؐ کے زمانے میں تھی۔ جو دروازے مسجد میں ان کے بعد کھولے گئے انہیں بند کردوں اور جو بعد میں بند کیے گئے انہیں کھول دوں۔
١٤- چمڑے کے جوتے پر مسح کرنے کی ممانعت کردوں۔ [4]
١٥- نبیذ اور کھجور کی شراب پینے پر حد اور مخصوص سزا جاری کروں۔ [5]
١٦- متعۃ الحج اور متعۃ النساء کو رسول اکرم ؐ کے زمانے کی طرح جائز قرار دوں [6]

---

[1] عمر بن خطاب نے زمینوں کا مالیہ عراق میں' ایران کے ساسانی دور کے مالیاتی قوانین کے مطابق اور مصر میں رومی شہنشاہوں کے مالیاتی نظام کے مطابق مقرر کیا۔
[2] عمر بن خطاب نے عرب نسل کی عورتوں کی شادی غیر عربوں سے ممنوع قرار دی تھی۔
[3] رسول اکرم ؐ کے وصال کے بعد ذوی القربیٰ کا حصہ خمس میں سے ساقط کردیا گیا تھا۔
[4] حیوانات کے چمڑے سے بنی ہوئی جوتیوں کو "خف" کہتے ہیں۔ اہل سنت اپنے بزرگوں کی پیروی کرتے ہوئے پیروں کے ننگا ہونے کی صورت میں وضو کے وقت انکا دھونا واجب سمجھتے ہیں لیکن اگر وہ جوتی یا خف میں ہوں تو ان پر مسح جائز قرار دیتے ہیں۔ [5] نبیذ ایک ہلکی شراب ہوتی ہے جو عموماً کھجوروں سے تیار کیجاتی ہے۔ [6] عمر بن خطاب نے مندرجہ ذیل دو متعہ حرام قرار دیے: (ا) متعۂ حج جس کے مطابق حاجی عمرہ ادا کرنے کے بعد احرام کھولدیتے ہیں اور اسکے بعد دوبارہ احرام باندھتے ہیں۔ یہ اسلام کا حکم تھا لیکن عمر نے حکم دیا کہ حج کے مناسک ختم ہونے تک حاجی عمرہ کا احرام باندھے رکھیں (ب) عورتوں کا متعہ یعنی وقتی طور پر ازدواج جو قرآن مجید اور اہلسنت کی روایات کی تصریح کے مطابق مسلمہ طور پر اسلام کے احکام کا جزو ہے۔

١٧- نماز میت کی پانچ تکبیریں قرار دوں [1]
١٨- لوگوں کے لیے ضروری قرار دوں کہ وہ نماز میں "بسم اللہ" بلند آواز سے پڑھیں۔ [2]
١٩- طلاق کو رسول اکرم ؐ کے طریقے کے مطابق شکل دوں۔ [3]
٢٠- مختلف قوموں کے جنگی قیدیوں سے ویسا ہی سلوک کروں جیسا خدا اور رسول ؐ نے حکم دیا ہے۔ [4]
المختصر اگر میں لوگوں کو ارشادات خداوندی اور احکام قرآن کے

---

[1] ابو ہریرہ کی روایت کی سند پر اہلسنت نماز جنازہ میں چار تکبیریں پڑھتے ہیں۔ اس سلسلے میں ملاحظہ کیجیے "بدایۃ المجتہد" جلد ١ صفحہ ٢٤٠ (ابن رشد اندلسی)۔
[2] اہل سنت کے بعض فرقے نماز میں حمد اور سورہ سے "بسم اللہ" ساقط کردیتے ہیں۔ وہ بظاہر اس مسئلے میں معاویہ کی پیروی کرتے ہیں۔ اس سلسلے میں "تفسیر الکشاف" میں سورۂ حمد کی تفسیر سے رجوع کریں (جلد ١ صفحات ٢٤-٢٥)۔
[3] اہل سنت عورت کو ایک مجلس میں تین طلاقیں دینا جائز سمجھتے ہیں اور عادل شاہد کی موجودگی کے بغیر یہ فعل انجام دیتے ہیں۔ اس بارے میں "بدایۃ المجتہد" جلد ١ صفحات ٨٠ تا ٨٤ سے رجوع کریں۔
[4] خلیفہ ثانی نے حکم دیا تھا کہ تمام عرب قیدی آزاد کردیے جائیں لیکن فارس کے قیدیوں کو وہ اسلام کے پایۂ تخت مدینہ تک آنے کی بھی اجازت نہ دیتے تھے۔ سنت رسول ؐ کے خلاف اس نے جو کام کیے ان میں سے ایک یہ تھا کہ اگر کوئی شخص کسی غیر عرب عورت سے سرزمین عرب کے علاوہ کسی اور جگہ پیدا ہوتا تو وہ وراثت سے محروم کردیا جاتا تھا۔ اس سلسلے میں ملاحظہ کیجیے "الموطا" جلد ١ صفحہ ٣٠ (تالیف مالک بن انس)۔

مطابق عمل کرنے کو کہوں تو وہ میرے پاس سے تتر بتر ہو جائیں گے۔

خدا کی قسم! جب میں نے مسلمانوں کو حکم دیا کہ ماہ رمضان میں واجب نمازوں کے علاوہ کوئی نماز باجماعت نہ پڑھیں اور یہ کہا کہ مستحب نمازیں باجماعت پڑھنا بدعت ہے تو میرے ہم رکاب لڑنے والے کسی ایک سپاہی چلا اٹھے کہ وَا سُنَّةَ عُمَرَاہ اے مسلمانو! علیؑ عمر کی سنت کو بدلنا چاہتے ہیں اور ہمیں ماہ رمضان میں مستحب نمازیں پڑھنے سے روکتے ہیں اور نوبت یہاں تک آ پہنچی کہ مجھے خوف پیدا ہوا کہ وہ لوگ کہیں شورش نہ برپا کر دیں۔

افسوس ہے اس پر جو مجھے اس امت کی طرف سے مخالفت کی وجہ سے برداشت کرنا پڑا اور افسوس ہے ان لوگوں کی گمراہ پیشواؤں کی فرمانبرداری کرنے پر —— ایسے پیشواؤں کی فرمانبرداری پر جو انہیں آگ کی طرف کھینچتے ہیں۔

امام علیؑ نے اپنا پروگرام یوں ترتیب دیا تھا کہ رسول اکرمؐ کے طریقے کے مطابق اور خلفاء کے رویے کے خلاف عمل کریں گے۔ بالخصوص حدیث کے بارے میں خلفاء کے اثرات مٹانے کے لیے آپ نے مسلسل اور وسیع جدوجہد فرمائی۔ [1]

قریش دیکھ رہے تھے کہ امام علیہ السلام کی پالیسیاں ان کے دنیاوی فوائد کے خلاف ہیں۔ چنانچہ وہ آپ کی مخالفت پر کمربستہ ہو گئے۔ جمل اور صفین کی لڑائیوں میں بڑا خون بہایا گیا۔ ان لوگوں نے اپنی معاندانہ روش جاری رکھی حتیٰ کہ چار سال سے کچھ اوپر مدت گزرنے کے بعد آپ کو محراب عبادت میں شہید کر دیا۔

[1] آپ نے ان تمام قصہ گوؤں کو ہٹا دیا جو عمر اور عثمان کے حکم سے جمعہ کے دن مسجدوں میں لوگوں کے سامنے تقریریں کیا کرتے تھے۔ رسول اکرمؐ کی روایات نقل کرنے پر تمام پابندیاں ختم کر دیں۔ جہاں تک ممکن ہوا خلفاء کی رائج کردہ بدعتوں کو نابود کیا۔ مفصل معلومات کے لیے کتاب "من تاریخ الحدیث" سے رجوع فرمائیں۔

کچھ عرصہ بعد خدا اور رسولؐ کا مخالف معاویہ اپنی بے پناہ مکاری اور عیاری کے ساتھ تختِ خلافت پر براجمان ہو گیا اور اس نے مغیرہ بن شعبہ کے ساتھ ایک گفتگو میں اپنی سیاست کے بارے میں بتایا۔ مغیرہ نے اسے کہا تھا:

اے امیر المومنین! اب جبکہ تمہاری تمام خواہشیں اور آرزوئیں پوری ہو گئی ہیں۔ کیا حرج ہے اگر اس بڑھاپے میں تم عدل و انصاف اختیار کرو اور اچھے کام کر کے اپنے پیچھے نیک نام چھوڑ جاؤ! خدا کی قسم اب بنی ہاشم کے پاس کوئی ایسی چیز نہیں رہی جو تمہارے لیے خطرے اور خوف کا موجب ہو لہٰذا کیا ہی اچھا ہو اگر تم ان سے مہربانی سے پیش آؤ اور رشتہ داری کا لحاظ کرو۔

معاویہ نے جواب دیا:

افسوس! یہ ناممکن ہے۔ ابوبکر کو حکومت ملی، اس نے عدالت سے کام لیا اور تمام تکلیفیں برداشت کیں لیکن ابھی اسے مرے ہوئے چند دن گزرے تھے کہ سوائے اس کے کہ کبھی کبھار اس کا نام لیا جائے کوئی چیز اس سے باقی نہ رہی۔ پھر حکومت عمر کو ملی۔ اس نے بڑی محنت کی اور اپنی خلافت کے دس سال کے دور میں بہت رنج سہے لیکن خدا کی قسم اس کے مرنے کے ساتھ ہی اس کا نام بھی مر گیا —— پھر ہمارے بھائی عثمان نے جو خاندان کے نقطۂ نظر سے سب سے بلند مرتبہ تھا عنانِ حکومت اپنے ہاتھ میں لی اور کئی کام انجام دیے۔ دوسروں نے جو کچھ اس کے ساتھ کیا، وہ بھی گزر گیا۔ خدا کی قسم اس کے مرنے کے بعد اس کا نام بھی مر گیا اور اس کے کام اور طور طریقے بھلا دیے

گئے لیکن اس ہاشمی مرد (رسول اکرمؐ) کا نام ساری اسلامی دنیا میں پانچ مرتبہ بآواز بلند لیا جاتا ہے اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ۔
اے مغیرہ! اس نام کے ہوتے ہوئے کون باقی رہے گا؟ نہیں۔ میں خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ جبتک میں اس نام کو روئے زمین سے مٹا نہ دوں آرام سے نہیں بیٹھوں گا۔" [1]

اور یوں اس نے رسول اکرمؐ اور ان کے خاندان کا نام و نشان مٹانے کے لیے اپنا سارا زور لگا دیا۔ اپنے مقصد کے حصول کی خاطر اس نے حدیث سازی کے مختلف ادارے قائم کیے اور نوبت یہاں تک پہنچا دی کہ ابوہریرہ نے پانچ ہزار تین سو سے زیادہ، عبداللہ بن عمر نے دو ہزار سے زیادہ اور بالآخر ام المومنین عائشہ اور انس بن مالک میں سے ہر ایک نے دو ہزار تین سو سے زیادہ جھوٹی حدیثیں آنحضرتؐ سے منسوب کر دیں۔ [2]

انہوں نے اور ان کے رفقاء دوسرے صحابہ نے حکومت وقت کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے حدیثیں وضع کرنے میں ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کی کوشش کی اور خدا ہی بہتر جانتا ہے کہ اس دور میں کتنی جھوٹی حدیثیں تیار کر کے رسول اکرمؐ سے منسوب کر دی گئیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اسلام کی ہر چیز مسخ ہو گئی اور حقیقی دین کو ارباب خلافت کی مرضی کے مطابق تبدیل کر دیا گیا۔

حکمران گروہ نے بھی فقط اسی اسلام کو سرکاری طور پر تسلیم کیا اور یہ اوندھا

---

[1] مروج الذہب مسعودی جلد ۳ صفحہ ۴۵۴ مطبوعہ دار الاندلس

[2] احادیث ام المومنین عائشہ۔ مرتضیٰ عسکری صفحہ ۲۸۹ و صفحات مابعد مطبوعہ تہران۔

اسلام جس کی بنیاد معاویہ کے زمانے میں رکھی گئی تھی آج تک حقیقی اسلام کے نام سے باقی ہے۔ یہاں تک کہ جو لوگ اس رسمی اسلام کے عادی ہو گئے ہیں ان کے سامنے حقیقی اسلام یعنی اس اسلام کا پیش کرنا جو رسول اکرمؐ لائے بیحد دشوار ہے اور ان کے لیے اس کا باور کرنا ممکن نہیں کیونکہ انہیں اس رسمی اسلام کی عادت پڑ گئی ہے جو معاویہ کے زمانے میں وضع کیا گیا تھا اور وہ اسلام کو ان کتابوں کو پیش نظر رکھ کر دیکھتے ہیں جو ان احادیث کا مجموعہ ہیں جو جھوٹ موٹ آنحضرتؐ سے منسوب کر دی گئی ہیں۔ مثلاً وہ توحید کو ابوہریرہ کی اس وضعی حدیث کو سامنے رکھ کر دیکھتے ہیں:

کچھ لوگوں نے رسول اکرمؐ سے عرض کیا: "یا رسول اللہؐ! کیا ہم قیامت کے دن اپنے پروردگار کو دیکھ سکیں گے؟"

آپ نے فرمایا: "کیا تم چودھویں رات کا چاند دیکھ کر پریشان ہوتے ہو؟"

انہوں نے جواب دیا: "نہیں یا رسول اللہؐ!"

آپ نے فرمایا: "کیا جب سورج بادلوں کی اوٹ میں نہ ہو تو تم اسے دیکھ کر آزاد ہو جاتے ہو؟"

انہوں نے جواب دیا: "نہیں یا رسول اللہؐ!"

پھر آپ نے فرمایا: "تم اسی طرح اپنے پروردگار کو دیکھو گے قیامت کے دن خدا سب لوگوں کو جمع کرے گا، پھر انہیں بلائے گا اور فرمائے گا کہ جو شخص جس کی پرستش کرتا تھا اس کے پیچھے چلا جائے۔

چنانچہ جو لوگ سورج کی پرستش کرتے تھے وہ سورج کے پیچھے چلے جائیں گے اور جو چاند کی پرستش کرتے تھے وہ چاند کے پیچھے جائیں گے اور بالآخر جو لوگ طاغوتوں کی پرستش کرتے تھے وہ اپنے معبودوں کے پیچھے جائیں گے فقط

یہ امت رہ جائے گی جس میں منافق بھی ہوں گے۔

پھر خدائے تبارک وتعالی ان کے پاس ایک ایسی شکل میں آئے گا جو اس سے مختلف ہوگی جس سے وہ اسے پہچانتے تھے اور کہے گا: میں تمہارا پروردگار ہوں - وہ کہیں گے: ہم تجھ سے خدا کی پناہ مانگتے ہیں۔ جب تک ہمارا پروردگار نہیں آتا ہم یہیں رہیں گے اور جب وہ آجائے گا تو ہم اسے پہچان لیں گے۔

پھر خدا ان کے پاس اس شکل میں آئے گا جس میں وہ اسے پہچانتے ہونگے اور کہے گا: میں تمہارا پروردگار ہوں۔ وہ کہیں گے: ہاں تو ہمارا پروردگار ہے اور پھر وہ اسکے پیچھے چل دیں گے۔ [۱]

جیسا کہ ظاہر ہے اس حدیث نے صحیح اسلامی خداشناسی اور معاد کی بنیاد کو مسخ اور ویران کر دیا ہے۔ دوسری حدیثوں میں رسول اکرمؐ کے آسمانی بستر کو تبدیل کر کے دکھایا گیا ہے۔ مثلاً روایت کی گئی ہے کہ آنحضرتؐ نے خدا سے درخواست کی:

بارالٰہا! میں طیش اور غصے کی وجہ سے مومنوں کو جو برا بھلا کہتا ہوں اور ان پر لعنت کرتا ہوں اسے انکی پاکیزگی کا سبب بنا اور انکے لیے برکت کا موجب قرار دے۔ [۲]

---

[۱] محمد بن اسمٰعیل بخاری (صحیح) جلد ۱ باب فضل السجود۔ جلد ۹ کتاب التوحید۔ جلد ۸ باب الصراط جسر جهنم۔

[۲] مسلم بن حجاج نیشاپوری (صحیح) باب من لعنه النبی او سبّه جعله الله له زكاة وطهوراً۔ اس باب میں عائشہ، ابوہریرہ اور دیگر اصحاب و الاتبار کی چند حدیثیں درج کی گئی ہیں۔ آخر میں مسلم آنحضرتؐ کا معاویہ کے متعلق یہ فرمان نقل کرتا ہے: "خدا اس کے پیٹ کو سیر نہ کرے"۔ بنی امیہ اور جن دوسرے اشخاص پر رسول اکرمؐ نے لعنت کی ہے وہ ان کے لیے پاکیزگی اور برکت کا موجب ہوگی۔

اسی طرح روایت کی گئی ہے کہ رسول اکرمؐ نے لوگوں سے فرمایا: کھجور کے درخت کو گردہ پاشی اور تلقیح کی ضرورت نہیں ہے اور یا یہ فرمایا کہ "کھجور کے درخت کی گردہ پاشی نہ کرو تو وہ بہتر ہو جائے گا"۔

لوگوں نے آنحضرتؐ کے فرمان کی اطاعت کرتے ہوئے کھجور کے درختوں کی گردہ پاشی نہ کی اور نتیجہ یہ ہوا کہ اس سال درختوں پر پھول نہ آئے۔ جب رسول اکرمؐ کو اپنے حکم کے نتیجے کا پتا چلا تو آپ نے فرمایا: "میرا یہی خیال تھا۔ مجھ سے جواب طلب نہ کرو، یا یہ کہ تم اپنے دنیاوی کاموں میں زیادہ معلومات رکھتے ہو"۔ [۱]

یہ روایت بھی کی گئی ہے کہ ایک دن رسول اکرمؐ مکہ میں سورہ نجم کی قرأت فرما رہے تھے کہ آپ اس آیت پر پہنچے:

أَفَرَءَيْتُمُ اللَّاتَ وَالْعُزَّىٰ وَمَنَاةَ الثَّالِثَةَ الْأُخْرَىٰ۔

کیا تم لات اور عزیٰ اور اس تیسرے بت منات کو دیکھتے ہو؟

جب آپ نے یہ آیت پڑھی تو شیطان نے آپ کی زبان مبارک پر القا کیا کہ کہیں:

تِلْكَ الْغَرَانِيقُ الْعُلَىٰ مِنْهَا الشَّفَاعَةُ .....

---

[۱] صحیح مسلم، باب وجوب امتثال ما قاله شرعاً دون ما ذكره من معايش الناس على سبيل الرأي۔ حدیث کی دوسری کتابوں میں بھی یہی روایت عائشہ، انس اور دوسرے صحابہ سے نقل کی گئی ہے۔ اس قسم کی حدیثوں سے اہل سنت نے یہ نتیجہ اخذ کیا کہ دنیاوی امور میں آنحضرتؐ کے احکام کی مخالفت جائز ہے۔ بلاشبہ اس کا انحصار اس بات پر ہے کہ کون سے امور کو دنیاوی سمجھا جائے۔ مثلاً کیا مسئلہ خلافت کو ایک دنیاوی امر سمجھا جائے۔

ان بتوں سے شفاعت کی امید ہے جو پرندوں کی طرح سفید ہیں۔

جب آنحضرتؐ نے یہ الفاظ ادا کیے تو مشرک خوش ہوئے کہ آپ نے ان کے بتوں کو نیکی سے یاد کیا ہے اور اس وقت سب مشرک اور مسلمان سجدے میں گر گئے۔ حتیٰ کہ جبرئیلؑ نازل ہوئے اور رسول اکرمؐ کو اس بڑی غلطی سے آگاہ کیا اور عرض کیا کہ یہ جملے شیطان نے آپ کو القا کیے ہیں۔

بعض روایات میں کہا گیا ہے کہ جبرئیلؑ نے آنحضرتؐ سے کہا: آپ ان آیات کو دوبارہ پڑھیں۔ آپ نے ترتیب سے آیات کی قرأت فرمائی اور اس سلسلے میں جملہ تِلْكَ الْغَرَانِيقُ الْعُلَى ...... بھی دہرایا۔ جبرئیلؑ نے کہا: نہیں۔ یہ جملہ میں نہیں لایا بلکہ شیطان نے آپ کی زبان پر جاری کیا ہے۔ [1]

یہ روایات ہمارے اہل سنت بھائیوں کی مشہور اور معتبر تفاسیر مثلاً طبری، ابن کثیر، سیوطی اور سید قطب کی تحریر کردہ کتابوں میں بیان کی گئی ہیں اور انہوں نے اس قسم کی اتنی زیادہ جعلی احادیث رسول اکرمؐ سے روایت کی ہیں کہ آنحضرتؐ کا حقیقی چہرہ ان جھوٹ اور بہتان کے پردوں کے پیچھے نگاہوں سے اوجھل کر دیا گیا ہے۔ [2]

---

[1] سیوطی کی تفسیر الدر المنثور، جلد ۴ صفحات ۳۶۶ تا ۳۶۸ میں سورۂ حج کی آیت: وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَسُولٍ وَلَا نَبِيٍّ إِلَّا إِذَا تَمَنَّى أَلْقَى الشَّيْطَانُ فِي أُمْنِيَّتِهِ فَيَنْسَخُ اللَّهُ مَا يُلْقِي الشَّيْطَانُ کی تفسیر میں اس مضمون کی چودہ روایتیں "اصحاب الاخبار" سے نقل کی گئی ہیں۔

[2] اسلامی معاشروں میں اس قسم کی روایات نشر کرنے کے بعد اموی اور عباسی خلفاء وغیرہ پر تنقید اور اعتراض کی کوئی گنجائش نہیں رہتی کیونکہ رسول اکرمؐ کو ان روایات کے ذریعے جس طرح متعارف کرایا گیا ہے، اس کے مقابلے میں بہرحال وہ لوگ زیادہ پاکیزہ اور بہتر ہیں۔

اس کے مقابلے میں قریشی سرداروں اور فرمانرواؤں کے چہرے بھی بدل دیے گئے ہیں۔ ان کے لیے جھوٹے فضائل گھڑے گئے ہیں اور ان کے مخالفین کو تہمت اور افترا کا نشانہ بنایا گیا ہے۔ حتیٰ کہ ابوذر غفاریؓ، مالک اشترؓ، عمار یاسرؓ وغیرہ جیسے بزرگوں کو دین سے ناآشنا اور فریب خوردہ قرار دیا گیا ہے۔ [1] ان لوگوں نے اسی پر اکتفا نہیں بلکہ خدا کی صفات، قیامت کے حالات، ثواب اور عذاب، بہشت اور دوزخ، سابقہ پیغمبروں کے حالات، ابتدائے آفرینش اور اسلامی عقائد اور احکام کے بارے میں بہت سی ایسی روایات نقل کی ہیں جن کا ماخذ اہل کتاب کے افکار اور جہالت، جھوٹ اور بہتان پر مبنی خود ان کی اپنی گھڑی ہوئی داستانوں کے علاوہ اور کچھ نہیں ہے۔

اس قسم کی احادیث اس قدر زیادہ ہو گئیں اور ان کی نقل کا دائرہ اتنا وسیع ہو گیا کہ تمام دینی حقائق مسخ اور دگرگوں ہو کر رہ گئے اور اس کا حاصل وہ اسلام تھا جسے سرکاری مذہب کی حیثیت سے بنی امیہ اور بنی عباس کے فرمانرواؤں کے وسیلے سے عثمانی خلافت کے اختتام تک تقویت پہنچائی گئی۔

ان کرائے کے جعلی حدیثیں گھڑنے والوں کے مقابلے میں اسلام کی جانفزا تاریخ کے پورے دور میں کچھ اور لوگ بھی تھے جو سر دھڑ کی بازی لگا کر صحیح سنت یعنی رسول اکرمؐ کے اقوال اور سیرت کو مسلمانوں میں نشر کرتے رہے اور ترقی دیتے رہے۔

آنحضرتؐ کے بزرگ صحابی ابوذرؓ کا شمار اس گروہ کے سرداروں میں ہوتا ہے۔ ایک دن وہ منیٰ میں جمرۂ وسطیٰ کے قریب بیٹھے تھے اور بہت سے لوگ ان کے گرد جمع تھے اور اپنے دین کے بارے میں ان سے سوال کر رہے تھے۔ اچانک لوگوں کا

---

[1] سید مرتضیٰ عسکری۔ عبداللہ بن سبا، حصہ اول، منشاء الفتنہ صفحہ ۷۔ ۹ دوسرا ایڈیشن۔ مصر

ہجوم دیکھ کر اموی حکومت کا ایک جلاّد اس طرف متوجہ ہوا اور نزدیک آکر ابوذرؓ سے کہنے لگا: "کیا تمہیں لوگوں کے سوالات کا جواب دینے سے منع نہیں کیا گیا؟"

ابوذرؓ نے کہا: "کیا تمہیں میری نگرانی پر مامور کیا گیا ہے؟" پھر اپنی گردن کے پچھلے حصے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا: "اگر تم اپنی تلوار یہاں رکھ دو اور میں یہ اندازہ لگاؤں کہ اپنا سر کٹنے سے پہلے میں وہ باتیں بیان کر سکتا ہوں جو میں نے رسول اکرمؐ سے سنی ہیں تو میں بلاجھجک انہیں بیان کرونگا۔" [1]

رشید ہجریؓ اس گروہ سے تعلق رکھنے والے ایک اور بزرگوار ہیں۔ جب زیاد کوفہ کا حکمران تھا، اس نے ان کے ہاتھ پاؤں کٹوا دیے۔ انہیں ان کے گھر لیجایا گیا اور لوگ انھیں دیکھنے آئے اور رونے لگے۔ اس پر انہوں نے لوگوں سے کہا:

رونا دھونا چھوڑو اور لکھنے کا سامان لے آؤ تاکہ جو کچھ میں نے اپنے مولا سے سنا ہے وہ تمہارے سامنے بیان کر دوں (اور تم لکھ لو۔

لوگ بھی اس بات کو مان گئے۔ جب یہ خبر زیاد تک پہنچی تو اس نے حکم دیا کہ رشید ہجریؓ کی زبان بھی کاٹ دی جائے۔ [2]

میثم تمارؓ بھی اسی راستے پر گامزن تھے۔ جب ابن زیاد نے کوفہ میں انکے

---

[1] ملاحظہ فرمائیے: (ا) سنن دارمی جلد ا صفحہ ۱۳۲ (ب) طبقات الکبریٰ جلد ۲ صفحہ ۳۵۴ (محمد بن سعد)۔ یہ حدیث اور روایت ان روایات کا نمونہ ہے جنہیں مجرموں کے ہاتھوں نے حدیث کی کچھ کتابوں میں ٹکڑے ٹکڑے کر دیا ہے۔

[2] محمد بن الحسن طوسی۔ اختیار معرفۃ الرجال، معروف بہ رجال کشی صفحہ ۷۵ اور علامہ مجلسی۔ بحار الانوار جلد ۹ صفحہ ۶۳۲ کمپانی ایڈیشن۔

ہاتھ پاؤں کٹوا دیے اور سولی پر لٹکا دیا تو ایک ایسے مقرر کی مانند جو تقریر کرنے کے لیے منبر پر چڑھتا ہے انہوں نے بآواز بلند کہا:

اے لوگو! تم میں سے جو کوئی وہ حدیثیں سننا چاہتا ہو جو میں نے حضرت علی علیہ السلام سے سنی ہیں وہ آجائے۔ لوگ ان کے اردگرد جمع ہو گئے اور وہ احادیث بیان کرنے لگے۔

جب ابن زیاد نے یہ خبر سنی تو اس نے حکم دیا کہ ان کی زبان کاٹ دی جائے تاکہ وہ کوئی بات نہ کر سکیں۔

زبان کٹ جانے کے بعد میثم زیادہ دیر زندہ نہ رہ سکے اور اس حالت میں کہ ان کا بدن خون میں نہایا ہوا تھا جان، جاں آفریں کے سپرد کر دی۔ [1]

جیسا کہ ہم دیکھ چکے ہیں وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ خلفاء نے کافی رسوخ حاصل کر لیا حتیٰ کہ وہ اس قابل ہو گئے کہ خدا اور رسولؐ کے حرام و حلال کو بدل دیں۔ علاوہ ازیں جو قوانین خلیفہ وضع کرتا تھا ان پر قوانین الٰہی کی طرح بڑی مضبوطی سے عملدرآمد ہوتا تھا۔ بلاشبہ یہ صورت عثمان کے دورِ خلافت کے آخری حصے سے زیادہ عرصے تک قائم نہ رہ سکی۔ عام بے اطمینانی اور لوگوں کے انقلاب نے اسے کم و بیش ختم کر دیا۔ یہاں تک کہ وقت گزرنے کے ساتھ نوبت معاویہ تک پہنچی۔ اس نے اپنے عظیم تبلیغاتی ادارے کی مدد سے جو تجربہ کار حدیث سازوں سے تشکیل دیا گیا تھا حالات کو سدھارنے کی ٹھانی [2]

---

[1] رجال کشی صفحات ۷۶ تا ۷۸، [2] ان میں ام المومنین عائشہ، انس بن مالک۔ ابوہریرہ، عبداللہ بن عمر، عبداللہ بن عمرو عاص، مغیرہ بن شعبہ، عمرو عاص اور سمرہ بن جندب جیسے لوگ شامل تھے۔ مزید معلومات کے لیے مرتضیٰ العسکری کی تصانیف "احادیث ام المومنین عائشہ" اور "من تاریخ الحدیث" سید عبدالحسین شرف الدین کی کتاب "ابوہریرہ" شیخ محمود ابوریہ کی تصانیف "اضواء علی السنۃ المحمدیۃ" اور "ابوہریرہ شیخ المضیرۃ"

اور یوں معلوم ہوتا تھا جیسے کہ خلافت کا عہدہ ایک دفعہ پھر اپنا اثر و رسوخ اور اہمیت حاصل کرے گا۔

لیکن پھر امام حسین علیہ السلام کی شہادت عظمیٰ نے یہ منصوبہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ملیا میٹ کر دیا اور اس کے بعد خلافت اس قابل نہ ہو سکی کہ اپنی سابقہ حیثیت دوبارہ حاصل کرے۔ یہی وجہ ہوئی کہ اس کے بعد ان بدعتوں میں جو سرکاری اسلام کو حقیقی اسلام سے جدا کرتی تھیں کوئی خاص اضافہ نہیں ہوا اور خلفاء کو یہ ہمت نہیں ہوئی کہ نئی بدعتیں وجود میں لائیں۔ [1]

امام حسینؑ کی شہادت کا ایک اور نتیجہ بھی برآمد ہوا اور وہ یہ کہ حقیقی اسلام کی پہچان رکھنے والوں اور آنحضرتؐ کی احادیث نقل کرنیوالوں کو زنداں میں ڈالنے، اذیتیں دینے اور قتل کرنے میں کمی آ گئی کیونکہ بعد میں آنے والی حکومتیں اس قابل نہ ہوتیں کہ انہیں سابقہ صاحبان اقتدار جیسی شدت کے ساتھ اذیتیں پہنچائیں یا قتل کریں لہٰذا انہوں نے مسلسل کوششیں کر کے صحیح حدیثوں کو ان ہزارہا حدیثوں سے الگ کیا جن میں سے بیشتر خلافت کے تنخواہ داروں نے وضع کی تھیں اور پھر انہیں مسلمانوں تک پہنچایا۔

عمر بن عبدالعزیز کے برسر اقتدار آنے پر احادیث پر عائد شدہ سو سالہ پابندی ختم ہو گئی اور اس وقت سے جبکہ دوسری صدی کا آغاز ہوا سرکاری اسلام کے

---

[1] ایک بدعت جو عبدالملک بن مروان وجود میں لایا یہ تھی کہ اس نے حکم دیا کہ لوگ کعبہ کا طواف اور حج کرنے کی بجائے بیت المقدس جائیں اور وہاں ایک مکان کا طواف کریں جو اس نے تعمیر کرایا تھا لیکن اس بدعت پر عملدرآمد نہ ہو سکا۔ ملاحظہ کیجیے "تاریخ یعقوبی" جلد ۳ صفحات ۷-۸ مطبوعہ نجف۔

پیروؤں کو اپنی حکومت کی جانب سے حکم ملا کہ رسول اکرمؐ کی احادیث لکھیں۔ اس کے نتیجے میں آنحضرتؐ اور صحابہ کی سیرت اور احادیث رسولؐ پر مبنی متعدد کتابوں میں جمع کی گئی ہزاروں حدیثوں میں سے فقط چند ایسی تھیں جو مکتب اسلام کے حقیقی شاگردوں کے وسیلے سے روایت کی گئی تھیں لیکن یہ چند حدیثیں بھی ان علماء کو جنہوں نے اپنا ضمیر حکومت کے ہاتھ بیچ ڈالا تھا دکھ دے رہی تھیں لہٰذا انہوں نے ان حدیثوں سے جان چھڑانے کے لیے دو اقدام کیے:

اول یہ کہ علم "رجال و درایہ" میں یہ طے کر دیا کہ اگر حدیث کے راویوں میں سے کوئی ایک حضرت علیؑ کا مداح اور شیعہ ہو گا تو وہ حدیث ضعیف ہو گی اور اس کی کوئی قیمت نہ ہو گی۔ [1]

دوم یہ کہ انہوں نے حدیث کے ایسے مجموعے مدوّن کیے جو تا حدِّ امکان اس قسم کی احادیث سے خالی تھے۔ علاوہ ازیں جن حدیثوں کا رسول اکرمؐ اور خلفائے راشدین کے بعد آنے والے صاحبان اقتدار کی حیثیت سے رتی بھر بھی ٹکراؤ ہوتا تھا وہ ان کتابوں میں موجود نہ تھیں۔

حدیث کی جن کتابوں کی تدوین اس انداز میں کی گئی انہیں "صحیح" کا نام دیا گیا اور ان کی تعداد چھ تک پہنچ گئی جن میں صحیح بخاری کو سب سے زیادہ معتبر مانا گیا کیونکہ بخاری نے دوسروں کے مقابلے میں مندرجہ بالا دو اصولوں کی جانب زیادہ توجہ دی حتی کہ خوارج مثلاً عمر بن خطان سے بھی حدیث نقل کی لیکن امام جعفر صادقؑ سے کوئی حدیث روایت نہیں کی۔ اسی طرح اس نے ان حدیثوں کو جن کا خلفاء سے ٹکراؤ ہوتا تھا نامکمل اور ٹکڑے کر کے نقل کیا۔ یہی وجہ ہے کہ

---

[1] اس سلسلے میں اہل سنت کی تمام کتب رجال سے رجوع کیجیے۔

سرکاری اسلام کے پیرو اس کتاب کو قرآن مجید کے بعد صحیح ترین کتاب سمجھتے ہیں۔

اسی بنا پر تاریخ اور سیرت کی کتابوں میں تاریخ طبری سب سے زیادہ محکم اور معتبر گردانی جاتی ہے کیونکہ اس نے بھی بخاری کا طریقہ اختیار کیا ہے اور پوری پوری احتیاط برتی ہے کوئی ایسی حدیث نقل نہ کرے جو ان صحابہ کے مفاد اور روش سے رتی بھر بھی متضاد ہو جو سرکاری اسلام میں قابل احترام سمجھے جاتے ہیں اور اس کے مقابلے میں ہر وہ جعلی حدیث نقل کی ہے جس میں ان کے مظالم کی توجیہ کے لیے کوئی بہانہ موجود ہو۔ اسی لیے طبری نے بے دینوں اور اسلام کے دشمنوں کی وضع کی ہوئی سیکڑوں جعلی حدیثیں روایت کیں اور اس کے نتیجے میں رسول اکرمؐ اور پہلے خلفاء کے زمانے کے تاریخی واقعات کو الٹ کر پیش کیا۔[1] اور چونکہ خلفاء اور صحابہ کے مفادات کی حفاظت کا سختی سے پابند ہونے کی بنا پر اسے ان کی تائید حاصل تھی اس لیے اسے امام المؤرخین کا لقب دیا گیا اور اس کے بعد آنے والے نامور مؤرخین مثلاً ابن اثیر اور ابن خلدون نے صحابہ کی زندگی کے حالات اسی کی کتابوں سے نقل کیے۔[2]

چوتھی صدی میں اور اس کے بعد سرکاری اسلام کے پیروؤں نے حکومت سے وابستہ علماء کی تقلید کرتے ہوئے حدیث کی مذکورہ بالا چھ کتابوں کی تشہیر کی اور انہیں مورد عمل قرار دیا اور تاریخ نگاری میں بھی فقط طبری اور اس کے پیروؤں کو سند مانا جس کے نتیجے میں حدیث، تفسیر اور تاریخ کی سیکڑوں کتابیں جو دوسرے اسکالروں نے ترتیب دی تھیں فراموش کردی

---

[1] سید مرتضیٰ العسکری کی کتاب "عبداللہ بن سبا" سے رجوع کریں۔

[2] ـــــ ایضاً ـــــ

گئیں۔[1] یوں ان لوگوں نے بحث، تحقیق اور رسول اکرمؐ کے بنی نوع انسان کے لیے بطور تحفہ لائے ہوئے حقیقی اسلام کی پہچان کا راستہ اپنے لیے بھی اور دوسروں کے لیے بھی بند کر دیا۔

بعد میں آنے والی نسلوں نے چوتھی صدی سے لیکر اب تک انہیں کی اندھی تقلید پہ اکتفا کیا ہے اور اس کا نتیجہ یہ ہے کہ اب مکتب اہل بیتؑ کے شاگردوں اور پیروؤں کے علاوہ سب لوگ اسی سرکاری اسلام کو اسلام سمجھتے ہیں جو خلفاء کے تنخواہ دار حدیث سازوں نے بنایا۔

یہی وجہ ہے کہ ہمارے زمانے میں صحیح اسلام کے ادراک اور گمراہوں کی ہدایت کے راستے میں سب سے بڑی رکاوٹ معارف، احکام، سیرت اور تاریخ کے متعلق یہی جعلی احادیث ہیں اور چونکہ یہ ضروری ہے کہ دنیائے اسلام کے علماء اس بارے میں مطالعہ اور تحقیق کر کے حقیقی اسلام تک رسائی حاصل کریں جو فقط خاندان رسولؐ کے مکتب سے ہی دستیاب ہو سکتا ہے اس لیے میں نے اسلامی ممالک کے تمام اہل علم کی توجہ اس عظیم ضرورت کی طرف دلائی ہے اور میری آرزو ہے کہ ہمارے علمی مراکز جو انبیائے کرامؑ کے مبارک آئین کے محافظ ہیں اس طرف زیادہ دھیان دیں۔

---

[1] ان میں سے تاریخ کی بڑی کتاب بلاذری کی ہے جس کا نام "انساب الاشراف" ہے اور تاریخ ہی کی ایک بڑی دوسری متوسط کتاب مسعودی کی ہے جن کے نام "اخبار الزمان" اور "اوسط" ہیں۔

حدیث رسولؐ کی مُخالفَت جائز نہیں!

اسلام کے تمام اعتقادات، احکامات، دستورات اور اس سے وابستہ دوسرے علوم کے اصول قرآن مجید میں اور انکی تشریح، توضیح اور تفصیل یعنی اس کے عملی نمونے رسول اکرمؐ کی سنّت (یعنی اقوال اور افعال) میں ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ خدا نے اپنی کتاب میں آنحضرتؐ کی فرمانبرداری کو خود اپنی اطاعت سے منسلک کر دیا ہے اور فرمایا ہے:

"اللہ اور اس کے رسولؐ کی اطاعت کرو۔" لہ

لہ اسی طرح سورۂ آل عمران کی آیات ۳۲ اور ۱۳۲، سورۂ نساء کی آیت ۵۹، سورۂ مائدہ کی آیت ۹۲، سورۂ انفال کی آیات ۲۰ اور ۴۶، سورۂ نور کی آیت ۵۴، سورۂ محمد کی آیت ۳۳، سورۂ مجادلہ کی آیت ۱۳ اور سورۂ تغابن کی آیت ۱۲ میں اللہ نے رسول اکرمؐ کی پیروی کو اپنی پیروی اور متابعت سے مربوط کر دیا ہے اور سورۂ نور کی آیت ۵۶ نیز سورۂ آل عمران کی آیت ۵۲ میں بھی رسول اکرمؐ کی فرمانبرداری کا حکم دیا ہے۔ علاوہ ازیں مندرجہ ذیل آیات بھی دیکھیے: سورۂ شعراء آیات ۱۰۸، ۱۱۰، ۱۲۶، ۱۳۱، ۱۴۴، ۱۵۰ اور ۱۶۳، سورۂ زخرف آیت ۶۳ اور سورۂ نساء آیت ۶۴۔

اللہ تعالیٰ نے رسولِ اکرمؐ کی نافرمانی کو بھی اپنی نافرمانی کے ہم پلّہ قرار دیا ہے اور فرمایا ہے:

"جس نے خدا اور اس کے رسولؐ کی نافرمانی کی اس کے لیے یقیناً جہنم کی آگ ہے جس میں وہ ہمیشہ رہے گا۔" لہ

جب کسی معاملے میں خدا اور اس کا رسولؐ حکم دیں اور فیصلہ فرما دیں تو پھر مومنین کو اپنی مرضی سے کوئی فیصلہ کرنے کا کوئی حق نہیں رہتا۔ اس مطلب کی طرف مندرجہ ذیل آیت میں اشارہ کیا گیا ہے:

"کسی مومن اور مومنہ کو یہ حق نہیں کہ جب اللہ اور اس کا رسولؐ کوئی حکم دیں اور فیصلہ فرما دیں تو پھر اپنی مرضی کو کام میں لائے۔ یاد رہے کہ جس شخص نے خدا اور اس کے رسولؐ کی نافرمانی کی وہ یقیناً کھلم کھلا گمراہی میں مبتلا ہو چکا۔" (سورہ احزاب۔ آیت ۳۶)

ایک اور مقام پر اللہ نے رسول اکرمؐ کو گفتار و کردار میں لوگوں پر حجت قرار دیا ہے اور ان کو پیشوا بنایا ہے جس کی پیروی کرنا لازمی ہے۔ چنانچہ ارشاد ہوا ہے:

"اے لوگو! خدا اور اس کے رسولؐ نبیٔ امی پر ایمان لاؤ جو خود بھی خدا پر اور اسکے فرمان پر ایمان رکھتا ہے۔" (سورہ اعراف۔ آیت ۱۵۸)

ایک اور آیت میں کہا گیا ہے:

لہ سورۂ جن۔ آیت ۲۳، علاوہ ازیں دیکھیے سورۂ نساء آیت ۴۲، سورۂ ہود آیت ۵۹، سورۂ حاقہ آیت ۱۰، سورۂ شعراء آیت ۲۱۶، سورۂ نوح آیت ۲۱، سورۂ احزاب آیت ۳۶ اور سورۂ مجادلہ آیات ۱۳ سے ۱۷۔

"اے رسولؐ! لوگوں سے کہہ دیجیے کہ اگر تم خدا کو دوست رکھتے ہو تو میری پیروی کرو۔" (سورۂ آل عمران۔ آیت ۳۱)

ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا گیا ہے:

"مسلمانو! تمہارے واسطے رسولؐ ایک اچھا نمونہ ہیں۔" (سورۂ احزاب۔ آیت ۲۱)

اس موضوع پر ان ارشادات خداوندی کے بعد اب ہم رسول خداؐ کی چند احادیث بطور نمونہ پیش کرتے ہیں:

۱۔ اہل سنت کی چھ "صحیح" [1] کتابوں میں سے چار کتابوں یعنی سنن ابی داؤد، ترمذی، ابن ماجہ اور دارمی میں اور مسند احمد حنبل میں صحابئ رسولؐ مقدام بن معدی کرب[2] سے روایت نقل کی گئی ہے کہ آنحضرتؐ

---

[1] اہل سنت کی چھ ایسی کتابیں ہیں جن کے لکھنے والوں نے جو روایات جمع کی ہیں انہیں صحیح سمجھا ہے اور کہا ہے کہ انہوں نے ضعیف روایات نقل نہیں کیں۔ اس بنا پر ان کتابوں کو صحیح کا نام دیا گیا ہے اور ان کی روایات کو معتبر سمجھا جاتا ہے۔ ان کے نام یہ ہیں: (۱) صحیح مسلم (۲) صحیح بخاری (۳) صحیح ترمذی (۴) سنن ابی داؤد (۵) سنن ابن ماجہ (۶) سنن نسائی۔

[2] مقدام بن معدی کرب بن عمرو کندی ان اشخاص میں سے ہیں جو قبیلۂ کندہ سے کوچ کر کے آنحضرتؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ ان سے ۴۷ احادیث روایت کی گئی ہیں اور مسلم کو چھوڑ کر باقی سب صحاح کے راویوں اور محدثین نے ان سے روایات نقل کی ہیں۔ وہ ۸۷ھ ہجری قمری میں ۹۱ سال کی عمر میں شام میں فوت ہوئے۔ اُسد الغابہ (جلد ۴۔ صفحہ ۴۱۱) جوامع السیرہ (صفحہ ۲۸۰) تقریب التہذیب (جلد ۲۔ صفحہ ۲۷۲)۔

نے فرمایا: (عبارت سنن ابی داؤد کی ہے) "آگاہ رہو کہ مجھے قرآن دیا گیا ہے اور قرآن جیسی ایک اور چیز بھی دی گئی ہے (مراد سنت رسولؐ سے ہے) جان لو کہ ایک دن ایسا بھی آئے گا جب ایک شخص شکم سیری کی بنا پر اپنے تکیے پر ٹیک لگائے ہوئے کہے گا: میں تمہیں اس قرآن کی قسم دیتا ہوں۔ تم اس میں جو کچھ حلال پاؤ اسے حلال سمجھو اور جو کچھ حرام پاؤ اسے حرام سمجھو۔"

حدیث کے آخر میں صحیح ترمذی میں یہ جملہ بھی مرقوم ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا: "جس چیز کو رسول خداؐ حرام کریں وہ انہیں چیزوں کی مانند ہے جو اللہ نے حرام کی ہیں۔"

اور ابن ماجہ کی روایت میں بھی کہا گیا ہے: "وہ اس چیز کی مانند ہے جو اللہ نے حرام کی ہے۔"

"مسند" احمد حنبل میں یہ روایت اسی صحابی سے نقل کی گئی ہے۔ رسول خداؐ نے جنگ خیبر کے دنوں میں کچھ چیزیں حرام قرار دیں۔ پھر فرمایا:

وہ دن جلد ہی آئے گا جب تم میں سے کوئی شخص اس حالت میں کہ اپنے تکیے پر ٹیک لگائے ہو گا میری تکذیب کرے گا۔ اس کے سامنے میری حدیث پڑھی جائے گی اور وہ کہے گا: تمہارے اور ہمارے درمیان خدا کی کتاب ہے۔ جو چیز ہم خدا کی کتاب میں حلال پاتے ہیں اسے حلال سمجھتے ہیں اور جو کچھ اس میں حرام قرار دیا گیا ہے اسے حرام گردانتے ہیں۔ پھر آنحضرتؐ نے فرمایا: آگاہ رہو کہ جو چیز رسول خداؐ نے حرام کی ہے وہ ان چیزوں کی مانند ہے جو اللہ نے حرام کی ہیں۔

ب۔ سنن ابی داؤد، ترمذی، ابن ماجہ اور مسند احمد حنبل کے مطابق عبید اللہ بن ابی رافع [1] نے اپنے باپ سے روایت کی ہے (روایت کا متن ابن ماجہ سے لیا گیا ہے) کہ رسول اکرمؐ نے فرمایا:

"آگاہ رہو! ایسا ضرور ہوگا کہ تم میں سے ایک شخص اپنی مسند سے ٹیک لگائے ہوگا اور جب اسے وہ چیزیں بتائی جائیں کہ جن کا میں نے حکم دیا ہے یا جن سے میں نے منع کیا ہے تو وہ کہے: میں نہیں جانتا۔ مجھے یہ چیز کتاب خدا میں نہیں ملی تاکہ اس کی پیروی کروں۔"

مسند احمد حنبل میں روایت کی عبارت یوں ہے:

"مجھے یہ چیز کتاب خدا میں نہیں ملی۔"

ج۔ سنن ابی داؤد باب تَعْشِیرِ اَهْلِ الذِّمَّةِ [2] میں صحابی رسولؐ

---

[1] عبید اللہ بن ابی رافع مدنی رسول کریمؐ کے آزاد کردہ غلام کا فرزند اور حضرت علی بن ابیطالبؑ کا کاتب تھا۔ وہ ایک موثق اور قابل اطمینان شخص ہے اور تیسرے طبقے میں شمار ہوتا ہے۔ تمام جامعین حدیث نے اس سے احادیث نقل کی ہیں۔ تقریب التہذیب جلد ۱ صفحہ ۵۳۲ - ذیلہ ۱۴۳۱۔

[2] تعشیر سے مراد عُشر (دسواں حصہ) لینا ہے۔ فقہ اسلامی میں جو احکام اہل کتاب کے بارے میں بیان کیے گئے ہیں ان میں کھیتی باڑی کی پیداوار کا دسواں حصہ بطور خراج لینا شامل ہے کیونکہ وہ زکات نہیں دیتے لیکن اس کے باوجود اسلامی حکومت کی مہیا کردہ تمام سہولتوں سے بہرہ ور ہوتے ہیں۔ حدیث اور فقہ کی کتابوں میں "تَعْشِیرُ اَهْلِ الذِّمَّةِ" کے عنوان کے تحت ایک فصل مخصوص کی گئی ہے اور اس میں اس موضوع سے مربوط احکام کے بارے میں بحث کی گئی ہے۔

عرباض بن ساریہ سلمی [1] سے نقل کیا گیا ہے کہ انہوں نے کہا:

ہم نے رسول اکرمؐ کے ہمراہ خیبر میں پڑاؤ ڈالا جب کہ بعض صحابہ بھی آنحضرتؐ کے ساتھ تھے۔ خیبر کا فرمانروا جو ایک سرکش اور تند مزاج شخص تھا، حضورؐ کی خدمت میں آیا اور کہنے لگا:

"اے محمدؐ! کیا آپ لوگوں کو یہ حق پہنچتا ہے کہ ہمارے جانور ذبح کریں اور ہمارے میوے کھائیں اور ہماری خواتین اور ناموس پر دست درازی کریں؟"

یہ سن کر آپ کو غصہ آیا اور آپ نے فرمایا:

"اے فرزند عوف! اپنے گھوڑے پر سوار ہو جاؤ اور منادی کر دو کہ: آگاہ رہو کہ بہشت مومن کے علاوہ کسی کا مقام نہیں ہے اور لوگوں سے کہہ دو کہ نماز کے لیے جمع ہو جائیں۔" [2]

لوگ جمع ہو گئے اور سب نے رسول اکرمؐ کے ساتھ نماز پڑھی۔ نماز کے بعد آنحضرتؐ نے یوں خطبہ ارشاد فرمایا:

"کیا تم میں سے کوئی شخص جو اپنے تخت اور تکیے پر ٹیک لگائے

---

[1] ابو نجیح عرباض بن ساریہ سلمی۔ انہوں نے رسول اکرمؐ سے ۳۱ احادیث نقل کی ہیں۔ بخاری اور مسلم کے علاوہ تمام جامعین حدیث نے ان سے احادیث نقل کی ہیں۔ ان کا انتقال ۷۵ھ میں یا ابن زبیر کی شورش میں ہوا۔ اسد الغابہ جلد ۳ صفحہ ۳۹۹ جوامع السیرۃ صفحہ ۲۸۱ - تقریب التہذیب جلد ۲ صفحہ ۱۷۔

[2] جب رسول اکرمؐ صحابہ کو کوئی اہم حکم دینا چاہتے تھے تو انہیں نماز جماعت میں شمولیت کی دعوت دیتے تھے۔ اس نماز جماعت میں حاضر ہونا انکے لیے نماز جمعہ کی طرح واجب ہو جاتا تھا

بیٹھا ہو یہ خیال کرتا ہے کہ اللہ نے بجز ان چیزوں کے جن کا ذکر قرآن میں ہے کوئی چیز حرام نہیں کی؟ آگاہ رہو میں نے تمہیں نصیحتیں کی ہیں، احکام دیے ہیں اور بعض چیزوں سے منع کیا ہے۔ یہ باتیں قرآن کی مانند ہیں یا قرآن سے بیشتر ہیں۔ اللہ نے تم پر یہ حلال نہیں کیا کہ اہل کتاب کی اجازت کے بغیر ان کے گھروں میں داخل ہو یا ان کی عورتوں پر دست درازیاں کرو یا ان کے میوے کھاؤ جب کہ انہوں نے وہ سب کچھ ادا کر دیا ہو جو ان کے لیے مقرر کیا گیا ہے۔"

۷۔ احمد بن حنبل نے اپنی مسند میں ابو ہریرہ [1] سے نقل کیا ہے کہ رسول اکرمؐ نے فرمایا:

"ایسا نہ ہو کہ مجھے یہ خبر ملے کہ تم میں سے کسی شخص کے سامنے میری حدیث دہرائی جائے اور وہ اس حالت میں کہ اپنے تخت پر ٹیک لگائے بیٹھا ہو کہے: اس بارے میں مجھے قرآن کی کوئی آیت پڑھ کر سناؤ۔"

[1] ابو ہریرہ قحطانی دوسی، چونکہ بچپن میں وہ ایک چھوٹی سی بلی کے ساتھ کھیلا کرتا تھا اس لیے اسکی کنیت ابو ہریرہ مشہور ہو گئی یا اس لیے کہ ایک دن رسول اکرمؐ نے اسے اس حالت میں دیکھا کہ وہ ایک بلی اپنی آستین میں چھپائے ہوئے تھا۔ حضورؐ نے اسے مخاطب کر کے فرمایا: "اے ابو ہریرہ!" اور اس دن سے اسے ابو ہریرہ کہا جانے لگا۔ اس نے فتح خیبر کے زمانے میں اسلام قبول کیا اور وہ اس جنگ میں موجود تھا۔ اس نے آنحضرتؐ سے ۵۳۷۴ احادیث نقل کی ہیں۔ اسد الغابہ جلد ۵ صفحہ ۳۱۵، جوامع السیرہ جلد ا صفحہ ۲۷۵، اسکے مفصل حالات زندگی کے لیے کتاب موسومہ بہ "عبداللہ بن سبا" مطبوعہ آفسٹ تہران ۱۳۹۳ھ جلد ا صفحہ ۱۶۰ ملاحظہ فرمائیں۔

۸۔ کتاب "سنن دارمی" کے مقدمہ میں حسان بن ثابت [1] سے نقل کیا گیا ہے کہ انہوں نے کہا:

"جس طرح جبرئیلؑ آنحضرتؐ پر قرآن نازل کرتے تھے، اسی طرح آپ کی سنت بھی آپ پر نازل کرتے تھے۔"

یہ تھے قرآن و حدیث کے چند نمونے جو سنت کی جانب رغبت دلانے کے لیے ہم نے بیان کیے۔ ان میں سنتِ رسولؐ کی مخالفت کرنے سے منع فرمایا گیا ہے اور وہ شخص جو سنتِ رسولؐ سے روگردانی کرے اور سنت کو اس بنا پر ترک کر دے کہ فقط قرآن مجید ہی حجت خدا اور پیروی کے لائق ہے اسے سرزنش کی گئی ہے۔

جو کچھ اوپر کہا گیا ہے اس کے علاوہ بھی اصولاً اسلام کو سنت سے رجوع کیے بغیر فقط قرآن سے سمجھنا ممکن نہیں کیونکہ ہمیں رسول خداؐ کی سنت ہی سے نماز کی رکعتوں، سجدوں کی تعداد، اذکار، شرائط، مبطلات اور کیفیت نماز کا پتا

[1] ابو عبدالرحمن یا ابو الولید حسان بن ثابت بن منذر انصاری خزرجی، شاعر اور رسول اکرمؐ کے قصیدہ گو تھے اور مسجد نبویؐ میں آنحضرتؐ کی تعریف و توصیف کیا کرتے تھے۔ رسول خدا نے ان کے بارے میں فرمایا ہے کہ: "حسان جب تک رسول خداؐ کی حمایت کرتا رہے گا، خدا روح القدس سے اس کی تائید کریگا۔" وہ ڈرپوک آدمی تھے اس لیے کسی جنگ میں بھی آنحضرتؐ کے ہمرکاب نہیں رہے۔

رسول اکرمؐ نے حضرت ماریہ کی بہن "سیرین" حسان کو بخش دی۔ اس سے عبدالرحمن پیدا ہوا۔ انہوں نے آنحضرتؐ سے فقط ایک حدیث نقل کی ہے۔ جسے ترمذی کے علاوہ تمام صحاح میں روایت کیا گیا ہے۔ خیال کیا جاتا ہے کہ وہ ہجرت کے ۴۰ یا ۵۰ یا ۵۴ سال بعد ۱۲۰ سال کی عمر میں فوت ہوئے۔ اسد الغابہ جلد ۲ صفحہ ۵-۷، جوامع السیرہ صفحہ ۳۰، تقریب التہذیب جلد ا صفحہ ۱۶۱

چلتا ہے اور مراسم حج میں بھی احرام باندھنا، میقاتوں کو پہچاننا، طواف اور اس
کی نماز کا طریقہ، صفا اور مروہ کے درمیان سعی، تقصیر، عرفات، مشعر اور منیٰ کے
اعمال، ان جگہوں پر ٹھہرنا اور وہاں سے روانگی، رمیٔ جمرات اور قربانی وغیرہ کا وقت
اور جگہ اور ان کے واجبات، مستحبات اور محرّمات ـــــ ان سب باتوں کا علم
ہم سنت رسولؐ سے ہی حاصل کرتے ہیں۔

اس بنا پر نماز اور حج جیسے مسائل میں سنت کی طرف رجوع کیے بغیر ہمارے
لیے قرآن پر عمل کرنا ممکن نہیں لہٰذا اسلام کو سمجھنے کے لیے ضروری ہے کہ قرآن مجید
اور سنت دونوں سے استفادہ کریں اور بجز ان لوگوں کے جو اسلامی قوانین کی
پیروی نہیں کرنا چاہتے اور ہر کام اپنی مرضی سے انجام دینا چاہتے ہیں، کوئی
دوسرا شخص ان میں جدائی نہیں ڈالنا چاہتا کیونکہ جو شخص اسلامی قوانین پر عمل ہی
نہیں کرنا چاہتا اس کے لیے آسان ہے کہ پہلے سنت کو جو قرآن کی شارح ہے
قرآن سے جدا کردے اور پھر اپنی خواہش کے مطابق جیسے جی چاہے قرآن کی
تاویل کرے۔ جب اسلام کو سمجھنے اور قرآن پر عمل کرنے کے لیے سنت رسولؐ سے
رجوع کرنے کے علاوہ ہمارے پاس کوئی چارہ ہی نہیں رہتا اور اسی مجبوری کی
بنا پر ہم سنتِ رسولؐ سے رجوع کرتے ہیں تو ہمیں یہ دیکھ کر بڑا دکھ ہوتا ہے
کہ سنت نے تحریف کا لباس پہن رکھا ہے اور مختلف وجوہ کی بنا پر اس کا حقیقی
چہرہ لفظی تحریفات اور معنوی تاویلات اور اس جھوٹ اور افترا سے چھپ
گیا ہے جو لوگوں نے رسول اکرمؐ پر باندھ رکھا ہے جس سے حق اوجھل ہو گیا ہے
اور جس طرح سابقہ امتوں میں تحریف اور اخفائے حق ہوا، اسی طرح سے اس
امت میں بھی ہوا ہے۔

خدا نے سابقہ امتوں میں اس تحریف اور کتمانِ حق کی خبر دی ہے چنانچہ

ارشاد ہوا ہے:

١۔ "اے رسولؐ! ان کو وہ وقت یاد دلاؤ جب خدا نے
اہل کتاب سے عہد و پیمان لیا تھا کہ تم کتاب خدا کو صاف صاف
بیان کر دینا اور اس کی کوئی بات چھپانا نہیں، مگر ان لوگوں نے
اس عہد کو پس پشت پھینک دیا اور اس کے بدلے میں تھوڑی
سی قیمت حاصل کر لی۔ پس یہ کیا ہی برا سودا ہے جو یہ لوگ خرید
رہے ہیں۔" (سورۂ آل عمران - آیت ١٨٧)

٢۔ "پس ہم نے ان کی عہد شکنی کی وجہ سے ان پر لعنت کی اور
ان کے دلوں کو ہم نے خود سخت بنا دیا کہ وہ کلمات کو ان کے
اصلی معنوں سے بدل کر دوسرے معانی میں استعمال کرتے ہیں اور
جن جن باتوں کی انہیں نصیحت کی گئی تھی ان میں سے ایک بڑا حصہ
بھلا بیٹھے اور (اے رسولؐ!) اب تو تم ان میں سے چند آدمیوں
کے سوا ایک نہ ایک کی خیانت پر برابر مطلع ہوتے رہتے ہو تو تم
ان کا قصور معاف کر دو اور درگزر کرو کیونکہ خدا احسان کرنے والوں
کو ضرور دوست رکھتا ہے۔" (سورۂ مائدہ - آیت ١٣)

٣۔ "اے اہل کتاب! ہمارا پیغمبرؐ تمہارے پاس آچکا ہے تاکہ ان
باتوں سے جنہیں تم چھپایا کرتے تھے بہت سی صاف صاف بیان
کر دے اور بعض سے درگزر کرے۔" (سورۂ مائدہ - آیت ١٥)

٤۔ "اے اہل کتاب! تم کیوں حق اور باطل کو گڈمڈ کرتے ہو اور
حق کو چھپاتے ہو، حالانکہ تم جانتے ہو۔" (سورۂ آل عمران -
آیت ٧١)

۵۔ "حق کو باطل کے ساتھ نہ ملاؤ اور حق بات کو نہ چھپاؤ جب کہ تم جانتے ہو۔" (سورۂ بقرہ۔ آیت ۴۲)

۶۔ "جن لوگوں کو ہم نے کتاب دی ہے (اہل کتاب) وہ جس طرح اپنے بیٹوں کو پہچانتے ہیں اسی طرح (رسول اکرمؐ) کو بھی پہچانتے ہیں اور ان میں کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو دیدہ و دانستہ حق بات کو چھپاتے ہیں۔" (سورۂ بقرہ۔ آیت ۱۴۶)

۷۔ "(مسلمانو!) کیا تم طمع رکھتے ہو کہ وہ تم جیسا ایمان لائیں گے حالانکہ ان میں سے ایک گروہ ایسا تھا جو خدا کا کلام سنتا تھا اور اچھی طرح سمجھنے کے بعد اس میں پھیر بدل کر دیتا تھا۔"
(سورۂ بقرہ آیت ۷۵)

۸۔ "کچھ یہودی ایسے بھی ہیں جو کلامِ الٰہی کو اس کے اصل مقام سے بدل ڈالتے ہیں اور کہتے ہیں: ہم نے سنا اور نافرمانی کی۔"
(سورۂ نساء۔ آیت ۴۰)

۹۔ "بے شک جو لوگ ان باتوں کو جو خدا نے کتاب میں نازل کی ہیں چھپاتے ہیں اور اس کے بدلے تھوڑی سی قیمت لے لیتے یہ لوگ بس انگاروں سے اپنے پیٹ بھرتے ہیں اور قیامت کے دن خدا ان سے بات تک نہیں کریگا اور نہ انہیں (گناہوں سے) پاک کرے گا اور انہیں کے لیے دردناک عذاب ہے۔"
(سورۂ بقرہ۔ آیت ۱۷۴)۔

۱۰۔ "بے شک جو لوگ ہماری ان روشن دلیلوں اور ہدایتوں کو جنہیں ہم نے نازل کیا ہے، اس کے بعد چھپاتے ہیں جب کہ ہم

کتاب میں لوگوں کے سامنے صاف صاف بیان کر چکے تھے تو یہی لوگ ہیں جن پر خدا بھی لعنت کرتا ہے اور دوسرے لعنت کرنے والے بھی لعنت کرتے ہیں۔" (سورۂ بقرہ۔ آیت ۱۵۹)

یہ ان آیاتِ قرآنی کے چند نمونے تھے جن میں اللہ تعالیٰ نے سابقہ امتوں کی تحریفات اور اخفائے حق کی خبر دی ہے جو احادیث ذیل میں نقل کی جائینگی ان میں رسول اکرمؐ نے پیشین گوئی فرمائی ہے کہ جو روش سابقہ امتوں نے اختیار کی تھی وہ خود آپ کی امت بھی اختیار کرے گی اور قدم بہ قدم انکی پیروی کرے گی اور انہیں جیسے تمام کام انجام دے گی۔

۱۔ شیخ صدوقؒ نے "اکمال الدین" میں روایت کی ہے کہ امام جعفر صادقؑ نے اپنے آباو اجداد سے روایت کی ہے کہ رسول اللہؐ نے فرمایا:

"جو کچھ سابقہ امتوں میں واقع ہوا ہے اس امت میں بھی قدم بہ قدم اور بغیر کسی کم وکاست کے واقع ہوگا۔" [1]

۲۔ نیز شیخ صدوقؒ نے اکمال الدین میں امام صادقؑ سے انکے آباو اجداد کے واسطے سے روایت کی ہے کہ رسول اللہؐ نے فرمایا:

---

[1] اس حدیث رسولؐ کے راوی خاندان رسالت کے پیشوا ہیں جو ان بزرگوں سے عبارت ہیں: امام جعفر صادقؑ نے اپنے والد محمد باقرؑ سے اور انہوں نے اپنے والد زین العابدینؑ اور انہوں نے اپنے والد حسینؑ سے اور انہوں نے اپنے والد علی ابن ابیطالبؑ سے اور انھوں نے رسول اکرمؐ سے روایت کی۔ ابن رستہ اپنی کتاب الاعلاق النفیسہ کے صفحہ ۲۲۹ پر لکھتے ہیں: جعفر بن محمد بن علی بن حسین بن علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہم کے علاوہ زمین پر کوئی اور پانچ اشخاص ایسے نہیں ہیں جن سے رسول اکرمؐ کی متواتر حدیث نقل کی گئی ہو۔

"مجھے اس ذات کی قسم ہے جس نے مجھے حق کے ساتھ پیغام پہنچانے اور خوشخبری دینے پر مامور فرمایا۔ میری امت سابقہ امتوں کی راہ پر چلے گی اور قدم بہ قدم ان کے طریقے پر چلے گی یہاں تک کہ بنی اسرائیل میں ایک سانپ زمین کے ایک سوراخ میں داخل ہوگا تو اس امت میں بھی ایک سانپ اسی سوراخ میں داخل ہوگا۔" ۱

۳۔ ابن حجر کتاب فتح الباری میں لکھتے ہیں کہ شافعی ۲ صحیح سند سے

---

۱ اس حدیث کا سلسلہ رسول اکرمؐ کے خاندان کے پیشواؤں سے تعلق رکھتا ہے یعنی جعفر صادقؑ نے اپنے والد محمد باقرؑ سے اور انہوں نے اپنے دادا اور نواسۂ رسولؐ حسینؑ سے اور انہوں نے اپنے نانا رسول اللہؐ سے نقل کی ہیں۔ ۲ یہ حدیث شافعی نے عبداللہ بن عمرو سے نقل کی ہے۔ شافعی: ابوعبداللہ محمد بن ادریس بن عباس بن شافع مطلبی ہے۔ اس بارے میں اختلاف ہے کہ آیا اسکی ماں ہاشمی تھی یا ازد قبیلے سے تھی۔ اسی بنا پر لوگوں نے اسکے بارے میں یہ الفاظ کہے ہیں: "اسکے سوا ہم نے کسی ہاشمی کو نہیں دیکھا جو ابوبکر اور عمر کو علیؑ پر ترجیح دیتا ہو اور مقدم رکھتا ہو" جیسا کہ کتاب "طبقات شافعیہ" میں لکھا ہے کہ اسے ہاشم سے اس لیے نسبت دی گئی کہ وہ ہاشم کے بھائی کی اولاد میں سے تھا۔ وہ ۵۴ سال کی عمر میں ۲۰۴ھ میں مصر میں فوت ہوا (تقریب التہذیب جلد ۲ صفحہ ۱۴۳)۔

عبداللہ بن عمرو بن العاص قرشی سہمی تھا۔ وہ اپنے باپ سے ۱۲ سال چھوٹا تھا اور باپ سے پہلے مسلمان ہوگیا۔ اس نے قرآن اور دیگر قدیم کتابیں پڑھیں۔ اس نے آنحضرتؐ سے ۷ سو احادیث نقل کی ہیں۔ وہ جنگ صفین میں اپنے باپ کے ہمراہ موجود تھا لیکن بعد میں پشیمان ہوا اور یہ کہا کرتا تھا: "کاش میں اس سے ۲۰ سال پہلے مرگیا ہوتا۔" اس بارے میں اختلاف ہے کہ اسکی وفات ۶۳ یا ۶۵ھ میں مصر میں یا ۶۷ھ میں مکہ میں یا ۵۵ یا ۶۸ھ میں طائف میں ہوئی۔ اسی طرح اسکی عمر کے بارے میں بھی اختلاف ہے (اسد الغابہ جلد ۳ صفحہ ۲۳۳-۲۳۵، جوامع السیرۃ ابن حزم صفحہ ۲۷۶)۔

عبداللہ بن عمرو سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اکرمؐ نے فرمایا:
"تم سابقہ امتوں کے طور طریقے اپناؤ گے اور ان کے شیریں اور تلخ کاموں میں ان کی پیروی کروگے۔"

۴۔ احمد بن حنبل اپنی مسند میں اور مسلم بخاری اپنی صحیحین میں صحابی رسولؐ ابی سعید خدری ۱ کی زبانی رسول اکرمؐ کا یہ قول نقل کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: (عبارت صحیحین کی ہے)۔

"تم سابقہ امتوں کی روش کی وجب بہ وجب ۲ اور ذراع بہ ذراع ۳ یوں پیروی کروگے کہ اگر وہ سوسمار کے بل میں داخل ہوئی ہوں گی تو تم بھی ان کے پیچھے پیچھے جاؤگے۔"
لوگوں نے پوچھا: "یا رسول اللہؐ! کیا آپ کی مراد یہود اور نصاریٰ سے ہے؟" آپ نے فرمایا: "اور کون ہو سکتے ہیں!"

---

۱ بخاری میں ایک روایت کے مطابق اس حدیث کی عبارت یوں ہے: "اگر وہ ایک سوسمار کے بل میں جائیں گے تو تم بھی اس بل میں جا گھسو گے۔"

ابوسعید بن مالک بن سنان انصاری کا تعلق خاندان بنی خدرہ سے تھا۔ جنگ خندق کے موقع پر جب انکی عمر کل ۱۳ سال تھی، انکے والد ان کا ہاتھ پکڑے ہوئے انھیں رسول اکرمؐ کی خدمت میں لے آئے اور عرض کیا: "یا رسول اللہؐ! اسکی ہڈیاں مضبوط ہیں۔" آنحضرتؐ نے جب انہیں قبول نہیں کیا تو پھر غزوۂ بنی مصطلق میں شرکت کی۔ وہ ان راویوں میں سے ہیں جن سے بہت سی احادیث نقل ہوئی ہیں۔ انھوں نے آنحضرتؐ سے ۱۱۷۰ احادیث نقل کی ہیں۔ تمام جامعین حدیث نے انکی روایات اپنی کتابوں میں درج کی ہیں۔ وہ ۷۵ھ میں فوت ہوئے۔ (اسد الغابہ اور جوامع السیرۃ صفحہ ۲۷۶)۔ ۲ بالشت ۳ بازو

ایک اور روایت میں جو مسند احمد بن حنبل میں ہے یوں کہا گیا ہے:

"تم ہر طرح سے بنی اسرائیل کی یوں پیروی کروگے کہ اگر بنی اسرائیل کا ایک مرد سوسمار کے بل میں داخل ہوگا تو تم بھی اس کے پیچھے جاؤگے۔"

د۔ بخاری نے صحیح میں، ابن ماجہ نے سنن میں، احمد بن حنبل نے اپنی مسند میں اور متقی نے کنزالعمال میں انہی الفاظ میں جو ہم صحیح سے نقل کر رہے ہیں، ابوہریرہ سے روایت کی ہے:

"قیامت اس وقت تک برپا نہیں ہوگی جب تک کہ میری امت سابقہ امتوں کی روش کو اپنے لیے مثال نہ بنالے اور ان کے نقش قدم پر وجب بہ وجب اور ذراع بہ ذراع چل نہ لے۔"

لوگوں نے پوچھا: "یا رسول اللہؐ! فارس اور روم کی مانند؟"

آپ نے فرمایا: "ان کے علاوہ اور کون لوگ ہو سکتے ہیں!"

مسند احمد بن حنبل میں عبارت یوں ہے:

"مجھے اس ہستی کی قسم کہ جس کے ہاتھ میں میری جان ہے جو لوگ تم سے پہلے گزرے ہیں، تم وجب بہ وجب اور ذراع بہ ذراع اور باع بہ باع [1] ان کے طرزِ عمل کی اس طرح پیروی کروگے کہ اگر وہ سوسمار کے بل میں داخل ہوں گے تو تم بھی اس میں داخل ہوگے۔"

لوگوں نے پوچھا: "یا رسول اللہؐ! یہ کون لوگ ہیں، کیا یہ اہل کتاب ہیں؟"

---

[1] باع، دو ہاتھ کی لمبائی کے برابر ہوتا ہے۔

آپ نے فرمایا: "اور کون لوگ ہو سکتے ہیں!"

ہ۔ ترمذی نے اپنی صحیح میں اور طیالسی اور احمد بن حنبل نے اپنی مسندوں میں اور متقی نے کتاب کنزالعمال میں نقل کیا ہے، ترمذی کی عبارت یوں ہے: ابی واقد لیثی [1] سے رسول اکرمؐ نے فرمایا:

"اس ہستی کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے تم ان لوگوں کے راستے پر چلوگے جو تم سے پہلے گزرے ہیں۔"

احمد بن حنبل کی مسند میں عبارت یوں ہے:

"تم سابقہ امتوں کے کردار کی یکے بعد دیگرے پیروی کروگے۔"

و۔ حاکم نے مستدرک علی الصحیحین اور البزّار نے (جیسا کہ کتاب مجمع الزوائد میں ہے) ابن عباس سے روایت کی ہے کہ رسول اکرمؐ نے فرمایا:

"تم اپنے سے پہلی امتوں کے راستے پر وجب بہ وجب، ذراع بہ ذراع اور باع بہ باع اس طرح چلوگے کہ اگر ان میں سے ایک شخص سوسمار کے بل میں داخل ہوگا تو تم بھی اس میں داخل ہوگے۔"

---

[1] ابو واقد لیثی، لیث بن بکر بن عبد مناۃ بن کنانہ کے خاندان سے ہیں۔ ان کے نام اسلام لانے کی تاریخ اور اس امر کے بارے میں اختلاف ہے کہ آیا وہ جنگ بدر میں موجود تھے یا فتح مکہ میں شریک ہوئے یا ان میں سے کسی میں بھی شریک نہیں تھے اور بعد میں مسلمان ہوئے۔ انھوں نے آنحضرتؐ سے ۲۴ حدیثیں نقل کی ہیں۔ بخاری نے انکی احادیث کو کتاب ادب المفرد میں نقل کیا ہے۔ انہوں نے مکہ کے قریب سکونت اختیار کی اور ۶۸ھ میں ۷۵ یا ۸۵ سال کی عمر میں فوت ہوئے (اسد الغابہ ردیف ۳۱۹۵، جوامع السیرۃ صفحہ [illegible])

ز۔ ترمذی نے اپنی صحیح میں اور حاکم نے اپنی مستدرک میں ـــــ جیسا کہ سیوطی نے اپنی تفسیر میں ان سے نقل کیا ہے اس عبارت کے ساتھ جو ہم نے صحیح ترمذی سے لی ہے ـــــ عبداللہ بن عمروؓ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہؐ نے فرمایا:

"جو کچھ بنی اسرائیل پر گزری وہ میری امت پر بھی گزرے گی (حذو النعل بالنعل) حتیٰ کہ بنی اسرائیل میں سے کوئی شخص کھلم کھلا اپنی ماں کے ساتھ ہم بستر ہوا تو میری امت میں بھی ایسا شخص پیدا ہو جائے گا۔"

ح۔ طبرانی نے مجمع الزوائد میں مسند البزار اور متقی نے کنز العمال میں مستدرک حاکم کے حوالے سے ابن عباس[1] سے روایت کی ہے کہ رسولِ خداؐ نے فرمایا:

"تم لازمی طور پر وجب بہ وجب، ذراع بہ ذراع ان لوگوں جیسے کام انجام دوگے جو تم سے پہلے گزرے ہیں اگر ان میں سے کوئی سوسمار کے بل میں داخل ہوگا تو تم بھی داخل ہوگے اور اگر ان میں سے کوئی اپنی ماں سے ہم بستر ہوگا تو تم بھی ایسا ہی کروگے۔"

---

[1] عبداللہ ابن عباس نے رسول اکرمؐ سے ۱۶۶۰ احادیث نقل کی ہیں۔ تمام اصحاب حدیث نے ان کی روایات اپنی کتابوں میں درج کی ہیں (جوامع السیرۃ صفحہ ۲۷۶)۔ ان کے مفصل حالات زندگی کتاب عبداللہ بن سبا مؤلفہ علامہ محقق مرتضیٰ عسکری (جلد ۱ صفحہ ۱۱۴) میں دیئے گئے ہیں۔

ط۔ احمد بن حنبل نے اپنی مسند میں اور طبرانی نے مجمع الزوائد میں سہل بن سعد انصاری[1] سے نقل کیا ہے کہ رسول اکرمؐ نے فرمایا:

"اس ہستی کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے کہ تم نمونہ بہ نمونہ اپنے سے پہلی امتوں کی روش اپناؤ گے۔"

مجمع الزوائد کی روایت میں اس جملے کا اضافہ بھی کیا گیا ہے:

"یوں کہ اگر وہ سوسمار کے بل میں داخل ہوں گے تو تم ان کی پیروی کروگے۔"

ہم نے پوچھا:

"یہود و نصاریٰ کی مانند؟"

آپ نے فرمایا:

"یہود و نصاریٰ کے سوا اور کون ہو سکتے ہیں!"

ی۔ جیسا کہ کتاب مجمع الزوائد میں ہے:

---

[1] سہل بن سعد مالک انصاری ساعدی ـــــ جس دن رسول خداؐ نے دنیا سے رحلت فرمائی، سہل کی عمر پندرہ سال تھی۔ حجاج کے زمانے میں انہیں اس کے پاس لے جایا گیا۔ حجاج نے اس بہانے سے کہ انہوں نے عثمان کی مدد نہیں کی تھی ان کی گردن مہر سے داغ دی جو کہ غلامی کا نشان ہے..... انہوں نے آنحضرتؐ سے ۱۸۸ احادیث نقل کی ہیں اور سب اصحاب حدیث نے ان کی احادیث اپنی کتابوں میں درج کی ہیں۔ وہ ۸۸ھ یا ۹۱ھ میں فوت ہوئے۔ کہا گیا ہے کہ وہ صحابۂ رسولؐ میں آخری شخص تھے جو مدینہ میں فوت ہوئے۔

اسد الغابہ جلد ۲ صفحہ ۳۶۶۔ جوامع السیرۃ صفحہ ۲۷۷۔ التقریب جلد ۱ صفحہ ۳۳۶۔

طبرانی نے عبد اللہ بن مسعود [1] سے روایت کی ہے کہ رسول اکرمؐ نے فرمایا:

"تم لوگ بنی اسرائیل سے سب سے زیادہ مشابہ ہو۔ تم انہیں کا راستا اختیار کروگے اور قدم بہ قدم انہیں کی طرح عمل کروگے۔ یوں کہ اُن میں کوئی واقعہ رونما نہیں ہوگا بجز اس کے کہ تمہارے درمیان بھی ایسا ہی واقعہ بعینہٖ اسی شکل میں رونما ہوگا۔"

---

[1] ابو عبد الرحمٰن عبد اللہ بن مسعود بن غافل ہذلی کا تعلق قبیلۂ بنی سعد بن ہذیل سے تھا جو قریش کے قبیلہ بنی زہرہ کے حلیف تھے۔ آپ اوائل اسلام ہی میں مکہ میں مسلمان ہوئے۔ کہا جاتا ہے کہ وہ پہلے آدمی جنہوں نے مکہ میں بلند آواز سے قرآن پڑھا عبد اللہ بن مسعود ہی تھے۔ انہوں نے حبشہ اور مدینہ میں ہجرت کی اور رسول اکرمؐ نے جو جنگیں لڑیں ان میں وہ آنحضرتؐ کے ہمرکاب تھے۔ آپ سے ۸۴۸ احادیث نقل کی گئی ہیں اور تمام حدیث لکھنے والوں نے ان سے احادیث روایت کی ہیں ـــــ عمرؓ نے اپنی خلافت کے زمانے میں انہیں معلم اور کوفہ کے بیت المال کا خزانچی مقرر کیا اور عثمان کے زمانے میں ولید نے انکے خلاف خلیفہ سے شکایت کی۔ عثمان نے انہیں مدینہ بلا بھیجا اور انہیں ڈنڈے لگائے جس سے انکے پہلو کی ہڈیاں ٹوٹ گئیں۔ خلیفہ نے انہیں مقرر کردہ سالانہ وظیفے اور گرانٹ سے بھی محروم کر دیا۔ عبد اللہ بن مسعود بیمار ہو گئے اور جب وہ مرض الموت میں تھے تو عثمان نے ان کے حقوق ادا کر کے تلافی کرنی چاہی لیکن انہوں نے قبول کرنے سے انکار کر دیا اور وصیت کی کہ عثمان انکی نماز جنازہ نہ پڑھیں۔ وہ ۳۲ھ میں فوت ہوئے اور عثمان کو علم ہوئے بغیر ہی انہیں دفن کر دیا گیا۔ اسد الغابہ جلد ۳ صفحہ ۲۵۶-۲۵۸، جوامع السیرۃ صفحہ ۲۷۶، تقریب التہذیب جلد ا صفحہ ۴۵۰۔ "احادیث ام المومنین عائشہ" مصنفہ سید مرتضیٰ عسکری صفحہ ۶۲ تا ۶۵۔

ک۔ جیسا کہ مجمع الزوائد اور کنز العمال میں ہے طبرانی "الاوسط" میں مستورد بن شداد [1] سے نقل کرتا ہے کہ رسول اکرمؐ نے فرمایا:

"سابقہ امتوں کے اعمال میں سے کوئی عمل ایسا نہیں ہوگا جو یہ امت انجام نہ دے۔"

ل۔ احمد بن حنبل اپنی مسند میں اور طبرانی مجمع الزوائد میں شداد بن اوس [2] سے نقل کرتے ہیں کہ رسول اکرمؐ نے فرمایا:

"آگاہ رہو کہ یہ امت ان لوگوں کی روش کو جو اُن سے پہلے ہوئے ہیں اور گزر چکے ہیں اپنے لیے مثال قرار دے گی اور قدم بہ قدم انہیں جیسے اعمال کرے گی۔"

اُسد الغابہ میں شداد بن اوس کے حالات بیان کرتے ہوئے "ان سے پہلے" کے الفاظ کی بجائے "تم سے پہلے" کے الفاظ نقل کیے گئے ہیں۔

جو کچھ اوپر کہا گیا ہے اس سے ہمیں پتا چلا کہ خداوند عالم نے ان

---

[1] مستورد بن شداد بن عمرو قریشی فہری جن کی ماں وحد جابر بن حل کی بیوی کی بہن تھی۔ رسول خداؐ کی رحلت کے وقت وہ نوجوان تھے۔ انہوں نے آنحضرتؐ سے ۷ حدیثیں نقل کی ہیں اور بخاری نے بطور معلق روایت کی ہیں۔ انہوں نے کوفہ اور مصر میں سکونت اختیار کی اور ۴۵ھ میں فوت ہوئے (اسد الغابہ جلد ۴ صفحہ ۳۵۴۔ جوامع السیرۃ صفحہ ۲۸۷۔ تقریب التہذیب جلد ۲ صفحہ ۲۴۲)۔ [2] شداد بن اوس حسان بن ثابت انصاری خزرجی کے بھتیجے تھے۔ انہوں نے رسول اکرمؐ سے پچاس حدیثیں نقل کی ہیں۔ وہ بیت المقدس میں مقیم ہوئے اور ۴۱ یا ۵۸ یا ۶۴ ہجری میں شام میں فوت ہوئے (اسد الغابہ جلد ۲ صفحہ ۳۸۸۔ جوامع السیرۃ صفحہ ۲۷۹۔ تقریب التہذیب صفحہ ۳۴۷۔ التراجم صفحہ ۲۶)۔

تحریفات اور تبدیلیوں کی خبر دی ہے جو سابقہ امتوں میں رونما ہوئیں اور رسول اکرمؐ نے بھی اس امر کی اطلاع دی ہے کہ ان کی امت بھی سابقہ امتوں کے اعمال کی پیروی کرے گی۔

جب ہم ان تحریفات کو جو اس امت میں ظہور پذیر ہوئیں' ان تحریفات کے پہلو بہ پہلو رکھتے ہیں جو سابقہ امتوں میں واقع ہوئیں اور ان کا موازنہ کرتے ہیں تو پتا چلتا ہے' سابقہ امتوں میں تحریفات خود ان کی آسمانی کتابوں میں کی گئی۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

"(اے رسولؐ!) ان سے پوچھو کہ موسیٰؑ جو کتاب بصیرت اور ہدایت کے لیے لائے وہ کس نے نازل کی؟ تم نے اسے کاغذ کی شکل دیدی اور کچھ ظاہر کرتے ہو اور بہت سا چھپاتے ہو۔"
(سورۂ انعام۔ آیت ۹۱)

ایک اور جگہ فرمایا:

"اہل کتاب میں سے بعض ایسے ہیں جو اپنی زبانیں مروڑ مروڑ کے (کچھ کا کچھ) پڑھ جاتے ہیں تاکہ تم یہ سمجھو کہ یہ کتاب کا جزو ہے' حالانکہ وہ کتاب کا جزو نہیں اور کہتے ہیں کہ یہ جو ہم پڑھتے ہیں خدا کے یہاں سے اترا ہے حالانکہ وہ خدا کے یہاں سے نازل نہیں ہوا اور وہ جان بوجھ کر خدا پر جھوٹ باندھتے ہیں۔"
(سورۂ آل عمران۔ آیت ۷۸)

ایک اور آیت میں یوں ارشاد ہوا ہے:

"پس وائے ہو ان لوگوں پر جو اپنے ہاتھ سے کتاب لکھتے ہیں اور پھر لوگوں سے کہتے پھرتے ہیں کہ یہ خدا کے یہاں سے آئی

ہے تاکہ اس کے ذریعے تھوڑی سی قیمت حاصل کریں۔ پس افسوس ہے ان پر کہ ان کے ہاتھوں نے لکھا اور پھر افسوس ہے ان پر کہ وہ ایسی کمائی کرتے ہیں۔" (سورۂ بقرہ۔ آیت ۷۹)

پروردگار عالم کے ارشادات کا مصداق ہم ان مقدس کتابوں میں دیکھتے ہیں جو آجکل دستیاب ہیں۔

توراۃ میں کتاب پیدائش کے تیسرے باب میں تخلیق آدمؑ کی داستان کے سلسلے میں لکھا ہے:

"اور سانپ صحرائی جانوروں میں سے جن کو خداوند خدا نے بنایا تھا' چالاک تھا اور اس نے عورت سے کہا کیا واقعی خدا نے کہا ہے کہ باغ کے کسی درخت کا پھل تم نہ کھانا؟ عورت نے سانپ سے کہا کہ باغ کے درختوں کا پھل تو ہم کھاتے ہیں لیکن جو درخت باغ کے بیچ میں ہے اس کے پھل کی بابت خدا نے کہا ہے کہ تم نہ تو اسے کھانا اور نہ چھونا ورنہ مر جاؤ گے۔ تب سانپ نے عورت سے کہا کہ تم ہرگز نہ مرو گے بلکہ خدا جانتا ہے کہ جس دن تم اسے کھاؤ گے تمہاری آنکھیں کھل جائیں گی اور تم خدا کی مانند نیک و بد کے جاننے والے بن جاؤ گے۔ عورت نے جو دیکھا کہ وہ درخت کھانے کے لیے اچھا اور آنکھوں کو خوشنما معلوم ہوتا ہے اور عقل بخشنے کے لیے خوب ہے تو اس کا پھل کھایا اور اپنے شوہر کو بھی دیا اور اس نے بھی کھایا۔ تب دونوں کی آنکھیں کھل گئیں اور ان کو معلوم ہوا کہ وہ ننگے ہیں اور انہوں نے انجیر کے پتوں کو سی کر اپنے لیے لنگیاں بنائیں

اور انہوں نے خداوند خدا کی آواز جو ٹھنڈے وقت باغ میں
پھرتا تھا سنی اور آدمؑ اور اس کی بیوی نے اپنے آپکو خداوند خدا
کے حضور سے باغ کے درختوں میں چھپایا۔ تب خداوند خدا نے
آدمؑ کو پکارا اور اس سے کہا کہ تو کہاں ہے۔ اس نے کہا کہ میں
نے باغ میں تیری آواز سنی اور میں ڈرا کیونکہ میں ننگا تھا اور
میں نے اپنے آپ کو چھپایا۔ اس نے کہا تجھے کس نے بتایا کہ
تو ننگا ہے۔ کیا تو نے اس درخت کا پھل کھایا ہے جس کے
لیے میں نے تجھے حکم دیا تھا کہ اسے نہ کھانا۔ آدمؑ نے کہا کہ
جس عورت کو تو نے میرے ساتھ کیا ہے اس نے مجھے اس
درخت کا پھل دیا اور میں نے کھایا۔۔۔"

"اور خداوند خدا نے کہا دیکھو انسان نیک و بد کی پہچان
میں ہم میں سے ایک کی مانند ہو گیا۔ اب کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ
اپنا ہاتھ بڑھائے اور حیات کے درخت سے بھی کچھ لے کر کھائے
اور ہمیشہ زندہ رہے۔۔۔۔ چنانچہ اس نے آدمؑ کو نکال دیا اور
باغ عدن کے مشرق کی طرف فرشتوں اور چوگرد گھومنے والی
شعلہ زن تلوار کو رکھا کہ وہ زندگی کے درخت کے راستے کی
حفاظت کریں۔"

پس ہم دیکھتے ہیں کہ تورات میں آدمؑ کے بہشت میں قیام کی داستان
یوں بیان کی گئی ہے جبکہ قرآن مجید فرماتا ہے کہ شیطان نے انہیں وسوسے میں
ڈالا تاکہ وہ اس ممنوعہ درخت کا پھل کھا لیں۔

قرآن مجید کے الفاظ یہ ہیں:

"اور ان دونوں کے سامنے قسمیں کھائیں کہ میں یقیناً تمہارا خیر خواہ
ہوں۔ غرض دھوکے سے ان دونوں کو اس درخت کا پھل
کھانے کی طرف مائل کیا۔ غرض جونہی انہوں نے اس پھل کو
کھایا ان کی شرمگاہیں ان پر ظاہر ہو گئیں اور وہ بہشت کے
پتوں سے اپنے آپ کو ڈھانپنے لگے۔ تب ان کے پروردگار نے
ان سے کہا: میں نے تم دونوں کو اس درخت کا پھل کھانے
سے منع کیا تھا اور کیا یہ نہیں بتا دیا تھا کہ شیطان تمہارا کھلا ہوا
دشمن ہے۔" (سورۂ اعراف۔ آیت ۲۱، ۲۲)۔

یہ تھی قرآن میں آدمؑ کی داستان جس کا ہم نے تورات سے تقابل کیا اور
دیکھا کہ کس طرح تورات میں حقیقت سے انحراف کیا گیا ہے اور اس واقعے کو
مزخرفی صورت میں پیش کیا گیا ہے۔

اب ہم تورات کے ورق الٹتے ہیں اور ذرا آگے بڑھ کر حضرت لوطؑ کے
قصے تک پہنچتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ حضرت لوطؑ کی بیٹیاں انہیں شراب پلاتی
ہیں اور ان سے حاملہ ہو جاتی ہیں۔ کتاب پیدائش کے ۱۹ ویں باب میں کہا گیا ہے کہ:

"پس لوطؑ کی دو بیٹیاں اپنے باپ سے حاملہ ہوئیں اور بڑی
کے ایک بیٹا ہوا اور اس نے اس کا نام موآب رکھا۔ وہی موآبیوں
کا باپ ہے جو اب تک موجود ہیں اور چھوٹی کے بھی ایک بیٹا ہوا
اور اس نے اس کا نام بن عمی رکھا۔ وہی بنی عمون کا باپ ہے
جو اب تک موجود ہیں۔" [1]

[1] تورات۔ پیدائش ۱۹۔ آیات ۳۶، ۳۷، ۳۸۔

اب ہم آگے بڑھتے ہیں اور ورق گردانی کرتے ہوئے یعقوبؑ کی داستان تک پہنچتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ وہ رات سے لیکر طلوع فجر تک ایک طاقتور پہلوان سے کشتی لڑتے رہے اور اس کے بعد **اسرائیل**[1] کا لقب پایا، چنانچہ تورات، کتاب پیدائش کے ۳۰ ویں باب میں لکھا ہے:

"یعقوب اکیلا رہ گیا اور پو پھٹنے کے وقت تک ایک شخص وہاں اس سے کشتی لڑتا رہا۔ جب اس نے دیکھا کہ وہ اس پر غالب نہیں ہو رہا تو اس کی ران کو اندر کی طرف سے چھوا اور یعقوب کی ران کی نس اس کے ساتھ کشتی کرنے میں چڑھ گئی اور اس نے کہا مجھے جانے دے کیونکہ پو پھٹ چلی ہے۔ یعقوب نے کہا جب تک تو مجھے برکت نہ دے گا میں تجھے جانے نہیں دوں گا۔ تب اس نے اس سے پوچھا کہ تیرا کیا نام ہے۔ اس نے جواب دیا: یعقوب! اس نے کہا تیرا نام آگے کو یعقوب نہیں بلکہ اسرائیل ہوگا کیونکہ تو نے خدا اور آدمیوں کے ساتھ زور آزمائی کی اور غالب ہوا۔ تب یعقوب نے اس سے کہا کہ میں تیری منت کرتا ہوں تو مجھے اپنا نام بتا دے۔ اس نے کہا کہ تو میرا نام کیوں پوچھتا ہے؟ اور اس نے اسے وہاں برکت دی اور یعقوب نے اس جگہ کا نام **فنی ایل** رکھا اور کہا کہ میں نے خدا کو روبرو دیکھا تو بھی میری جان بچی رہی۔"[2]

---

[1] قاموس کتاب مقدس (فارسی)، مادۂ اسرائیل: اسرائیل سے مراد وہ شخص ہے جو خدا پر فتحیاب ہوا۔ [2] تورات، پیدائش ۳۰، آیات ۲۴، ۳۱۔

اب ہم آگے چلتے ہیں اور کتاب خروج کے ۳۲ ویں باب پر پہنچ کر یہ عبارت پڑھتے ہیں:

"اور جب لوگوں نے دیکھا کہ موسیٰؑ نے پہاڑ سے اترنے میں دیر لگائی تو وہ ہارون کے پاس جمع ہو کر اس سے کہنے لگے کہ اٹھ ہمارے لیے دیوتا بنا دے جو ہمارے آگے آگے چلے کیونکہ ہم نہیں جانتے کہ اس مرد، موسیٰ کو جو ہم کو ملک مصر سے نکال کر لایا کیا ہو گیا ہے۔ ہارون نے ان سے کہا تمہاری بیویوں اور لڑکوں اور لڑکیوں کے کانوں میں جو سونے کی بالیاں ہیں ان کو اتار کر میرے پاس لے آؤ۔ چنانچہ سب لوگ انکے کانوں سے سونے کی بالیاں اتار اتار کر ان کو ہارون کے پاس لے آئے اور اس نے وہ ان کے ہاتھوں سے لے کر ایک ڈھالا ہوا بچھڑا بنایا، جس کی صورت چھینی سے ٹھیک کی۔ تب وہ کہنے لگے: اے اسرائیل! یہی تیرا وہ دیوتا ہے جو تجھ کو ملک مصر سے نکال کر لایا۔ یہ دیکھ کر ہارون نے اس کے آگے ایک قربان گاہ بنائی اور اس نے اعلان کر دیا کہ کل خداوند کے لیے عید ہو گی۔"

قرآن مجید میں بتایا گیا ہے کہ قوم کی اس بے راہ روی کا موجب سامری تھا اور حضرت ہارونؑ نے ان لوگوں کو اس حرکت سے منع فرمایا لیکن بنی اسرائیل نے ان کی ہدایت پر کان نہ دھرا۔ چنانچہ ارشاد خداوندی ہے کہ:

"پھر سامری نے ان لوگوں کے لیے ایک بچھڑے کی مورت بنائی جس کی آواز بھی بچھڑے کی سی تھی۔ اس پر بعض لوگ کہنے لگے: یہی تمہارا بھی معبود ہے اور موسیٰؑ کا بھی معبود ہے۔" (سورہ طٰہٰ، آیت ۸۸)

"اور ہارون نے ان سے پہلے کہا بھی تھا: اے قوم! اس کے ذریعہ سے تمہارا امتحان لیا جا رہا ہے اور اس میں شک نہیں کہ تمہارا پروردگار صرف خدائے رحمٰن ہے۔ تو تم میری پیروی کرو اور میرا کہا مانو۔ وہ لوگ کہنے لگے کہ جب تک موسیٰ ہمارے پاس پلٹ کر نہیں آجائیں گے ہم تو اس کی پرستش سے دستبردار نہیں ہوں گے۔"

گزشتہ صفحات میں ہم نے تورات میں تحریف کے دو نمونوں کا ذکر کیا ہے۔ ایک میں تو خدا کے بارے میں نازیبا باتیں کہی گئی ہیں اور دوسرے میں پیغمبرانِ خدا سے ناروا باتیں منسوب کی گئی ہیں۔ جو کچھ ہم نے کہا ہے اس کے علاوہ بھی کتابِ مقدس میں تحریف کی بہت سی شہادتیں موجود ہیں اور اس موضوع کے ماہرین نے اپنی تحریروں میں ان پر روشنی ڈالی ہے اور ان کا مفصل ذکر کیا ہے، مثلاً حجۃ الاسلام بلاغی نے اپنی دو کتابوں "الرحلۃ المدرسیہ" اور "الہدیٰ الی دین المصطفیٰ" میں ان کا تفصیل سے ذکر کیا ہے۔

انہوں نے اور دوسرے اسلامی محققین نے اپنے تاریخی اور مفصل مباحث میں کتب عہدین (عہد نامۂ عتیق اور عہد نامۂ جدید) میں تحریف ثابت کی ہے اور امریکی اسکالر ڈاکٹر ہاکس نے قاموس کتاب مقدس (مادۂ انجیل) اور کتاب کے دیباچے میں ان اعتراضات کی جانب اشارہ کیا ہے اور ان کا جواب دینے کی کوشش کی ہے لیکن اس بارے میں اسے کوئی کامیابی حاصل نہیں ہوئی۔

ہم بحث کی تکمیل کے لیے تورات کے تین مطبوعہ نسخوں سے کتاب تثنیہ کے ۳۳ ویں باب سے تغیر و تحریف کے نمونے پیش کرتے ہیں تاکہ ان میں

واضح طور پر تحریف کا مشاہدہ کر سکیں۔

۱۔ آنسٹ نسخہ جو اصلی عبرانی سے فارسی میں ترجمہ ہوا ہے۔ یہ ترجمہ رابنسن نے کیا ہے جو ۱۸۳۹ء میں رچرڈ واٹس پریس لندن میں طبع ہوا۔

باب سی و سیوم

۱ و اینست دعای خیر که موسی مرد خدا قبل از مردن بر بنی اسرائیل خواند

۲ و گفت که خداوند از سینای برآمد و از سعیر نمودار گشت و از کوهٔ فاران نور افشان شد و با ده هزار مقربان ورود نمود و از دست راستش شریعتی آتشین برای ایشان رسید

۳ بلکه قبائل را دوست داشت و همگی مقدسانش در قبضهٔ تو هستند و مقربان پای تو بوده تعلیم ترا خواهند پذیرفت

۴ موسی مارا بشریعتی امر کرد که میراث جماعت بنی یعقوب باشد

تینتیسواں باب

اور یہ ہے وہ دعائے خیر جو موسیٰؑ مردِ خدا نے مرنے سے پہلے بنی اسرائیل کے لیے مانگی:

۱۔ اور کہا کہ خداوند سینا سے آیا اور سعیر سے نمودار ہوا اور کوہِ فاران سے جلوہ گر ہوا اور دس ہزار مقربین کے ساتھ وارد ہوا اور اس کے دائیں ہاتھ سے آتشیں شریعت ان کے لیے پہنچی۔

۲۔ بلکہ اس نے قبائل کو دوست رکھا اور اس کے سب مقدس لوگ تیرے ہاتھ میں ہیں اور تیرے مقرب ہوئے اور تیری تعلیم قبول کریں گے۔

۳۔ موسیٰ نے ہمیں اس شریعت کا حکم دیا جو بنی یعقوب کی جماعت کی میراث ہے

ب۔ آفسٹ نسخہ جو ۱۶۷۱ء میں رومۃ الکبریٰ کے مشرقی گرجوں کے استفادہ کے لیے چھاپے گئے نسخے کے مطابق رچرڈ واٹس پریس لندن میں ۱۸۳۱ء میں چھپا۔ [1]

الاصحاح الثالث والثلاثون

۱ فهذه البركة التي بها بارك موسي رجل الله بني اسرايل قبل موته
۲ *وقال جآ الرب من سينا واشرق لنا من ساعير استعلن من جبل
۳ فاران ومعه الوف الاطهار في يمينه سُنّة من نار *احب الشعوب
جميع الاطهار بيده والذين يقتربون من رجليه يقبلون من تعليمه
۵ *موسي امرنا بسنّة: ميراثا لجماعة يعقوب

ج۔ آفسٹ نسخہ جو ۱۹۰۷ء [2] میں امریکن پریس بیروت میں چھاپا گیا۔

اَلْأَصْحَاحُ ٱلثَّالِثُ وَٱلثَّلَاثُونَ

۱ وَهٰذِهِ هِيَ ٱلْبَرَكَةُ ٱلَّتِي بَارَكَ بِهَا مُوسَى رَجُلُ ٱللهِ بَنِي إِسْرَائِيلَ قَبْلَ مَوْتِهِ ۲ فَقَالَ.
جَاءَ ٱلرَّبُّ مِنْ سِينَاءَ وَأَشْرَقَ لَهُمْ مِنْ سَعِيرَ وَتَلَأْلَأَ مِنْ جَبَلِ فَارَانَ وَأَتَى مِنْ رِبْوَاتِ
۳ ٱلْقُدْسِ وَعَنْ يَمِينِهِ نَارُ شَرِيعَةٍ لَهُمْ. ۳ فَأَحَبَّ ٱلشَّعْبَ. جَمِيعُ قِدِّيسِيهِ فِي يَدِكَ وَهُمْ
۴ جَالِسُونَ عِنْدَ قَدَمِكَ يَتَقَبَّلُونَ مِنْ أَقْوَالِكَ ۴ بِنَامُوسٍ أَوْصَانَا مُوسَى مِيرَاثًا لِجَمَاعَةِ
۵ يَعْقُوبَ.

---

[1] تورات کے اس باب کی تیسری شق ان لوگوں کے بارے میں ہے جو حضرت خاتم النبیینؐ کے ساتھ تھے اور شاید اس کا اطلاق اس آیت پر ہوتا ہے: مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللهِ وَالَّذِينَ مَعَهُ أَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ تَرَاهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَبْتَغُونَ فَضْلًا مِّنَ اللهِ وَرِضْوَانًا سِيمَاهُمْ فِي وُجُوهِهِم مِّنْ أَثَرِ السُّجُودِ ذٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرَاةِ ..... (سورہ فتح۔ آیت ۲۹)

[2] ۱۸۷۱ء میں نیویارک میں چھاپے گئے نسخے کی عبارت بھی یہی ہے۔

جو تحریفات کتاب کے اس باب میں کی گئیں انکی وجوہات درج ذیل ہیں:

اس باب کی شق ۱ تا ۴ میں کہا گیا ہے کہ موسیٰؑ بن عمران نے اپنی وفات سے پہلے ان تین مقامات کا ذکر کیا جہاں خدا نے اپنا امر ظاہر کیا اور اپنی شریعت نازل کی اور وہ مقامات یہ ہیں:

۱۔ **سینا:** یہ وہی جگہ ہے جہاں خدا نے تورات (شریعت) حضرت موسیٰؑ پر نازل کی اور چوتھی شق میں اس شریعت کو حضرت یعقوبؑ کی جماعت (یعنی بنی اسرائیل) کی میراث قرار دیا گیا ہے۔ لہذا یہ شریعت بنی اسرائیل سے مخصوص ہے۔

ب۔ **سعیر یا ساعیر:** جیسا کہ قاموس کتاب مقدس (مادہ سیعر) اور معجم البلدان (مادہ ساعیر) میں کہا گیا ہے۔ یہ وہ سرزمین ہے جس میں **قدس** پر محیط پہاڑ واقع ہیں۔ یہ سرزمین وہی ہے جس میں حضرت عیسیٰؑ ابن مریمؑ پر انجیل (شریعت) نازل ہوئی اور اس کے متعلق یہاں حضرت موسیٰؑ کی جانب سے کوئی تفصیل یا تشریح بیان نہیں کی گئی۔

ج۔ **کوہِ فاران:** جیسا کہ تورات کی کتاب پیدائش کے ۲۱ ویں باب میں آیا ہے فاران ایک جگہ ہے جہاں حضرت سارہ کی درخواست پر حضرت ابراہیمؑ حضرت ہاجرہؑ اور حضرت اسماعیلؑ کو لے گئے تھے اور اس باب کی ۲۱ ویں شق میں حضرت اسماعیلؑ کے بارے میں یہ جملہ کہا گیا ہے:

"اور وہ فاران کے بیابان میں رہتا تھا اور اس کی ماں نے ملکِ مصر سے اس کے لیے بیوی لی۔"

اس امر پر بھی سبھی متفق ہیں کہ حضرت ابراہیمؑ کے گھر سے رخصت ہونے کے بعد حضرت اسماعیلؑ اور حضرت ہاجرہؑ مکہ میں سکونت پذیر ہو گئے اور

تادم مرگ وہیں رہے اور حجرِ اسماعیل کے مقام پر ان کی قبریں آج بھی
مشہور و معروف ہیں۔ لہٰذا کوہ فاران مکہ کے اردگرد واقع پہاڑوں میں سے
ایک پہاڑ ہے جیسے کہ سب لغت نویسوں نے مادہ فاران کے تحت لغات
میں تصریح کی ہے مثلاً یاقوت نے معجم البلدان میں، ابن منظور نے لسان العرب
میں، فیروز آبادی نے قاموس میں اور زبیدی نے تاج العروس میں۔

کوہِ فاران پر جو شریعت نازل ہوئی اس کی صفات اور اس کے سلسلے
میں خدا کے فرمان کے ظہور کی کیفیت پادری رابنسن کے ترجمے کے مطابق
یوں ہے:

"وہ کوہِ فاران سے جلوہ گر ہوا اور دس ہزار
مقرب انسانوں کے ساتھ آیا اور ایک آتشیں
شریعت کے ساتھ ان کے پاس آیا۔ وہ قبائل
کو عزیز رکھتا ہے۔ اس کے پاک لوگ تیرے ہاتھ
میں ہیں اور اس کے قریبی تیرے قدموں میں
تیری تعلیمات حاصل کرتے ہیں۔"

جو نسخہ رومی نسخے سے چھاپا گیا ہے اس کی عبارت یوں ہے:

"وہ کوہ فاران سے آشکار اور اس کے ساتھ پاک
لوگوں میں سے ہزاروں افراد ہیں۔ اس کے داہنے
ہاتھ میں آتشیں سنت ہے۔ وہ گروہوں کو عزیز
رکھتا ہے۔ تمام پاکیزگیاں اور پاک لوگ اس
کے ہاتھ میں ہیں اور اسکے پاؤں کے نزدیک ہوتے
ہیں اور اسکی تعلیمات کی طرف رجوع کرتے ہیں۔"

چونکہ کوہِ فاران سے جلوہ گری خاتم الانبیاء حضرت محمد صلی اللہ
علیہ وآلہ وسلم کی شریعت قرآنی کے نزول سے مطابقت رکھتی ہیں جو اطراف
مکہ میں واقع کوہِ فاران کی غارِ حرا میں آنحضرتؐ پر نازل ہوئی اور پھر
یہ بھی آنحضرتؐ ہی تھے جو بعد ازاں دس ہزار افراد کے ساتھ مکہ
پہنچے اور مکہ فتح کیا اور وہی ہیں جن کے داہنے ہاتھ میں آتشیں شریعت
یا آتشیں سنت یعنی شریعتِ جنگ ہے اور وہی ہیں جو قبائل یا
گروہوں کو عزیز رکھتے ہیں۔ جیسا کہ قرآن مجید اس حقیقت کی خبر دیتے
ہوئے فرماتا ہے:

"(اے رسولؐ!) ہم نے آپ کو نہیں بھیجا بجز اس کے کہ
آپ دنیا جہان کے لوگوں کے لیے سرتاپا رحمت ہیں۔"
(سورۂ انبیاء۔ آیت ۱۰۷)

"(اے رسولؐ!) ہم نے آپ کو نہیں بھیجا بجز اس کے کہ
آپ لوگوں کے لیے خوشخبری دینے والے اور ڈرانے والے ہیں۔"
(سورۂ سبا۔ آیت ۲۸)

یہ جلوہ گری اور یہ تابندگی حضرت خاتم الانبیاءؐ کی بعثت پر صادق آتی
تھی اور کسی دوسرے پر صادق نہیں آتی تھی کیونکہ حضرت موسیٰؑ اپنے بھائی کے
ساتھ اور حضرت عیسیٰؑ چند حواریوں کے ساتھ آئے اور یہ جملہ ان میں سے کسی
پر بھی صادق نہیں آتا کہ ان کے ہاتھ میں آتشیں شریعت ہے اور نہ ہی حضرت
موسیٰؑ پر (جو بنی اسرائیل اور حضرت یعقوبؑ کی جماعت کے لیے ایک مخصوص
آئین لیکر آئے) نہ یہ جملہ منطبق ہوتا ہے کہ وہ گروہوں اور قبیلوں کو عزیز
رکھتے ہیں —— یہی وجوہات تھیں جن کی بنا پر تورات کے نسخوں میں تحریف

کی گئی جیسا کہ ہم ذیل میں دیکھتے ہیں:

	پہلا جملہ	دوسرا جملہ	تیسرا جملہ
رابنسن کے نسخے کا ترجمہ	وہ دس ہزار مقربین کے ساتھ وارد ہوا	اور اپنے ہاتھ میں انکے لیے آتشیں شریعت لایا	وہ قبائل کو عزیز رکھتا ہے۔
رومی نسخے کا ترجمہ	اور اسکے ساتھ ہزاروں مقدس لوگ ہیں	اس کے ہاتھ میں آتشیں سنت ہے	وہ گروہوں کو عزیز رکھتا ہے۔
بیروت میں طبع شدہ امریکی ایڈیشن کا ترجمہ	اور وہ قدس کی بلندیوں سے وارد ہوا	اور اس کے دائیں ہاتھ میں ان کے لیے ایک شریعت کی آگ ہے	پس وہ گروہ کو عزیز رکھتا ہے۔

فقرہ "الف" میں جملہ "اور دس ہزار مقربین کے ساتھ وارد ہوا" اس شکل میں تحریف ہوا: "اور اس کے ساتھ ہزاروں مقدس لوگ ہیں۔"
آخر کار یہ جملہ بالکل حذف کر دیا گیا اور اس کی جگہ یہ جملہ رکھا گیا: "اور وہ قدس کی بلندیوں سے وارد ہوا۔"
فقرہ "ب" میں "آتشیں شریعت" یا "آتشیں سنت" کو "شریعت کی آگ" سے بدل دیا گیا تاکہ "شریعت جنگ" سے تطبیق نہ کرے اور خاتم الانبیاءؐ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شریعت اس کا مصداق نہ بن جائے۔
فقرہ "ج" میں "قبائل" یا "گروہوں" کے لفظ کو جو صیغہ جمع میں

ہے "گروہ" سے بدل دیا گیا جو صیغہ واحد میں ہے تاکہ اس کا مصداق حضرت خاتم الانبیاءؐ کے علاوہ کوئی اور بن سکے۔
یہ تھے ان تحریفات کے نمونے جو سابقہ امتوں میں وقوع پذیر ہوئیں۔ تاہم جہاں تک قرآن مجید کا تعلق ہے اللہ تعالیٰ نے خبر دی ہے کہ کوئی اس کا ابطال کرنے والا نہیں آئے گا۔ چنانچہ ارشاد ہوا ہے:

"یہ ایک عالی رتبہ کتاب ہے۔ باطل آگے اور پیچھے سے اس میں داخل نہیں ہو سکتا۔ یہ حکمت والے اور تعریف کیے گئے پروردگار کی طرف سے بھیجی گئی ہے۔" (سورۂ حٰم سجدہ۔ آیت ۴۱-۴۲)

اور خدا نے خود خبر دی ہے کہ وہ اس کا نگہبان اور محافظ ہے۔ چنانچہ فرماتا ہے کہ:

"بے شک ہم نے قرآن کو نازل کیا ہے اور ہم ہی اسکے نگہبان بھی ہیں۔" (سورۂ حجر۔ آیت ۹)

ایک اور جگہ فرمایا ہے کہ پیغمبر تک یہ اختیار نہیں رکھتا کہ کوئی غلط بات خدا سے منسوب کرے۔ چنانچہ مندرجہ ذیل آیت میں فرمایا گیا ہے کہ:

"یہ سارے جہان کے پروردگار کا نازل کیا ہوا ہے۔ اگر رسولؐ ہماری نسبت کوئی جھوٹ بنالاتے تو ہم ان کا داہنا ہاتھ پکڑ لیتے پھر ہم ضرور ان کی گردن اڑا دیتے اور تم میں سے کوئی ہمیں ایسا کرنے سے نہ روک سکتا۔" (سورۂ حاقہ۔ آیات ۴۴-۴۷)

اور پھر اس مطلب کی جانب اشارہ کیا گیا ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ قرآن مجید کو اٹھالے تو رسول اکرمؐ کوئی کام انجام دینے کی قدرت نہیں رکھتے۔ چنانچہ ارشاد ہوا ہے:

"اگر ہم چاہیں کہ جو کچھ آپ پر وحی کیا گیا ہے اسے اٹھالیں

"تو پھر آپ کے پاس کوئی اور تکیہ گاہ نہ ہوگی۔" (سورۂ بنی اسرائیل۔ آیت ٨٦)

ایک اور مقام پر قرآن مجید جیسی کتاب لانے سے جنوں اور انسانوں کی عاجزی کا ذکر کرتے ہوئے کہا گیا ہے کہ:

"(اے رسولؐ!) کہہ دیجیے کہ اگر جن اور انسان اکٹھے ہو جائیں اور چاہیں کہ اس قرآن کی مثل پیش کریں تو وہ ایسا نہیں کر سکیں گے خواہ وہ ایک دوسرے کے مددگار ہی کیوں نہ ہوں۔"

(سورۂ بنی اسرائیل۔ آیت ٨٨)

خدا نے لوگوں کو قرآن مجید کی جانب دعوت دی ہے اور اسے ایک معجزہ قرار دیا ہے اور خبر دی ہے کہ اس کی مثال پیش کرنا ممکن نہیں۔ چنانچہ مندرجہ ذیل آیات میں ارشاد ہوا ہے کہ:

"اگر تم اس کلام کے بارے میں جو ہم نے اپنے بندے (حضرت محمدؐ) پر نازل کیا ہے شک میں ہو اور اپنے دعوے میں سچے ہو تو اس جیسا ایک سورہ بنا لاؤ اور جو تمہارے مددگار ہوں انہیں بھی بلا لاؤ۔ پس اگر تم یہ نہیں کر سکتے اور یقیناً تم ایسا نہیں کر سکو گے تو اس آگ سے ڈرو جس کا ایندھن آدمی اور پتھر ہوں گے اور جو کافروں کے لیے تیار کی گئی ہے۔"

(سورۂ بقرہ۔ آیات ٢٣-٢٤)

"کیا یہ لوگ کہتے ہیں کہ اس شخص (یعنی رسول اکرمؐ) نے اس (قرآن) کو اپنی طرف سے گھڑ لیا ہے تو آپ ان سے (صاف صاف) کہہ دیں کہ اگر تم اپنے دعوے میں سچے ہو تو اس جیسی دس سورتیں ہی بنا لاؤ اور خدا کے سوا جس جس کو بلا سکو مدد

کے لیے بلا لو۔ اس پر اگر وہ تمہاری نہ سنیں تو تم سمجھ لو کہ یہ (قرآن) صرف خدا کے علم سے نازل کیا گیا ہے۔" (سورۂ ہود۔ آیات ١٣-١٤)

"یہ قرآن ایسا نہیں ہے کہ خدا کے سوا کوئی اور اسے گھڑ لے اور اس کو خدا سے منسوب کر دے۔ جو کتابیں اس سے پہلے نازل ہوئی ہیں یہ ان کی تصدیق کرتا ہے اور یہ کتاب مفصل ہے یعنی حق کو باطل سے جدا کرتی ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ عالمین کے پروردگار کی طرف سے ہے۔ کیا لوگ یہ تہمت لگاتے ہیں کہ رسولؐ نے خود اسے لکھا ہے (اے رسولؐ!) کہہ دیجیے کہ اگر تم اپنے دعوے میں سچے ہو تو اس جیسا ایک ہی سورہ بنا لاؤ اور خدا کے سوا جسے بھی مدد کے لیے پکار سکو پکار لو۔" (سورۂ یونس۔ آیات ٣٧-٣٨)

یہ تھے وہ ارشادات جو خدا نے قرآن کے بارے میں فرمائے ہیں اور دقیق علمی کاوشیں اس مطلب کی مؤید اور اس کی صداقت پر گواہ ہیں۔[1]

تاہم مندرجہ ذیل روایات کی مانند کچھ ایسی روایات بھی ہیں جن سے بظاہر مذکورہ بالا آیات کے برعکس معنی نکلتے ہیں۔ اب ہم ان روایات کا مطالعہ کرتے ہیں:

(١) صحیح بخاری، سنن ابی داؤد، مسلم، ترمذی، ابن ماجہ اور موطا مالک میں خلیفہ دوم عمر بن خطاب سے یوں نقل کیا گیا ہے۔ (ہم نے عبارت صحیح بخاری سے لی ہے):

"خدا نے محمدؐ کو مبعوث کیا اور ان پر کتاب بھیجی۔ جو آیات خدا نے

---

[1] مزید معلومات کے لیے مقدمۂ تفسیر آلاء الرحمٰن اور مقدمۂ تفسیر البیان سے رجوع کریں۔

بھیجیں ان میں ایک آیۂ رجم تھی۔ ہم نے اسے پڑھا، سمجھا اور اپنے ذہن کے سپرد کر دیا۔ خود رسولِ خدا نے بھی اس قانون پر عمل کیا۔ آپ لوگوں کو سنگسار کیا کرتے تھے۔ میں وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اس بنا پر خوف کھاتا ہوں کہ کوئی یہ نہ کہے کہ: خدا کی قسم ہم نے یہ آیۂ رجم کتاب خدا میں نہیں دیکھی اور لوگ اس فریضے کو ترک کر کے جو خدا نے بتایا ہے، گمراہ نہ ہو جائیں۔ بلا شبہ جو شخص محصن[1] ہو اور زنا کرے اس کے بارے میں رجم کتاب خدا میں موجود ہے اور ہم اسے پڑھتے رہے ہیں۔"[2]

جس آیت کے بارے میں عمر نے دعویٰ کیا ہے کہ وہ آیات قرآنی کا جزو ہے، سنن ابن ماجہ میں اس کی عبارت یوں ہے:

اَلشَّیْخُ وَالشَّیْخَۃُ فَارْجُمُوْھُمَا اَلْبَتَّۃَ۔

اور یہ حدیث صحیح بخاری میں اور مسند احمد بن حنبل میں (ان الفاظ میں جو ہم صحیح بخاری سے نقل کر رہے ہیں) یوں ہے:

[1] محصن کا لفظ "حصن" سے لیا گیا ہے جس کے معنی حصار کے ہیں۔ محصن اس شخص کو کہتے ہیں جو شادی شدہ ہو اور ہمسر (بیوی یا شوہر) رکھنے کی وجہ سے عفت اور پاکدامنی کے حصار میں ہو اور قاعدے کے مطابق اس کا ناپاکی اور زناکاری میں ملوث ہونا صحیح نہ ہو۔ اس صورت میں اگر وہ زنا کرے تو اس کے عمل کو زنائے محصن کہا جاتا ہے۔

[2] اسی مضمون سے ملتی جلتی روایت مسند احمد بن حنبل (جلد ۵ صفحہ ۱۳۲) میں ابی بن کعب سے اور اسی کتاب کے صفحہ ۱۸۳ میں زید بن ثابت سے بھی مروی ہے۔

لَا تَرْغَبُوْا عَنْ اٰبَآئِکُمْ فَاِنَّہٗ کُفْرٌ بِکُمْ اَنْ تَرْغَبُوْا عَنْ اٰبَآئِکُمْ۔

"اپنے آباء سے دوری اختیار نہ کرو جو کہ تمہارے لیے بمرتبہ کفر محسوب ہوتی ہے کیونکہ آباء کی روش سے دوری کفر ہے۔"

(ب) صحیح مسلم، سنن ابی داؤد، نسائی، دارمی اور موطا مالک میں کہا گیا ہے کہ (عبارت صحیح مسلم کی ہے) ام المومنین عائشہ کہتی ہیں:

"وہ تمام آیات جو قرآن کا جزو شمار ہوتی تھیں ان میں یہ آیت بھی تھی: عَشْرُ رَضَعَاتٍ مَّعْلُوْمَاتٍ یعنی دس مرتبہ دودھ دینا معین ہے اور رسول خدا کی رحلت کے وقت یہ آیات تلاوت ہوتی تھیں۔

ابن ماجہ نے یہ روایت ان الفاظ میں نقل کی ہے:

"عائشہ کہتی ہیں: آیۂ رجم نازل ہوئی یہ آیت ایک کاغذ پر لکھی ہوئی میرے تخت کے نیچے رکھی تھی جب رسول خدا(ص) اس دنیا سے رخصت ہو گئے اور ہم آنحضرت(ص) کی رحلت کی وجہ سے افراتفری کے عالم میں تھے، کسی پالتو جانور نے اسے کھا لیا۔"

(ج) صحیح مسلم میں ہے کہ ابو موسیٰ اشعری نے بصرہ کے قاریوں سے خطاب کرتے ہوئے جن کی تعداد تین سو تھی یوں کہا:

ہم ایک سورہ پڑھا کرتے تھے جو طویل تھا اور اس کی عبارت اور مضامین سورہ برائت کی طرح سخت تھے۔ بعد میں ہم یہ سورہ بھول گئے البتہ اس کا یہ جملہ میرے ذہن میں باقی ہے:

لَوْ كَانَ لِابْنِ آدَمَ وَادِيَانِ مِنْ مَالٍ لَابْتَغَى وَادِيًا ثَالِثًا وَلَا يَمْلَأُ جَوْفَ ابْنِ آدَمَ إِلَّا التُّرَابُ۔

"اگر آدمی کے پاس مال سے بھرے ہوئے دو صحرا ہوں تو وہ تیسرے صحرا کے پیچھے رہتا ہے۔ آدمی کا پیٹ مٹی کے سوا کوئی چیز پُر نہیں کر سکتی۔"

اسی طرح ہم ایک اور سورہ بھی پڑھا کرتے تھے جو "مسبحات" میں سے ایک کے مشابہ تھا۔ ہم وہ سورہ بھی بھول گئے اور مجھے فقط اسکی یہ آیت یاد ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لِمَ تَقُولُونَ مَا لَا تَفْعَلُونَ فَتُكْتَبُ شَهَادَةً فِي أَعْنَاقِكُمْ فَتُسْأَلُونَ عَنْهَا يَوْمَ الْقِيَامَةِ۔

"اے ایمان والو! تم جو بات نہیں کرتے وہ کہتے کیوں ہو تاکہ بعد میں وہ تمہارے خلاف بطور شہادت لکھی جائے اور وہ ایسی گواہی ہوگی جو تمہاری گردنوں میں لٹکائی جائے گی اور قیامت کے دن اس کے بارے میں پُرسش ہوگی۔"

جعلی اور من گھڑت روایات کے یہ نمونے اگر کسی چیز پر دلیل ہو سکتے ہیں تو وہ یہ ہے کہ اس امت نے بھی سابقہ امتوں کی طرح آسمانی کتاب میں تحریف کرنا چاہی ہے اور اس بارے میں سابقہ امتوں کی پیروی کی ہے اور رسول اکرمؐ کے اس ارشاد کا مصداق ہے کہ:

"تم گزشتہ لوگوں کی روش اور سنت کی نقطہ بہ نقطہ اور قدم بہ قدم پیروی کرو گے حتیٰ کہ اگر وہ سوسمار کے بل میں داخل ہوں گے تو تم بھی اس میں داخل ہو گے۔"

اور یہ بات کہ انہیں ان تمام اقدامات میں ناکامی ہوئی اور انکے خیانت کارانہ

ہاتھ قرآن کریم کے مقدس دامن تک نہ پہنچ سکے خدا کے اس اعلان کے مصداق ہے کہ: لَا يَأْتِيهِ الْبَاطِلُ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهِ۔

"باطل اسکے آگے اور پیچھے سے اس میں داخل نہیں ہو سکتا۔"
(سورۂ حٰمٓ سجدہ۔ آیت ۴۲)

پروردگار نے اپنی گرانمایہ کتاب کو ایسی تمام خرافات اور بیہودہ باتوں سے بچایا ہے، جن سے ہر عرب کا ذوقِ سلیم نفرت کرتا ہے اور اس آیت کے مطابق ہے: إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ۔

"بے شک ہم نے قرآن کو نازل کیا ہے اور ہم ہی اس کے نگہبان ہیں۔" (سورۂ حجر۔ آیت ۹)

ہم دیکھتے ہیں کہ ان جیسی ہرزہ سرائیوں نے احادیث میں اپنی جگہ پیدا کرلی ہے۔ تاہم قرآن مجید ان سے محفوظ رہا ہے اور مسلمانوں نے اسے سینہ بسینہ منتقل کیا ہے اور عہدِ رسالت سے لے کر موجودہ دور تک یہ اسی حالت میں باقی ہے جس میں رسول اکرمؐ اسے لائے تھے اور لوگوں تک پہنچایا تھا۔[1]

یہ بھی مسلمانوں کے مابین امر اور قرآن کی واقعیت اور حقیقت۔ تاہم سنت اور حدیث تحریف سے محفوظ نہیں رہی اور اس کی کیفیت قرآن جیسی نہیں ہے۔ اسلام کے دشمنوں کو جو مسلمانوں کے گروہوں میں گھسے ہوئے تھے اور گو بظاہر

---

[1] بعض کتابوں میں اس قسم کی روایات کی موجودگی ہمارے اس ارادے کو تقویت پہنچاتی ہے جو ہم نے اپنی اختیار کردہ راہ کے بارے میں کر رکھا ہے۔ یعنی یہ کہ ہم ان چیزوں کے بارے میں بحث کریں جن کے بارے میں تحریف کا گمان ہو اور حق کو باطل سے اور حقیقت کو لغویات سے جدا کریں۔

مسلمان تھے لیکن درحقیقت یہودی، عیسائی، زندیق، ملحد اور بے دین تھے۔ اس بات کا موقع مل گیا کہ رسول اکرمؐ کی احادیث اور سیرت میں اور آپ کے صحابہ کی روش اور تاریخ اسلام میں تحریف کر دیں اور شاید یہ کہا جا سکے کہ ہم نے سابقہ پیغمبروں میں سے کسی کو نہیں دیکھا جس کے ایک سو پچاس جعلی ساتھیوں کا ذکر آیا ہو۔

چونکہ بنیادی طور پر یہ کتاب اس بارے میں لکھی گئی ہے اس لیے ہم انشاء اللہ اسلامی مصادر اور تحقیق سے ان کی نشاندہی کریں گے۔

ان تمام باتوں کے باوجود ہم دیکھتے ہیں کہ اسلامی معاشرے کی اکثریت کو گزشتہ لوگوں سے جو کچھ ملا ہے وہ اس کی صحت کے بارے میں متفق ہے اور ان کتابوں کو ہر قسم کے عیب اور نقص سے پاک سمجھتے ہیں اور جب کبھی ان مباحث میں سلسلۂ گفتگو مندرجہ ذیل کتابوں میں سے کسی ایک سے مربوط ہو جائے تو انہیں تسلی ہو جاتی ہے اور وہ پورے اطمینان سے بیٹھ جاتے ہیں۔ پس اگر وہ تاریخ صحابہ کے بارے میں تاریخ طبری تک، حدیثِ رسولؐ کے بارے میں صحاح ستہ تک اور سیرتِ رسول کے بارے میں سیرتِ ہشام تک پہنچ جائیں تو پھر وہ صحیح کو غلط سے ممیز کرنے کے لیے مزید کاوش اور تحقیق نہیں کرتے بلکہ جو مواد ان علماء نے جمع کیا ہے اور جن پیمانوں سے اسے جانچا اور سمجھا ہے اس کی اس طرح پیروی کرتے ہیں جیسے ایک اندھا اس شخص کے پیچھے چلتا ہے جس نے اس کی لاٹھی تھام رکھی ہو۔

عبداللہ بن سبا کی سرگزشت کی تحقیق کے دوران ہمیں اخبارِ طبری میں جو اہل سنت کے معتبر ترین تاریخی مصادر میں سے ہے کئی ایک تحریفات سے سابقہ پڑا اور ہم نے دیکھا کہ جو روایات اس نے صحابہ کے بارے میں نقل کی ہیں ان میں

کسی قدر تحریف موجود ہے ـــــ ایسی تحریف جس نے حقائق کو الٹ پلٹ کر رکھ دیا ہے اور ان کا چہرہ مسخ کر دیا ہے۔

جب ایک محقق ان کی قابل اعتماد کتاب سیرت ابن ہشام کو اور حدیث کی چند اور معتبر کتابوں کو بنظرِ غائر دیکھتا ہے تو کئی ایک خطرناک تحریفات اس کی نظر سے گزرتی ہیں۔

جو کچھ ہم نے اوپر کہا ہے اس کی روشنی میں حدیث، سیرت اور تاریخ کی کتابوں کے سلسلے میں ہمارا کام تین چیزوں تک محدود ہو جاتا ہے اور کسی چوتھی شق کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا:

(ا) تمام احادیث کو ایک طرف رکھ دیں اور اسلام کے بارے میں جو کچھ سمجھنا ہو اس کے لیے قرآن پر اکتفا کریں۔ جیسا کہ ہم بحث کی ابتدا میں دیکھ چکے ہیں ایسا کرنا ممکن نہیں اور اس کا نتیجہ یہ ہو گا کہ ہمیں اسلام سے دستبردار ہونا پڑے گا اور ایسا کرنا قرآن سے رجوع نہ کرنے کے برابر ہو گا۔

(ب) موردِ اطمینان کتابوں اور ان کی روایات کو صحیح سمجھیں اور جو کچھ ان میں لکھا دیکھیں اسے قبول کر لیں اور جو بحث و تحقیق احادیث اور روایات کے بارے میں ممکن ہو اس سے کنارہ کشی اختیار کریں اور جعلی روایات اور ایسی ہی دوسری چیزوں کے بارے میں جو حدیث، سیرت اور تاریخ کی کتابوں میں درج ہیں کوئی جانچ پڑتال اور مطالعہ کیے بغیر انہیں بطور کلی قابل قبول قرار دیں۔

(ج) حدیث، سیرت اور تاریخ کی تمام کتابوں کے سامنے سرِ تسلیم خم نہ کر دیں اور ہر ایک کو یکے بعد دیگرے بحث اور تنقید کا مورد قرار دیں اور اس کے متن اور سند کی تحقیق کریں۔ ہر کتاب کی روایت کو دوسری کتاب میں موجود اس

سے ملتی جلتی روایت کے پہلو بہ پہلو رکھیں اور ان پر گہری تحقیقی نظر ڈالیں
اور اس علمی چھان بین کے بعد جو نتیجہ برآمد ہو اسے قبول کریں چونکہ
(قرآن مجید کے علاوہ) اسلامی تحقیقی مدارک تک ہماری رسائی انہی
تین حالتوں تک محدود ہے اور پہلی دو حالتوں کا نتیجہ اسلام سے رجوع
نہ کرنے کے مترادف ہے، لہٰذا ہم اسلام سے رجوع کرنے، اسے سمجھنے اور
اس پر عمل کرنے کی حاجت رکھتے ہیں تو تیسرے راستے کو اپنانا ضروری ہے۔

اس صورت میں جبکہ ہم "اسلام" چاہتے ہیں اور ان مباحث کو زیر غور لائے بغیر
کوئی چارہ بھی نہیں، یہ عین مناسب ہے کہ تحقیق کی ابتدا صحابہ کی سیرت سے کریں
اور اسے دوسرے مباحث پر مقدم رکھیں۔ یہ وہی کام ہے جو موجودہ تحقیق اور
تفتیش کا مقصد ہے کیونکہ صحابہ رسول اکرمؐ کی احادیث اور سیرت ہم تک
پہنچنے کا ذریعہ ہیں۔

ہم دیکھ چکے ہیں کہ بعض روایات، سیرت اور احادیث نے ایسے مصنوعی
صحابہ کے چہروں پر سے پردہ اٹھا دیا ہے جنہیں خدا نے پیدا ہی نہیں کیا اور
یہ بھی ضروری ہے کہ تحقیقات کے سلسلے میں زیادہ اہم کتابوں کو اہم کتابوں
پر اور اہم کتابوں کو دوسری کتابوں پر ترجیح دی جائے۔ جہاں تک ممکن ہو
اس کتاب کو جو زیادہ مشہور و معروف ہو اس کتاب سے مقدم رکھیں جو شہرت
کے اس پائے تک نہ پہنچتی ہو۔

ہمارے تحقیقی مباحث کے اس سلسلے کا پورے انکسار کے ساتھ یہ مقصد
ہے کہ اس راستے پر چلا جائے۔ اگر خداوند کریم ہمیں درست کام کرنے کی توفیق عطا
فرمائے تو ہم اس کے سپاس گزار اور ممنون الطاف ہیں اور اگر یہ توفیق ہمیں نصیب
نہ ہو تو یہ اسلامی علماؑ اور محققین کا کام ہے کہ اللہ کے نام سے اور اسکی راہ میں اور

رسول اللہؐ کی سنت کی مخلصی اور صحیح باتوں کو غلط باتوں سے پاک کرنے کے لیے
اس راہ پر قدم بڑھائیں۔

خلاصہ اور بحث کا خاتمہ

تمام تر اسلام قرآن اور سنت دونوں میں ہے اور یہ ضروری ہے کہ اس
دین متین تک رسائی حاصل کرنے کے لیے ان دونوں سے رجوع کیا جائے۔ اس
شخص کے سوا جو اپنی خواہشاتِ نفسانی کے مطابق چلنا چاہتا ہو اور قرآن کی تاویل
اپنی مرضی سے کرنا چاہے کوئی بھی قرآن اور سنت میں جدائی نہیں ڈالتا۔ اللہ تعالیٰ اور
اسکے رسولؐ نے اسلام پر دسترس حاصل کرنے کے لیے ان دونوں سے رجوع
کرنے کا حکم دیا ہے۔ جب ہم سنت کی جانب رجوع کرتے ہیں تو پتا چلتا ہے کہ
اسکے بدن پر مختلف قسم کی تحریف کے لباس پہنا دیے گئے ہیں اور اس معاملے میں
اس امت نے سابقہ امتوں کی مثال اپنائی ہے اور انکی پیروی کی ہے اور ایسے ہی
ہے جیسے کہ خود قرآن میں دوسری امتوں کی تحریف کی خبر دی ہے اور اسکے رسولؐ
نے بھی بتایا ہے کہ یہ امت ہر لحاظ سے گزشتہ امتوں کی پیروی کریگی۔

تحریف کے اس دور میں ہزاروں جعلی اور من گھڑت روایات، سیرت، عقائد
اور تفسیر قرآن کی کتابوں میں در آئیں حتیٰ کہ صحیح اسلام ان خرافات کے پردوں کے
نیچے یوں چھپ گیا ہے کہ اس کا حقیقی چہرہ بھی دیکھنے میں نہیں آتا اور یہی امر اس
زمانے میں مسلمانوں میں انتشار کا باعث بنا ہے اور اس نے مسلمان قوموں کو پراگندہ
گروہوں اور دھڑوں میں تقسیم کر دیا ہے۔

لہٰذا اگر ہمیں اسلام کو پہچاننے کی فکر دامنگیر ہے تو ہمیں اس تحقیق کی ضرورت
ہے اور اگر ہم مسلمانوں کی حالت کی طرف متوجہ ہوتے ہوئے اسلامی معاشرے کے
اتحاد کو اہمیت دیتے ہیں اور اسلامی احکام پر عمل پیرا ہونا چاہتے ہیں اور انکا اختلاف

اور انتشار دُور کرنے کی فکر میں ہیں تو ہم لازمی طور پر ان مباحث کی ضرورت کا احساس کریں گے اور اس قسم کی تشخیص وتحقیق کے بغیر اس اسلام کو سمجھنا اور اس پر عمل کرنا جو رسول اکرمؐ لائے تھے ہمارے لیے ممکن نہیں اور اس کے بغیر اسلامی معاشرے کا اتحاد بھی محال ہے۔

اس صورت میں جبکہ ایسی حالت ہے ہمیں چاہیے کہ اس بحث اور تحقیق کو جاری رکھیں تاکہ صحیح اور غلط کے درمیان تمیز کر سکیں اور ضروری ہے کہ عقلاء کا ایک گروہ بھی اپنے آپ کو اس کام میں مصروف رکھے اور ہر مسلمان پر واجب ہے کہ اپنے آپ کو اس تکلیف کا عادی بنائے اور اللہ کی راہ میں اسکی خوشنودی کی خاطر اپنے دانشمندوں کے فرمودات سے استفادہ کرے۔

تاہم اس خدا کی قسم جس نے زمین اور آسمان پیدا کیے اور پیغمبروں کو بھیجا یہ کہنا کہ "بات نہ کہہ" "اس کا نام نہ لے" "بحث نہ کر" علم و دانش کے خلاف بدترین قول ہے اور اسلام کے لیے سب سے زیادہ نقصان دہ بات ہے اور یہ خواہ کسی منہ سے بھی نکلے یقینی طور پر شیطان کا کلام اور وسوسہ ہے اور میں اس کے مقابلے میں بجز اس کے کچھ نہیں کہتا کہ:

اَللّٰھُمَّ اھْدِ قَوْمِیْ اِنَّھُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ۔

لوگ جو چاہیں سو کہیں اسکی کوئی اہمیت نہیں۔ خداوند کریم خود گواہ ہے کہ میں مباحث اور تحقیق کا یہ سلسلہ اسلام اور اس سے آگاہی کی خاطر پیش کر رہا ہوں اور چاہتا ہوں کہ رسول خداؐ کے صحابہ اور رفقاء کے حقیقی چہرے پہچانے جائیں۔

صاحبانِ عقل کو دعوتِ فکر

فکر اسلامی کی تاریخ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اکرمؐ کی رحلت کے بعد مکتب خلفاء اور مکتب اہلبیتؑ کے درمیان واضح اختلاف پیدا ہو گیا تھا جو ان دونوں مکاتب کے پیروؤں کے مابین اب بھی موجود ہے۔

دونوں مکاتب کے درمیان اتفاق اور اختلاف کے نکات

دونوں مکاتب فکر قرآن مجید کے حجت ہونے پر متفق ہیں اور کتاب خدا کے بتائے ہوئے حلال وحرام کو مانتے ہیں۔ تاہم تاویل قرآن اور اس کی متشابہ آیات کے مفہوم میں باہم اختلاف کرتے ہیں۔ اس کے علاوہ مقام صحابہ، منصب امامت، روایت حدیث اور کیفیت اجتہاد کے بارے میں بھی ان کا اختلاف ہے۔ آئندہ چار ابواب میں ہم ان اختلافات کی وضاحت کریں گے۔

باب اول ــ مقام صحابہ

(الف) مکتب خلفاء کے پیروؤں کا کہنا ہے کہ ہر وہ شخص صحابی ہے جس نے بہ حالت

اسلام رسول اکرمؐ سے ملاقات کی اور بحیثیت مسلمان مرا ہو۔ خواہ آنحضرتؐ سے اس کی ملاقات کتنی ہی مختصر رہی ہو' وہ حضورؐ کی صحبت میں نہ رہا ہو یا کسی مجبوری مثلاً نابینا ہونے کی وجہ سے وہ آپ کو نہ دیکھ سکا ہو۔ حتیٰ کہ اس نے آپ سے کوئی حدیث بھی نقل نہ کی ہو اور کسی جنگ میں آپ کے ہمرکاب بھی نہ رہا ہو پھر بھی اس کے صحابی ہونے میں کوئی فرق نہیں آتا۔ نیز وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ ۱۰ھ ہجری کے اواخر تک مکہ اور طائف میں نیز مدینہ کے اوس اور خزرج میں سے کوئی بھی شخص غیر مسلم نہیں تھا کیونکہ ان میں سے ہر فرد نے آنحضرتؐ کی رحلت سے پہلے اسلام قبول کر لیا تھا۔ اس ضمن میں وہ ان اشخاص کو بھی صحابہ میں شمار کرتے ہیں جن کو فتنۂ ارتداد کے خلاف قتال کرنے اور دیگر فتوحات میں کسی فوجی دستے کا سالار مقرر کیا گیا تھا مکتب خلفاء کے پیرو تمام صحابہ کو عادل کہتے ہیں اور دینی مسائل کے بارے میں ان سب سے رجوع کرنا ضروری سمجھتے ہیں۔ ان کے خیال میں صحابہ کے عادل ہونے کی دلیل یہ ہے کہ انہوں نے رسول اکرمؐ کی زیارت کی' ان کی صحبت میں رہے اور اسلام انہی کے ذریعے سے آئندہ نسلوں تک پہنچا ہے۔ اپنے اس خیال کی تائید میں وہ بعض قرآنی آیات کا حوالہ بھی دیتے ہیں' جن کا تعلق درحقیقت سب مومنین سے ہے چاہے وہ صحابہ ہوں یا نہ ہوں۔ تاہم وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ جو شخص کسی صحابی کی تنقیص کرے وہ بے دین ہے۔

مکتب اہلبیتؑ کا موقف

مکتب اہلبیتؑ کے پیروؤں کا کہنا ہے کہ صحابی سرے سے کوئی دینی اصطلاح ہے ہی نہیں' بلکہ یہ لفظ عام معنوں میں استعمال کیا گیا ہے۔ جبکہ عرف عام میں بھی کسی شخص کو دوسرے کا صحابی نہیں کہا جا سکتا۔ جب تک وہ ایک معقول مدت تک اس کے ساتھ نہ رہا ہو۔ تاہم مکتب خلفاء کے علماء کی اس بے احتیاطی کے باعث بعض ایسے فرضی

اشخاص کو بھی صحابہ میں شامل کر لیا گیا جو اس دنیا میں کبھی موجود ہی نہ تھے۔ چنانچہ ہم نے بربنائے تحقیق (ایک سو پچاس فرضی صحابہ) کی نشاندہی کی ہے۔

تمام صحابہ کے عادل ہونے کے بارے میں ائمہ اطہارؑ کے پیروؤں کا کہنا ہے کہ صحابہ کی صفوں میں جہاں صالح مومنین شامل تھے' وہاں ایسے منافقین بھی موجود تھے جن کو اللہ ہی بہتر جانتا ہے۔ قرآنی آیات اور احادیث میں صحابہ کی جو تعریف کی گئی ہے اس کا تعلق فقط صحابہ مومنین سے ہے۔ مثلاً ایک آیت میں اللہ تعالیٰ ان لوگوں کی تعریف کرتا ہے جنہوں نے "درخت" کے نیچے رسول اکرمؐ سے بیعت کی اور یہ واقعہ "بیعت رضوان" کہلاتا ہے:

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

> جب مومنین درخت کے نیچے آپ سے بیعت کر رہے تھے تو خدا یقیناً ان سے خوش ہوا۔ وہ جانتا تھا کہ ان کے دلوں میں کیا ہے۔ اس نے اس کے بدلے میں ان پر تسکین نازل فرمائی اور جلد ہی فتح عنایت کی۔ (سورۂ فتح۔ آیت ۱۸)

اس آیت میں واضح طور پر ارشاد ہوا ہے کہ اللہ تعالیٰ عبداللہ بن ابی جیسے منافقوں سے نہیں بلکہ **مومنین** سے خوش ہوا۔ حالانکہ خاص اس موقع پر اس کا رویہ قدرے بہتر تھا۔ چنانچہ قریش نے اسے پیغام بھیجا کہ اگر وہ چاہے تو خانۂ کعبہ کا طواف کر سکتا ہے۔ تب اس کے بیٹے نے اسے کہا: خدا کے لیے آپ ہمیں ہر موقع پر رسوا نہ کیا کیجیے۔ کیا آپ خانہ کعبہ کا طواف کریں گے؟ جبکہ رسول اکرمؐ نے نہیں کیا ہے۔ اس پر عبداللہ بن ابی نے قریش کی یہ پیشکش ٹھکرا دی اور کہا کہ جب تک رسول اللہؐ خانہ کعبہ کا طواف نہیں کریں گے میں بھی نہیں کروں گا۔ جب آنحضرتؐ کو یہ خبر ملی تو آپ مسرور ہوئے۔[1]

[1] واقدی، کتاب المغازی صفحہ ۶۰۵ - امتاع الاسماع صفحہ ۲۹۱

اس موقع پر جد بن قیس ہی وہ واحد شخص تھا جس نے بیعت نہیں کی۔[1] پس ہم دیکھتے ہیں کہ جن لوگوں نے اس موقع پر بیعت کی' ان میں عبداللہ بن ابی بھی شامل تھا لیکن اللہ تعالیٰ اس سے خوش نہیں تھا کیونکہ وہ بے ایمان تھا اور اسی حالت میں اس کی موت واقع ہوئی۔

علاوہ ازیں صحابہ میں وہ لوگ بھی شامل تھے جنہوں نے رسول اکرمؐ کی ایک زوجہ پر تہمت لگائی اور وہ بھی تھے جنہوں نے آنحضرتؐ کو عقبۂ ہرشی میں شہید کردینے کا منصوبہ بنایا تھا۔ چونکہ صحابہ میں وہ منافقین بھی شامل تھے جن کو خدا ہی جانتا ہے۔ تاہم رسول اکرمؐ نے مومن اور منافق میں تمیز کرنے کے لیے ایک نشانی بتادی ہے جیسا کہ آپ نے فرمایا:

> مومن کے سوا کوئی علیؑ سے محبت نہیں کرے گا اور منافق کے سوا کوئی اس سے بغض نہیں رکھے گا۔[2]

پس یہی وجہ ہے کہ مکتب اہلبیتؑ کے پیرو خاص احتیاط کی بنا پر دینی مسائل کے لیے ان صحابہ سے رجوع نہیں کرتے جو امام علیؑ سے عداوت رکھتے تھے۔ مثلاً معاویہ' عمرو بن العاص نیز وہ جو خوارج میں شامل تھے۔

باب دوم ــــ منصب امامت

مکتب خلفاء کے پیروؤں کا کہنا ہے کہ امام کا تعین ان دو طریقوں سے ہوتا ہے:

(۱) چند معتبر اشخاص امام کا تعین کریں۔ تاہم ان کی اکثریت یہ نظریہ رکھتی ہے کہ

[1] واقدی' کتاب المغازی صفحہ ۵۹۱ - امتاع الاسماع صفحہ ۲۹۱

[2] صحیح ترمذی: جلد ۱۳ صفحہ ۱۷۷

اگر کسی شخص کے ہاتھ پر پانچ افراد بیعت کرلیں تو وہ امام بن جاتا ہے۔ جیسے خلیفہ ابوبکر کے لیے ہوا۔

ان میں بعض کا کہنا ہے کہ اگر دو گواہوں کے روبرو ایک فرد بھی کسی شخص کے ہاتھ پر بیعت کرے تو یہ اس کے امام قرار پانے کے لیے کافی ہے' جیسے گواہوں کے سامنے عقد نکاح ہوسکتا ہے۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اس مقصد کے لیے صرف ایک شخص کی بیعت بھی کافی ہے۔ جیسے عباسؓ بن عبدالمطلب نے امام علیؑ سے کہا تھا:

> اپنا ہاتھ بڑھایئے تاکہ میں بیعت کرلوں' پھر دوسرے لوگ خود بخود آپ کی بیعت کرلیں گے۔

ایک اور رائے کے مطابق قہر و غلبہ سے بھی امامت حاصل کی جاسکتی ہے۔

(ب) ایک امام کی طرف سے نامزدگی

اس ضمن میں وہ یہ کہتے ہیں کہ اس طریقے کی صحت پر اجماع ہوچکا ہے۔ کیونکہ ابوبکر نے عمر کو نامزد کیا اور مسلمانوں نے اس نامزدگی کی تائید کردی۔ اس طرح عمر نے خود اپنے جانشین کے تقرر کے لیے ایک مجلس شوریٰ تشکیل دی اور اس مجلس کے فیصلے پر عملدرآمد کیا گیا۔

وہ رسول اکرمؐ سے ایک روایت بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا:

> ”میرے بعد ایسے امام ہوں گے جو میری سیرت اور میری سنت پر عمل نہیں کریں گے۔ ان میں بعض ایسے ہوں گے جن کے جسموں میں شیطان کا دل ہوگا۔“

کہا جاتا ہے کہ جو لوگ ایسے حاکموں کے زمانے میں موجود ہوں' رسول اکرمؐ نے ان کو یہ ہدایت فرمائی:

"خواہ وہ حاکم تمہاری پیٹھ پر کوڑے برسائے اور تمہارا مال چھین لے پھر بھی تم اس کی اطاعت کرتے رہنا۔"

مکتب اہلبیتؑ کی رائے

مکتب اہلبیتؑ کا کہنا ہے:

(ا) امامت ایک ایسا منصب ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے تفویض ہوتا ہے اور یہ عہدہ ایک معصوم شخصیت کے علاوہ کسی اور کے سپرد نہیں کیا جاتا جس شخص کو اللہ تعالیٰ یہ عہدہ عطا فرمائے پیغمبر خدا کے حکم سے اس کا اعلان فرما دیتے ہیں۔ جیسے اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو مخاطب کر کے فرمایا:

"یقیناً میں تمہیں لوگوں کا امام بنانے والا ہوں۔ (ابراہیمؑ نے) کہا: اور میری اولاد میں سے؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: (ہاں مگر) میرے اس عہد کو ظالم لوگ نہیں پائیں گے۔ (سورۂ بقرہ - آیت ۱۲۴)

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ امامت ایک منصب الٰہیہ ہے اور ظالم لوگ ہرگز اس کے اہل نہیں ہیں۔

(ب) رسول اکرمؐ نے غدیر خم کے مقام پر بحکم خدا اعلان فرمایا کہ علی مرتضیٰؑ امام کی حیثیت سے آپ کے جانشین ہوں گے۔ اس کے علاوہ حدیث منزلت میں بھی تصریح فرمائی۔ حتیٰ کہ حدیث ثقلین میں آنحضرتؐ نے اپنے جانشینوں کی تعداد کا بھی واضح طور پر اعلان کر دیا اور فرمایا کہ امام بارہ ہوں گے۔[1]

۱؎ صحیح بخاری جلد ۴ صفحہ ۱۶۵ کتاب الاحکام صحیح مسلم جلد ۶ صفحہ ۳ ۔ ۴ صحیح ترمذی جلد ۹ صفحہ ۶۶ ۔ سنن ابوداؤد جلد ۲ صفحہ ۲۱۰ وغیرہ۔

(ج) آیت تطہیر ان بارہ اماموں کو معصوم قرار دیتی ہے اور رسول اکرمؐ کی حدیث اور آپ کے عمل سے اس امر کی وضاحت ہوتی ہے کہ اس آیت کے مصداق صرف اور صرف آپ کے اہلبیتؑ ہی ہیں۔

باب سوم ــــ کیفیت اجتہاد

۱ــــ **اجتہاد کی تعریف:** مکتب خلفاء کے پیرو اجتہاد کی تعریف یوں کرتے ہیں:

یہ قرآن، سنت، اجماع اور قیاس کی بنیادوں پر شرعی قانون کے استنباط کی انتہائی کوشش ہے۔ قیاس سے مراد یہ ہے کہ کوئی خاص معاملہ جو کسی حاکم کے سامنے آئے، قیاسی طریق عمل سے اس کی تطبیق قرآن و سنت سے کی جائے۔ اس کا مفہوم قرآن و سنت سے ہٹ کر اپنی ذاتی رائے قائم کرنا نہیں ہے۔

۲ــــ **مجتہدین:** مکتب خلفاء کے عام تصور کے مطابق مندرجہ ذیل اشخاص مجتہدین میں شامل ہیں:

۱۔ رسول اکرمؐ ــــ ۲۔ خالد بن ولید ــــ ۳۔ خلیفہ ابوبکر
۴۔ خلیفہ عمر ــــ ۵۔ خلیفہ عثمان ــــ ۶۔ بی بی عائشہ
۷۔ امیر معاویہ ــــ ۸۔ عبدالرحمٰن بن ملجم ــــ ۹۔ دیگر مجتہدین

مذکورہ مجتہدین کے اجتہادات

(ا) **رسول اکرمؐ:** مکتب خلفاء کے پیروؤں کا کہنا ہے کہ آنحضرتؐ نے جنگی مہموں پر لشکر بھیجنے کے بارے میں اجتہاد کیا۔ اس قول کا مفاد یہ ہے کہ خلیفہ ابوبکر اور خلیفہ عمر کی جیشِ اسامہ میں عدم شرکت کا جواز پیدا کیا جائے۔ حالانکہ رسول اکرمؐ

نے ان دونوں کو اس مہم میں شریک ہونے کا واضح حکم دیا تھا۔ ۱؎

(۲) **خالد بن ولید**: وہ کہتے ہیں کہ خالد بن ولید نے اپنے اجتہاد کی بنا پر رسول اکرمؐ کے ایک عامل زکات مالک ابن نویرہ کو قتل کیا، جبکہ وہ اپنے مسلمان ہونے کا اعلان کر رہا تھا۔ پھر اسی رات اس کی بیوہ سے نکاح بھی کر لیا۔ ۲؎

(۳) **خلیفہ ابوبکر**: ان کا کہنا ہے کہ خلیفہ ابوبکر نے خالد بن ولید کو مالک بن نویرہ کے قتل کی سزا نہ دینے اور اسے معاف کرنے میں اجتہاد کیا۔ علاوہ ازیں انہوں نے اپنے اجتہاد کی بنا پر فجاءِ سلمی کو زندہ جلا دیا تھا۔ وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ بے اولاد عورت اور دادی کی وراثت کے مسئلے بھی اجتہاد کے دائرے میں آتے ہیں۔ لہٰذا اگر ابوبکر کو ان کا صحیح علم نہیں تھا تو کوئی حرج نہیں ہے۔ ۳؎

(۴) **خلیفہ عمر ابن خطاب**: ایسے بہت سے مسائل ہیں جن میں خلیفہ عمر نے اجتہاد سے کام لیا۔ مثلاً دادا کی وراثت کے بارے میں ان کے سامنے ستر مقدمے پیش ہوئے جن میں انہوں نے متضاد فیصلے دیے۔ اسی طرح انہوں نے بیت المال کی تقسیم میں طبقاتی نظام رائج کیا۔ چنانچہ انہوں نے بعض افراد کا حصہ دو سو درہم اور بعض کا پانچ سو درہم مقرر کیا۔ پھر اس طریقے سے درجہ بدرجہ بارہ ہزار درہم تک وظیفے معین کر دیے۔ ۴؎

ایک اور معاملہ جس میں ان دونوں خلفاء یعنی ابوبکر اور عمر نے اجتہاد سے کام

۱؎ شرح نہج البلاغہ جلد ۴ صفحہ ۱۷۸

۲؎ ابن کثیر جلد ۶ صفحہ ۳۲۲

۳؎ الذریعہ جلد ۳ صفحہ ۳۵۱

۴؎ شرح نہج البلاغہ جلد ۲ صفحہ ۱۵۳۔ شرح تجرید صفحہ ۴۰۸

لیا، وہ اہلبیتؑ اور بالخصوص دختر رسولؐ بی بی فاطمہ زہراؑ کو ان کے حق خمس سے محروم کر دینے کا اقدام تھا۔ چنانچہ انہوں نے اجتہاد کیا اور بی بی فاطمہ زہراؑ کو نہ صرف حق خمس سے بلکہ وراثت پدری سے بھی محروم کر دیا۔ حتیٰ کہ رسول اکرمؐ کی دی ہوئی املاک بھی ان سے واپس لے لی۔

ان کے اس اجتہاد کا اثر اب بھی باقی ہے، جس سے خمس، غنیمت یا مغنم اور زکوٰۃ کی اصطلاحات کے مفاہیم میں تبدیلی آ گئی اور ان کے متعلق اسلامی احکام میں ابہام پیدا ہو گیا ہے۔ اس لیے ہم چاہتے ہیں کہ اس مسئلے پر قدرے تفصیل سے بات کریں۔

خمس اور ترکۂ رسولؐ کے بارے میں خلفاء کا اجتہاد

اس سے پیشتر کی گئی بحث کی بنا پر ہم جانتے ہیں:

۱۔ اسلامی قانون کی اصطلاح میں لفظ "**صدقہ**" کا اطلاق سونے چاندی کے سکہ رائج الوقت، اناج اور مویشیوں پر واجب الادا مالیت پر ہوتا ہے۔ اسی طرح اس کا اطلاق اس واجب الادا مالیت پر بھی ہوتا ہے، جو صدقہ فطر کے نام سے عید الفطر کے دن ادا کی جاتی ہے۔ یہ لفظ اپنے عام معنوں میں ہر اس عطیہ کے لیے استعمال ہوتا ہے جو حصول ثواب کی خاطر دیا جائے۔

ب۔ زکوٰۃ ایک عام اصطلاح ہے، جو بندوں کے مال میں اللہ کے حق کے مفہوم میں استعمال ہوتی ہے۔ لہٰذا اس میں خمس اور واجب صدقات بھی شامل ہیں، جن کا ذکر ہم کریں گے۔ مثلاً خمس کے بارے میں زکوٰۃ کے اس مفہوم کی تصدیق، رسول اکرمؐ کے ایک خط سے بھی ہوتی ہے جس میں خمس صدقہ اور فیء کا ذکر زکوٰۃ کی مختلف اقسام کے طور پر کیا گیا ہے

یہ نکتہ بھی قابل غور ہے کہ لفظ زکوٰۃ مکی سوروں میں استعمال کیا گیا ہے۔ جبکہ صدقے کا نفاذ رسول اکرمؐ کی زندگی کے آخری دور میں ہوا۔

ج۔ **فئ** کی اصطلاح کفار کے اس مال کے لیے استعمال ہوتی ہے جو جنگ کے بغیر مسلمانوں کے ہاتھ آجائے۔

د۔ **غنیمت اور مغنم**: ہم دیکھتے ہیں کہ جاہلی دور میں اور اسلامی دور میں بھی عربوں نے غنم، مغنم اور اغتنام کو ان معنوں میں استعمال کیا ہے کہ انسان کو ایک ایسی چیز حاصل ہو جائے جس کے لیے اس نے کوئی مشقت نہ اٹھائی ہو اور ایسی چیز کو مغنم کہتے ہیں۔ لفظ سلب' ان اشیاء کے لیے استعمال ہوتا تھا جو جنگ میں کسی کے ہاتھ لگتی تھیں۔ اس کا اطلاق بالخصوص دشمن کے اسلحہ، ملبوسات اور سواری کے جانوروں پر ہوتا تھا۔ لیکن لفظ حرب دشمن کی ہر چیز پر قبضہ کر لینے کے معنوں میں استعمال ہوتا تھا۔ تاہم پہلے نہب اور نہبی کے الفاظ غنیمت کے معنوں میں مستعمل تھے جبکہ آجکل یہ مغنم کے معنوں میں مستعمل ہیں۔ مادہ غنم پہلی مرتبہ قرآن مجید میں مطلقاً مال حاصل کرنے کے معنوں میں آیا۔ لیکن اس میں اس امر کی جانب کوئی اشارہ نہ تھا کہ وہ مال بغیر کسی مشقت کے حاصل کیا گیا ہو۔ یہ لفظ اس مال کے لیے بھی استعمال ہوا جو جنگ بدر میں مسلمانوں کے ہاتھ آیا تھا لیکن خدائے تعالیٰ نے اس کو مسلمانوں کا مال نہیں کہا بلکہ اسے **انفال** کا نام دے کر اللہ اور اس کے رسولؐ کی ملکیت قرار دیا۔ جب ایسا مال مسلمانوں کو عطا کیا جاتا تھا تو وہ مغانم کہلاتا تھا۔ پھر آیت خمس میں تمام مغانم کا خمس (پانچواں حصہ) ادا کرنا ضروری قرار دیا گیا اور اس کا اطلاق ایک موقع تک محدود نہیں تھا۔ اس کے بعد جنگ میں ہاتھ آئے ہوئے مال کو "مغنم" کہا جانے لگا

اور مادہ "غنم" کو اس کے لغوی معنی کے ساتھ ساتھ ایک اسلامی اصطلاح کے طور پر خاص معنی بھی حاصل ہو گئے۔ امیر معاویہ کے زمانے تک یہ لفظ اپنے لغوی اور اصطلاحی دونوں معنوں میں استعمال ہوتا رہا۔ چنانچہ اس کے سیاق و سباق سے پتہ چل جاتا تھا کہ یہ کس مفہوم میں استعمال ہوا ہے۔ اس کے بعد مسلمان اسے زیادہ تر اصطلاحی معنوں یعنی جنگ میں ہاتھ آنے والے مال کے لیے استعمال کرنے لگے۔

بعد میں جب اہل لغت نے اس لفظ کے استعمال کا مطالعہ کیا تو انہوں نے اس کے تینوں معنی تحریر کر دیے۔ لیکن انہوں نے وقت کے امتیاز اور سیاق و سباق کے سوال کو نظر انداز کر دیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ اسکے صحیح صحیح اور قطعی معنی بیان نہ کر سکے۔

جیسا کہ ہم کہہ چکے ہیں کہ مادہ "غنم" کے بارے میں توجہ طلب نکتہ یہ ہے کہ آیا یہ آیتِ خمس کے نزول سے پہلے بھی زیر استعمال تھا؟ اگر اس کا جواب اثبات میں ہو تو ہم بہ آسانی اس نتیجہ پر پہنچ سکتے ہیں کہ اس کا استعمال لغوی معنوں میں ہوتا تھا۔ یعنی کسی مشقت کے بغیر کوئی چیز حاصل ہونا۔ گویا ان معنوں کا اطلاق جنگ میں حاصل کیے ہوئے مال پر نہیں ہوتا تھا۔ ہاں اگر یہ معلوم ہو کہ اسلامی معاشرے میں اس لفظ کا استعمال آیتِ خمس کے نزول کے بعد شروع ہوا تب بھی ہم کہہ سکتے ہیں کہ امیر معاویہ کے زمانے تک اسکا استعمال لغوی معنوں میں ہوتا تھا بجز اسکے کہ سیاق و سباق سے یہ معلوم ہو کہ یہ ایک اسلامی اصطلاح کے طور پر استعمال ہوا ہے۔ تاہم آگے چل کر تدوین لغت سے قبل ہی اسے عام طور پر جنگی غنائم کے معنوں میں استعمال کیا جانے لگا۔

۵۔ **خمس**: خمس کے معنی ہیں پانچواں حصہ جیسے خمس القوم سے مراد ہے لوگوں کے مال کا پانچواں حصہ لینا۔ جیسے جاہلی دور میں کہا جاتا تھا کہ سردار نے قوم کے مال کا چوتھا حصہ لیا ہے۔ لیکن جہاں تک اس کے اسلامی معنوں کا

تعلق ہے تو اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتا ہے:

اگر تم اللہ پر اور اس (نصرت) پر ایمان رکھتے ہو' جو ہم نے اپنے (خاص) بندے (محمدؐ) پر (جنگ بدر میں) فیصلہ کے دن نازل کی تھی' تو جان لو کہ جو نفع تم کسی چیز سے حاصل کرو' اس میں سے پانچواں حصہ خدا' رسولؐ اور (ان کے) قرابتداروں' یتیموں' مسکینوں اور پردیسیوں کا ہے۔

(سورۂ انفال۔ آیت ۴۱)

اس آیت کا مفہوم یہ ہے کہ جو کچھ تم حاصل کرو خواہ اس کا ماخذ کچھ ہی ہو اس کا پانچواں حصہ اللہ اور اس کے رسولؐ کے قرابتداروں کا مال ہے۔ لہٰذا تمہیں چاہیے کہ یہ انہیں ادا کردو۔ جو مال تم نے جنگ بدر میں پایا وہ بھی اللہ اور اسکے رسول کی ملکیت ہے۔ مگر اس لیے کہ وہ اللہ نے تمہیں بطور غنیمت عطا کردیا ہے۔ تم پر واجب ہے کہ اسکا بھی پانچواں حصہ (خمس) ادا کرو۔ ایک عرب اس آیت سے یہی سمجھ سکتا ہے بشرطیکہ اس نے پہلے سے کوئی رائے قائم نہ کر رکھی ہو لیکن اس بنا پر کہ اس آیت کے بارے میں اختلاف رائے پایا جاتا ہے ہم مندرجہ ذیل دو نکات پر بحث کرتے ہیں۔

ا۔ خمس کس پر واجب ہے؟

مکتب خلفاء کے پیروؤں کا کہنا ہے یہ آیت جنگ بدر کے موقع پر نازل ہوئی تھی۔ اس لیے اس کا مفہوم اس کے علاوہ اور کچھ نہیں کہ کسی شخص کو جنگ میں دشمن کا جو مال ملے اس پر اس مال کا (پانچواں حصہ) ادا کرنا واجب ہے۔

اس کے برعکس مکتب اہلبیتؑ کے پیرو کہتے ہیں کہ گو یہ بات درست ہے کہ یہ آیت ایک خاص موقع پر یعنی جنگ بدر کے دنوں میں نازل ہوئی۔ تاہم یہ حکم فقط اس کے ساتھ مخصوص نہیں ہے اور کسی حکم کی بلا دلیل کے تخصیص کرنا باطل ہے۔ علاوہ ازیں وہ یہ کہتے ہیں کہ جو حکم مذکورہ آیت میں دیا گیا ہے' وہ خاص اس موقع تک محدود نہیں ہے۔ حتیٰ کہ

جو لوگ ہر قسم کے منافع پر خمس واجب نہیں سمجھتے وہ بھی یہ نہیں کہتے کہ اس حکم کا اطلاق فقط جنگِ بدر کے مالِ غنیمت پر ہوتا ہے۔

پس جب کوئی بھی یہ دعویٰ نہیں کرتا کہ یہ حکم فقط اس موقع کے لیے خاص ہے تو پھر یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ اس کا اطلاق ایک خاص موقع کے لیے محدود نہیں ہونا چاہیے۔ اگر کوئی بھی یہ نہیں کہتا کہ خمس کی ادائیگی صرف جنگ بدر کے مالِ غنیمت پر ہی واجب تھی تو پھر اس آیت کا اطلاق لازماً دوسرے اموال پر بھی ہوتا رہے گا۔

اس کے علاوہ یہ سوال بھی پیدا ہوتا ہے کہ اگر خمس جنگ میں ہاتھ آئے ہوئے مال ہی پر واجب ہے تو رسولؐ نے اسے معدنیات پر کیونکر عائد کیا اور مسلمانوں کو خطوط لکھ کر انہیں خمس بھیجنے کے لیے کیوں کہا؟ یہ خطوط ہم خمس کی بحث میں نقل کریں گے۔

ب۔ خمس کسے دیا جائے؟

آیت قرآنی کے مطابق خمس اللہ' اس کے رسولؐ اور آپ کے قرابتداروں (ذی القربیٰ) کا حق ہے۔ لفظ ذی القربیٰ کا ذکر رسولؐ کے بعد آیا ہے۔ لہٰذا اس سے لازماً رسولؐ کے قرابتدار مراد ہیں۔ یہ ایسے ہی ہے جیسے کہ کسی کے نام کے ساتھ ابن فلاں کہا جائے۔ تب اس کا باپ یا ماں مراد ہوتی ہے۔ اسی طرح ذی القربیٰ کے بعد جن یتیموں' مسکینوں اور مسافروں کا ذکر کیا گیا ہے' اس سے مراد وہ یتیم' مسکین اور مسافر ہیں جو آنحضرتؐ کے قرابت دار ہوں۔

خمس اور سنتِ رسولؐ

خمس کن چیزوں پر واجب ہے: رسول اکرمؐ نے جنگ میں ہاتھ آئے ہوئے مال' محفوظ دولت (گنج)' اور معدنیات کے علاوہ بھی مسلمانوں سے فرمایا کہ وہ

اپنے مغانم میں سے خمس ادا کیا کریں۔ جیسے آپ نے قبیلۂ عبدالقیس کے ایک وفد سے کہا جو آپ کی خدمت میں حاضر ہوا تھا۔ اس وفد نے عرض کیا: ہم آپ کی خدمت میں صرف حرام مہینوں میں ہی حاضر ہو سکتے ہیں کیونکہ ہمارا راستہ مشرک قبیلے "مضر" کے علاقے میں ہو کر نکلتا ہے۔ لہٰذا آپ براہِ کرم ہمیں بتائیں کہ وہ کونسا عمل ہے جو ہم خود بھی کریں اور دوسروں کو بھی اس کے کرنے کو کہیں، تاکہ ہم جنت میں داخل ہو سکیں۔

آنحضرتؐ نے جواب دیا: تم لوگوں کو چاہیے کہ اللہ پر ایمان رکھو نصیحت کرو اور۔۔۔ مغنم پر خمس ادا کرو۔[۱]

اسی طرح اہلِ یمن کے اسلام لانے کے بعد آپ نے جن افراد کو والی بنا کر یمن بھیجا اور جو منشور انہیں لکھ کر دیے ان میں فرمایا: "والی کو چاہیے کہ مومنین پر واجب صدقات اور مغانم میں سے خمس وصول کرے۔"

آپ نے قبیلہ سعد کے لیے لکھا: "انہیں چاہیے کہ ہمارے نمائندے کو خمس ادا کریں۔"[۲]

آپ نے مالک الجذامی اور اس کے ساتھیوں کو لکھا: مغنم میں سے خمس کے علاوہ محتاجوں کا حصہ، نیز فلاں فلاں واجبات بھی ادا کیا کرو۔[۳]

آپ نے رؤسائے حمیر کو لکھا: مغانم میں سے زکات اور خمس ادا کرو جو اللہ کا

---

[۱] صحیح بخاری جلد ۱ صفحہ ۱۳-۱۹ جلد ۳ صفحہ ۵۳ - جلد ۴ صفحہ ۵۰۔ صحیح مسلم جلد ۱ صفحہ ۳۵-۳۶۔ سنن نسائی جلد ۲ صفحہ ۳۳۳۔ مسند احمد جلد ۳ صفحہ ۳۱۸ جلد ۵ صفحہ ۱۳۶۔

[۲] طبقات ابن سعد جلد ۱ صفحہ ۲۷۰۔

[۳] اسد الغابہ جلد ۴ صفحہ ۲۷۱۔ الاصابہ جلد ۳ شمارہ ۷۵۹۳۔ لسان المیزان جلد ۳ صفحہ ۲۰

حق ہے۔ اس کے علاوہ رسولؐ کے عام اور خاص حصے، نیز اللہ کے مقرر کیے ہوئے دیگر صدقات بھی ادا کیا کرو۔[۱]

آپ نے قبیلۂ جہنیہ کو لکھا: تم ان وادیوں کے میدانوں اور پہاڑوں پر قابض رہ سکتے ہو اور ان کی چراگاہیں اور پانی استعمال کر سکتے ہو، بشرطیکہ تم خمس ادا کرو۔ اس خط میں آپ نے صدقے کی کچھ اور اقسام کا ذکر بھی کیا جن کی ادائیگی لازم تھی۔[۲]

ایسے ہی خطوط آپ نے فجیع۔ جنادہ ازدی، بنی معاویہ، بنی تعلبہ بن عامر، بنی زہیر عکلی، جہنیہ اور بعض دوسرے قبیلوں کو بھی لکھے اور انہیں مغانم میں سے خمس ادا کرنے کی ہدایت فرمائی۔[۳]

ہدایاتِ رسولؐ کی دلالت

جب رسولِ اکرمؐ نے قبیلۂ عبدالقیس کو ہدایات دیتے ہوئے انہیں خمس ادا کرنے کو کہا تو اس سے آپ کی مراد یہ نہیں تھی کہ وہ مشرکین سے لڑیں، ان کا مال لوٹیں اور پھر اس کا خمس ادا کریں۔

جب آپ نے عمرو بن حزم اور یمن میں متعین دوسرے عاملین کو لکھا کہ وہ وہاں کے قبیلوں سے خمس اور صدقات وصول کریں تو آپ نے انہیں یہ ہدایت نہیں کی کہ ان قبیلوں نے جنگ میں دشمن کا جو مال لوٹا ہو، ان سے اسی کا خمس وصول کریں۔

---

[۱] فتوح البلدان جلد ۱ صفحہ ۸۵۔ سیرت ابن ہشام جلد ۴ صفحہ ۳۵۸، ۳۵۹۔ مستدرک حاکم جلد ۱ صفحہ ۳۹۵۔ تاریخ ابن عساکر جلد ۶ صفحہ ۲۷۳، ۲۷۴۔ کنز العمال جلد ۶ صفحہ ۱۶۵

[۲] جمع الجوامع سیوطی۔ مجموعۂ وثائق سیاسیہ صفحہ ۱۴۴

[۳] طبقات ابن سعد جلد ۱ صفحہ ۳۰۴، ۳۰۵۔ اسد الغابہ جلد [illegible]

اسی طرح جب آپ نے قبیلہ سعد کو لکھا کہ وہ آپ کے نمائندے کو خمس اور صدقات ادا کریں تو آپ نے انہیں یہ نہیں کہا کہ وہ صرف جنگ میں لوٹے ہوئے دشمن کے مال میں سے خمس دیں، بلکہ وہ حصہ دینے کو کہا جو ان کے اپنے اموال پر واجب تھا۔ جب آپ نے قبیلۂ جہنیہ کو لکھا کہ اگر وہ خمس اور صدقات ادا کریں تو انہیں اپنی چراگاہیں اور آبی وسائل کو استعمال کرنے کی عام آزادی ہو گی تو آپ نے یہ شرط عائد نہیں کی کہ وہ جنگ میں دشمن کا مال لوٹ لائیں اور پھر اسکا خمس ہمیں دیں۔ بلکہ آپ نے اس بیافت پر خمس ادا کرنے کو کہا جو انہیں اپنی زمینوں پہ حاصل ہوتی تھی۔

دیگر خطوط جو آنحضرت نے اپنے عاملین اور مختلف قبیلوں کو لکھے ان کی بھی یہی کیفیت ہے۔ ان تمام خطوط اور فرامین میں خمس اور صدقہ کا ذکر اللہ کے مقررکردہ واجبات کی دو قسموں کے طور پر کیا گیا ہے۔

ہمارے دعوے کو اس امر سے مزید تقویت ملتی ہے کہ اسلام میں جنگ کے ضوابط قبل از اسلام میں عربوں کے طور طریقوں سے قطعاً مختلف ہیں۔ جاہلی دور میں ہر قبیلے کو یہ حق حاصل تھا کہ جو قبیلہ اس کا حلیف نہ ہو وہ اس پر حملہ کر کے اسے تاراج کرے۔ اس طرح جو کچھ کسی کے ہاتھ لگتا تھا وہ اس کا مالک سمجھا جاتا تھا۔ اسے فقط اس مال کا چوتھا حصہ قبیلے کے سردار کو دینا پڑتا تھا۔ لیکن اسلام میں یہ دستور نہیں ہے۔ کیونکہ رسولؐ سے یہ توقع نہیں کی جا سکتی کہ وہ قبائل کو لوٹ مار پر اکسائیں اور پھر جو مال ان کے ہاتھ آئے اس کے پانچویں حصے کا مطالبہ کریں (بجائے اس چوتھے حصے کے جو پہلے وہ اپنے سرداروں کو دیتے تھے)۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ اسلامی قانون کے مطابق جنگ کرنے کا فیصلہ حاکمِ اعلیٰ کو کرنا ہوتا ہے اور پھر مسلمان اس کے حکم پر عمل کرتے ہیں۔ نیز فتح کے بعد دشمن کا جو مال ہاتھ لگے اسے حاکم یا اس کے نائب کی تحویل میں دیدیا جاتا ہے۔ کوئی مجاہد دشمن کے کسی مقتول سپاہی کے اسلحہ،

سواری کے جانور اور اس کی دیگر چیزوں کے علاوہ کوئی اور چیز اپنے پاس نہیں رکھ سکتا، خواہ وہ ایک تاگا یا سوئی ہی کیوں نہ ہو۔ اگر وہ ایسا کرے تو غبن کا مجرم ٹھہرتا ہے۔ جو اس کے خاندان کے لیے ننگ و عار کا باعث ہوتا ہے۔ چنانچہ حاکم لوٹے ہوئے مال کا خمس یعنی پانچواں حصہ اپنے پاس رکھ لیتا ہے اور باقی ماندہ اس جنگ میں شرکت کرنے والے سپاہیوں میں تقسیم کر دیتا ہے۔ پس یہ حاکم ہی ہے جو اعلان جنگ کرتا ہے۔ وہی جنگ میں حاصل ہونے والے مال پر قبضہ کرتا ہے اور وہی اس میں سے خمس وصول کرتا ہے۔ کوئی دوسرا اسے خمس ادا نہیں کرتا۔

چونکہ اسلام کا دستور یہی ہے اور رسول اکرمؐ اپنے زمانے میں جنگ سے حاصل ہونے والے مال کا خمس خود ہی علیحدہ کر لیتے تھے۔ اس لیے قبائل کو اس کی ادائیگی کے لیے کہنے اور انہیں پے در پے خطوط کے ذریعے یاد دہانی کرانے کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ لہٰذا ظاہر ہے کہ جس چیز کی ادائیگی کے لیے آپ انہیں ہدایت فرماتے تھے وہ صدقات کی طرح ان کے اموال پر واجب خمس ہی تھا۔ اس وقت غنیمت اور مغنم سے مراد فقط منافع تھا (مگر بعد میں) ان الفاظ کے مفہوم میں اس وقت تبدیلی آئی جب فتوحات کا دائرہ وسیع ہوا اور خلفاء نے اصل حقداروں کو خمس دینا بند کر دیا۔ حتیٰ کہ رفتہ رفتہ عام لوگ بھی اسلامی حکم کو بھول گئے۔

سنت کے مطابق خمس کے حقدار

دستور یہ تھا کہ جنگ میں دشمن کا جو مال ہاتھ آتا وہ رسول اکرمؐ کی خدمت میں پیش کیا جاتا تھا۔ آپ اسے پانچ حصوں میں تقسیم کر دیتے تھے۔ ان میں سے چار حصے آپ ان سپاہیوں میں تقسیم کر دیتے جو اس جنگ میں شریک ہوتے تھے۔ پانچواں حصہ یعنی خمس آپ خود رکھ لیتے اور اسے چھ حصوں میں تقسیم فرما دیتے تھے۔ ان میں سے دو

حصے اللہ اور اس کے رسولؐ کے تھے؛ باقی چار حصوں میں سے قرابتداروں، یتیموں، مسکینوں اور مسافروں کو ایک ایک حصہ ملتا تھا۔

آنحضرتؐ خمس میں سے بنی مطلب اور بنی ہاشم کو بھی دیتے تھے، لیکن ان کے چچیرے بھائیوں یعنی نوفل اور عبد شمس کی اولاد کو نہیں دیتے تھے۔

بنی ہاشم کے لیے صدقہ حرام تھا اور جب بھی کوئی چیز کھانے پینے کی آتی تھی تو رسول اکرمؐ اس کے بارے میں دریافت فرمالیتے تھے۔ اگر صدقے کا مال ہوتا تو اسے استعمال میں نہ لاتے۔

ایک دفعہ جب کہ آپ کہیں تشریف لے جارہے تھے۔ راستے میں آپ کو ایک کھجور نظر آئی۔ آپ نے فرمایا: "اگر یہ صدقہ نہ ہوتا تو ہم اسے کھالیتے۔"

ایک دفعہ حسنؑ ابن علیؑ نے صدقے کی کھجوروں میں سے ایک کھجور اٹھائی۔ آنحضرتؐ نے فرمایا: اسے پھینک دو! کیا تمہیں معلوم نہیں کہ صدقہ ہم پر حرام ہے۔ [۱]

آنحضرتؐ بنی ہاشم اور ان کے آزاد کردہ غلاموں کو صدقات کی وصولی پر ہرگز مامور نہیں فرماتے تھے۔ کیونکہ آپ نہیں چاہتے تھے کہ اس مال میں سے وہ کوئی معاوضہ حاصل کریں۔ چنانچہ ایک موقع پر جب رسول اکرمؐ کے چچا عباس اور آپ کے چچازاد بھائی ربیعہ بن حارث نے آپ سے درخواست کی کہ صدقات کی وصولی کا کام ان کے بیٹوں فضل اور عبدالمطلب کے سپرد کردیں تاکہ وہ کچھ رقم کمالیں اور ان کی شادیوں کا انتظام ہوسکے۔

آنحضرتؐ نے ان کی یہ بات ماننے سے انکار کردیا اور فرمایا: "صدقہ محمدؐ کے خاندان کے لیے جائز نہیں کیونکہ یہ ایک میل ہوتا ہے۔" پھر آپ نے اپنے ناظم خمس محمیہ زبیدی

[۱] صحیح بخاری جلد ۱ صفحہ ۱۸۱۔ صحیح مسلم جلد ۳ صفحہ ۱۱۷۔ سنن ابی داؤد جلد ۱ صفحہ ۲۱۲

سے فرمایا کہ وہ مال خمس میں سے ان دونوں کی شادیوں کے اخراجات کے لیے رقم مہیا کردے۔ [۱]

اسی طرح آپ نے اپنے آزاد کردہ غلام ابورافع کو اس امر کی اجازت نہیں دی کہ وہ صدقہ وصول کرنے والے ایک عامل کے ہمراہ اس کے معاون کے طور پر جائے اور صدقے کی آمدنی میں سے اپنا حصہ وصول کرے۔ آپ نے فرمایا: ایک خاندان کا خادم اس خاندان ہی کا فرد ہوتا ہے اور ہمارے لیے صدقہ لینا جائز نہیں ہے۔ [۲]

اس سے یہ بھی پتا چلتا ہے کہ بعض لوگوں کا یہ کہنا غلط ہے کہ رسول اکرمؐ نے حضرت علیؑ کو صدقات کی وصولی کے لیے یمن بھیجا تھا اور حقیقت وہی ہے جو ابن قیم نے بیان کی کہ وہ کہتے ہیں: رسول اکرمؐ نے امام علیؑ بن ابوطالب کو یمن کا قاضی مقرر کیا اور خمس وصول کرنے کی ذمہ داری بھی سونپی۔ [۳]

یمن میں قیام کے دوران امام علیؑ نے کچھ سونا چمڑے کے ایک تھیلے میں بند کرکے آنحضرتؐ کی خدمت میں بھیج دیا اور خمس کا بقیہ مال حجۃ الوداع کے موقع پر مکہ لے آئے اور رسول اکرمؐ کی خدمت میں پیش کردیا۔ [۴]

قرآن و سنت کے مطابق خمس کے اصول و قوانین وہی ہیں جو اوپر بیان کیے گئے ہیں۔

ترکۂ رسولؐ کی کیفیت

۱۔ بنونضیر کے علاقے میں سات قطعات اراضی رسول اکرمؐ کی ملکیت میں تھے، جو مخیریق نے وصیت کرکے آپ کی تحویل میں دیدیے تھے۔ اس کے علاوہ انصار نے

[۱] صحیح مسلم جلد ۳ صفحہ ۱۱۸۔ مسند احمد حنبل جلد ۴ صفحہ ۱۶۶۔ سنن نسائی جلد ۱ صفحہ ۳۶۵۔

[۲-۳] زاد المعاد فی ہدی خیر العباد [۴] زاد المعاد جلد ۱ صفحہ ۔۔۔ سنن ابی داؤد جلد ۲ صفحہ ۱۳۶

اپنی ساری بے آب زمین آپ کے نام ہبہ کردی تھی۔ ۱؎

ب۔ مزید برآں مدینہ میں بنی قریظہ کی جائیداد مہزور اور بنی نضیر کی متروکہ اراضی، خیبر میں وطیح وسلالم کے علاقے، نیز پورا فدک اور وادی القریٰ کا ایک تہائی حصہ مال فئی کے طور پر آپ کی ذاتی ملکیت میں تھا۔

ج۔ خیبر میں کتیبہ کا پانچواں حصہ بھی حضور اکرمؐ کی ملکیت میں تھا۔

مدینہ میں مخیریق سے ملے ہوئے مذکورہ بالا سات احاطوں میں سے چھ یعنی اعواف، برقہ، مثیب، دلال، حسنیٰ اور ام ابراہیم کا پنگھٹ آنحضرتؐ نے نادار لوگوں کی بہبود کے لیے وقف کردیے تھے۔ باقی رہا ساتواں اور وہ بازار مہزور تھا ـــ اسے آپ نے سب مسلمانوں کے لیے چھوڑ دیا تھا۔

بنو نضیر کی جو زمینیں ۴ھ ہجری میں بطور فئی آپ کے قبضے میں آئیں وہ آپ نے ابوبکرؓ، عبدالرحمٰن بن عوف اور ابودجانہ وغیرہ کو دیدیں۔ آپ کی جو زمین کتیبہ خیبر میں تھی اس کا کچھ حصہ آپ نے اپنی ازواج کو دیدیا۔ وادی القریٰ کی زمین کا کچھ حصہ آپ نے حمزہ بن نعمان عذری کو عنایت کردیا۔ ۲؎

اپنے قرابت داروں کو ان کا حق دیدو۔ (سورۂ بنی اسرائیل۔ آیت ۲۶)

جب یہ آیت نازل ہوئی تو آپ نے فدک اپنی دختر گرامی قدر بی بی فاطمہ زہراؑ کو عنایت فرمادیا۔ ۳؎

۱؎ احکام السلطانیہ ماوردی صفحہ ۱۶۸، ۱۷۱۔ احکام السلطانیہ ابی یعلیٰ ۱۸۱، ۱۸۵

۲؎ فتوح البلدان جلد ۱ صفحہ ۴۰

۳؎ تفسیر شواہد التنزیل جلد ۱ صفحہ ۳۳۸ تا ۳۴۱۔ تفسیر در منثور جلد ۴ صفحہ ۱۷۷۔ میزان الاعتدال جلد ۲ صفحہ ۲۲۸۔ کنز العمال جلد ۲ صفحہ ۱۵۸۔ منتخب جلد ۲ صفحہ ۱۵۸۔ مجمع الزوائد جلد ۷ صفحہ ۴۹۔ تفسیر کشاف جلد ۲ صفحہ ۴۴۶۔ تاریخ ابن کثیر جلد ۳ صفحہ ۳۶

ترکۂ پیغمبرؐ اور خمس میں خلفاء کا اجتہاد

خلیفہ ابوبکر بن ابی قحافہ کا دور

جب رسول اکرمؐ نے رحلت فرمائی تو عمر بن خطاب نے ابوبکر بن ابی قحافہ کی موجودگی میں امام علیؑ سے کہا: جو کچھ آنحضرتؐ چھوڑ گئے ہیں، اس کے بارے میں آپ کیا کہتے ہیں؟

امام علیؑ نے جواب دیا: آنحضرتؐ جو کچھ چھوڑ گئے ہیں، ہم اس کے حقدار ہیں۔

عمر بن خطاب نے کہا: کیا آپ اس ساری جائیداد کے حقدار ہیں جو خیبر اور فدک میں واقع ہے؟

امام علیؑ نے اس کا جواب اثبات میں دیا تو عمر بن خطاب نے کہا: خدا کی قسم! ایسا نہیں ہوسکتا۔ آپ لوگ یہ جائیداد ہماری لاشوں پر سے گزر کر ہی حاصل کرسکتے ہیں۔ ۱؎

چنانچہ فدک سمیت جو کچھ بھی آنحضرتؐ اہلبیتؑ کے لیے چھوڑ گئے تھے، ابوبکر و عمر نے اس

۱؎ مجمع الزوائد جلد ۹ باب ۳۹

پر قبضہ کر لیا۔ [1]

تاہم جو کچھ آپ نے دوسرے مسلمانوں کو عنایت کیا تھا' اسے انہوں نے ہاتھ تک نہیں لگایا۔ اس پر بی بی فاطمہ زہراؑ نے ان سے تین امور پر احتجاج فرمایا:

۱۔ پہلا معاملہ فدک کا تھا جو آنحضرتؐ نے بی بی فاطمہ زہراؑ کو عنایت کیا تھا۔ اس کے لیے انہیں گواہ پیش کرنے کو کہا گیا۔ انہوں نے ایک مرد اور ایک عورت کو بطور گواہ پیش کیا۔ لیکن یہ گواہی اس بنا پر رد کر دی گئی کہ گواہ یا تو دو مرد ہونے چاہئیں یا ایک مرد اور دو عورتیں۔ تاہم رسول اکرمؐ نے جن دوسرے لوگوں کو زمینیں دی تھیں' ان سے کوئی تعرض نہیں کیا گیا اور نہ انہیں کوئی گواہ پیش کرنے کو کہا گیا۔

ب۔ دوسرا معاملہ یہ تھا کہ آپ آنحضرتؐ کی وارث ہیں۔

اس بارے میں بھی بی بی فاطمہ زہراؑ نے رسول اکرمؐ کی رحلت کے دس دن بعد ابوبکر سے گفتگو کی۔ انہوں نے فدک اور خیبر کے علاوہ اس جائیداد پر بھی اپنا حق جتلایا جو آنحضرتؐ مدینہ میں چھوڑ گئے تھے۔ انہوں نے کہا: "میں اسی طرح آنحضرتؐ کی وارث ہوں جیسے تمہاری بیٹیاں تمہاری وارث ہوں گی۔"

ایک روایت کے مطابق انہوں نے ابوبکر سے کہا: "جب تم فوت ہو گے تو تمہارا وارث کون ہو گا؟"

ابوبکر نے جواب دیا: "میرے بچے اور میری بیوی!"

بی بی فاطمہ زہراؑ نے کہا: "پھر یہ کیونکر ہوا کہ ہماری بجائے آپ رسول اللہؐ کے وارث بن بیٹھے ہیں؟"

[1] کتاب الخراج صفحہ ۲۳' ۲۵۔ سنن نسائی جلد ۷ صفحہ ۷۹۔ کتاب الاموال ابی عبید صفحہ ۲ ۳۳ سنن بیہقی جلد ۶ صفحہ ۳۴۲' ۳۴۳۔ احکام القرآن جصاص جلد ۳ صفحہ ۶۲۔ تفسیر طبری جلد ۱ صفحہ ۶

ابوبکر نے کہا: "اے رسول اللہؐ کی بیٹی! ایسا نہیں ہے۔ میں آپ کے والد بزرگوار کا وارث نہیں بنا۔"

بی بی فاطمہ زہراؑ نے فرمایا: "لیکن خیبر میں ہمارے حصے اور ہماری دوسری غیر متنازعہ زمینوں پر تم لوگ قبضہ کیے بیٹھے ہو۔" [1]

ابوبکر نے جواب دیا: "میں نے آنحضرتؐ کو یہ فرماتے سنا ہے کہ ہم گروہ انبیاء کا کوئی وارث نہیں ہوتا۔ ہم جو کچھ چھوڑتے ہیں وہ صدقہ ہوتا ہے۔"

اس موقع پر امام علیؑ نے قرآن مجید کی اس آیت کی تلاوت کی:

"اور سلیمانؑ تو داؤدؑ کا وارث ہوا۔" (سورۂ نمل۔ آیت ۱۶)

آپ نے کچھ اور آیات بھی پڑھیں اور پھر کہا: "یہ ہے جو اللہ کی کتاب میں ہے۔"

اس پر ابوبکر نے خاموشی اختیار کر لی۔ پھر امام علیؑ اور بی بی فاطمہ زہراؑ وہاں سے چلے گئے۔

ج۔ تیسرا معاملہ جس پر گفتگو ہوئی وہ قرابتداروں کے حصے کے متعلق تھا۔

جب اہلبیت رسولؐ کو "قرابتداروں کے حصے" سے محروم کر دیا گیا تو دختر رسولؐ نے اس فیصلے پر احتجاج کیا اور ابوبکر سے کہا: "تم جانتے ہو کہ رسول اکرمؐ نے جو جائیداد ہمیں دی اور قرآن نے غنیمت میں ہمارا جو حصہ مقرر کیا ہے' اس کے بارے میں تم نے ہم سے ناانصافی کی ہے۔" [2] پھر آپ نے قرآن مجید کی اس آیت کی تلاوت کی:

اور جان لو کہ تمہیں جنگی غنائم کی شکل میں جو کچھ حاصل ہو' اس کا پانچواں حصہ یقیناً اللہ' اس کے رسولؐ اور اس کے قرابتداروں کا ہے۔

(سورۂ انفال۔ آیت ۴۱)

[1] صحیح بخاری' جلد ۲ صفحہ ۳۰۰۔ سنن ابی داؤد جلد ۲ صفحہ ۴۹۔ سنن نسائی جلد ۲ صفحہ ۷۹

[2] شرح نہج البلاغہ۔ ابن ابی الحدید جلد ۴ صفحہ ۸۱

پھر بی بی فاطمہ زہراؑ نے فرمایا: اللہ نے ہمارا جو حصہ مقرر کیا ہے، تم نے ہمیں اس سے محروم کر دیا ہے۔

ابوبکر نے جواب دیا: یہ بات میرے علم میں نہیں ہے کہ آپ خمس کے اس سارے حصہ کی حقدار ہیں۔

بی بی فاطمہ زہراؑ نے فرمایا: "تو پھر کیا یہ تمہارا اور تمہارے رشتہ داروں کا حق ہے؟"

ابوبکر نے جواب دیا: "میں یہ تو نہیں کہتا، ہاں جو کچھ بچے گا، میں اسے مسلمانوں کی فلاح و بہبود پر خرچ کروں گا۔"

بی بی فاطمہ زہراؑ نے فرمایا: "مگر اللہ کا حکم یوں نہیں ہے۔"

ایک اور روایت کے مطابق ابوبکر نے کہا:

میں نے رسول اللہؐ کو یہ فرماتے سنا ہے کہ اللہ اپنے پیغمبر کو روزی کا وسیلہ مہیا کرتا ہے اور جب وہ فوت ہو جائے تو روزی کا یہ وسیلہ واپس لے لیا جاتا ہے۔ آنحضرتؐ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ میرے قرابتداروں کا حق بس میری زندگی میں ہے اور میرے بعد یہ باقی نہیں رہے گا۔

اس پر بی بی فاطمہ زہراؑ کو غصہ آگیا اور انہوں نے فرمایا: "میں تم کو بھی اور جو کچھ تم نے رسول اللہؐ سے سنا ہے، اسے بھی اچھی طرح جانتی ہوں۔ آج کے بعد میں تم سے اپنا حق طلب نہیں کروں گی اور نہ ہی تم سے کلام کروں گی۔" [۱]

چنانچہ اس کے بعد بی بی فاطمہ زہراؑ، ابوبکر اور عمر سے تا دمِ مرگ ہم کلام نہیں ہوئیں۔ اس واقعہ کے بعد وہ اپنے والد بزرگوار کی مسجد میں گئیں اور انصار و مہاجرین کو اپنی شکایت سے آگاہ کیا اور انہیں ان کی ذمہ داری کا احساس دلانے کے لیے فرمایا:

---

[۱] شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید۔ تاریخ اسلام ذہبی۔

"میں فاطمہؑ ہوں ــــ محمدؐ میرے والد بزرگوار ہیں۔

کیا تم نے جان بوجھ کر قرآن کو پسِ پشت ڈال دیا ہے؟"

اس کے بعد انہوں نے قرآن مجید کی چند آیات تلاوت کیں اور پھر فرمایا:

"تمہارا گمان یہ ہے کہ میرے والد بزرگوار جو کچھ چھوڑ گئے ہیں، میں اس کی حقدار نہیں ہوں؟

تمہارے خیال میں گویا میرے اور ان کے درمیان کوئی رشتہ ہی نہیں۔ کیا انہوں نے اس بارے میں پوشیدہ طور پر کوئی آیت سنائی تھی یا تم یہ سمجھتے ہو کہ میں اور میرے والد مختلف مذاہب کے پیرو رہے ہیں، اس لیے ایک دوسرے کے وارث نہیں ہو سکتے۔"

چونکہ وہاں کسی نے ان کی حامی نہیں بھری اس لیے وہ خاموشی سے گھر واپس چلی گئیں اور پھر ان لوگوں سے کوئی تعلق نہ رکھا۔ یہاں تک کہ آپ دنیا سے رخصت ہو گئیں۔ [۱]

خلیفہ عمر بن خطاب کا دور

جب سرکاری آمدنی میں بہت اضافہ ہو گیا تو عمر بن خطاب نے بنی ہاشم کو خمس کا کچھ حصہ دینے کی کوشش کی، لیکن انہوں نے اسے قبول کرنے سے انکار کر دیا، تب انہوں نے آنحضرتؐ کے صدقات جو مدینہ میں تھے وہ امام علیؑ اور حضرت عباس کے سپرد کر دیے تاکہ ان کو مناسب موارد میں خرچ کرتے رہیں۔ [۲]

---

[۱] شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید جلد ۴ صفحہ ۸۴ بحوالہ کتاب السقیفہ ابی بکر جوہری۔ بلاغات النساء صفحہ ۱۶، ۱۷

[۲] سنن بیہقی جلد ۶ صفحہ ۳۴۴ باب سہم ذی القربیٰ۔ مسند الشافعی صفحہ ۱۸۷ باب قسم الفئی

خلیفہ عثمان بن عفان کا دور

عثمان بن عفان نے اپنے اجتہاد اور صوابدید سے کام لیا اور افریقہ کی پہلی جنگ میں پچیس لاکھ بیس ہزار دینار کا جو مال غنیمت ہاتھ آیا، اس نے وہ سارا خمس اپنی خالہ کے بیٹے اور رضاعی بھائی عبداللہ ابن ابوسرح کے حوالے کر دیا۔ ایسا ہی اجتہاد انہوں نے افریقہ کی دوسری جنگ کے موقع پر بھی کیا اور اس کا سارا خمس اپنے چچازاد بھائی اور داماد مروان بن حکم کو دیدیا۔[1] بعد میں انہوں نے اپنے اجتہاد کے مطابق علاقۂ فدک بھی مروان کو عنایت کر دیا۔ نیز مدینہ کے مسلمانوں کا بازار مھزور مروان کے بھائی حارث کو دیدیا۔ یہی نہیں بلکہ انہوں نے ایک بار پھر اجتہاد کیا اور قبیلۂ قضاعہ کے موصولہ صدقات جو تین لاکھ درہم تھے، اپنے چچا حکم کو دیدیے۔

علاوہ ازیں جب بھی مدینہ کی منڈی سے صدقات وصول ہوتے وہ اپنے عامل کو ہدایت کرتے کہ رقم ان کے چچا حکم کو دیدی جائے۔

بیہقی کا کہنا ہے کہ اس معاملے میں عثمان بن عفان یہ عذر پیش کیا کرتے تھے کہ رسول اکرمؐ نے فرمایا ہے: اللہ اپنے رسولؐ کو جو کچھ فراہم کرتا ہے، وہ اس کے بعد اس کے جانشین کو پہنچتا ہے۔ چونکہ میں خود ایک دولتمند شخص ہوں اور مجھے اس مال کی ضرورت نہیں، اس لیے میں یہ مال اپنے قرابتداروں کو دیدیتا ہوں۔

امام علیؑ کا دور

امام علیؑ نے ابوبکر اور عمر ہی کے طریقے پر عمل کیا کیونکہ ان سے عدم مطابقت ان

[1] تاریخ ابن اثیر جلد ۳ صفحہ ۱۷ طبع یورپ جلد ۳ صفحہ ۳۵ طبع مصر

کے لیے ممکن نہ تھی۔[1]

معاویہ بن ابوسفیان کا دور

معاویہ نے بھی اپنے طور پر اجتہاد کیا اور حکم دیا کہ فتوحات کے دوران جو سونا چاندی اور خوشبوئیں ہاتھ لگیں وہ ان کے لیے مخصوص کر دی جائیں۔ اسی طرح انہوں نے فدک کا دوتہائی حصہ مروان سے لیکر عمرو بن عثمان اور اپنے بیٹے یزید کو دیدیا۔ لیکن کچھ مدت گزرنے کے بعد انہوں نے پورے کا پورا فدک پھر سے مروان کو دیدیا۔

یہ صورت حال خلفائے بنو مروان کے دور میں بھی قائم رہی۔ حتیٰ کہ خلافت عمر بن عبدالعزیز نے سنبھال لی۔ انہوں نے خمس میں سے دس ہزار درہم بنی مطلب اور بنی ہاشم میں تقسیم کرنے کے لیے بھیجے اور فدک بھی اولاد فاطمہ زہراؑ کو واپس کر دیا۔

جب یزید بن عاتکہ مدینہ کا والی مقرر ہوا تو اس نے فدک بنی فاطمہؑ سے چھین لیا۔ اس کے بعد یہ علاقہ مسلسل اموی والیوں کے تصرف میں رہا۔ حتیٰ کہ بنو عباس برسر اقتدار آ گئے۔

سفاح عباسی نے فدک عبداللہ ابن الحسن مثنیٰ کو دیدیا۔ لیکن جب امام حسنؑ کی اولاد نے منصور کے خلاف خروج کیا تو اس نے یہ علاقہ ان سے چھین لیا۔ لیکن اس کے بیٹے مھدی نے یہ علاقہ پھر سے بنی فاطمہ کو دیدیا۔ مگر موسیٰ بن مھدی نے پھر واپس لے لیا۔ اس کے بعد فدک بنی عباس کے تصرف میں رہا۔ حتیٰ کہ سنہ ۲۱۰ھ میں مامون نے پھر سے بنی فاطمہؑ کو لوٹا دیا۔ تاہم متوکل نے بنی فاطمہؑ سے فدک پھر سے چھین لیا اور عبداللہ ابن عمر بازیار کے حوالے کر دیا۔ فدک میں کھجور کے دس وہ درخت بھی تھے جو خود رسول اکرمؐ نے

[1] کتاب الخراج صفحہ ۲۳۔ کتاب الاموال ابی عبید صفحہ ۳۳۲۔ احکام القرآن جصاص جلد ۳ صفحہ [illegible]

لگائے تھے۔ چنانچہ بنی فاطمہؑ ان درختوں کا پھل بطور تبرک حاجیوں میں تقسیم کیا کرتے تھے۔
لیکن افسوس ہے کہ بشران ابن ابی امیہ نے بازیار کے حکم سے یہ بابرکت درخت کٹوا دیے۔
تاہم بعد میں اس نابکار پر فالج گر گیا۔ یہ ہے خمس اور ترکۂ رسولؐ کے بارے میں خلفاء کے
اجتہاد کا خلاصہ!

مکتب خلفاء کے علماء کی آراء

چونکہ خلفاء کا طرزِ عمل باہم متفاوت تھا، اس لیے مکتب خلفاء کے علماء کی آراء
میں بھی تضاد پایا جاتا ہے۔ ان میں سے بعض کا کہنا ہے کہ رسول اکرمؐ کی رحلت کے بعد
ان کے اور ان کے قرابتداروں کے حصوں پر بالترتیب خلیفۂ وقت اور ان کے قرابتداروں کا
حق ہے لیکن بعض یہ کہتے ہیں کہ یہ دونوں حصے دفاعی تیاریوں پر خرچ ہونے چاہئیں۔ کچھ
ایسے بھی ہیں جن کی رائے یہ ہے کہ خمس کا مصرف خلیفہ کی صوابدید پر منحصر ہے۔ یہ ایک
اجتہادی مسئلہ ہے جیسے کہ عمر بن خطاب نے بنی ہاشم اور اہلبیتؑ کو خمس سے محروم کر دیا تھا۔

خمس اور مکتب اہلبیتؑ

ائمہ اہلبیتؑ کا موقف یہ ہے کہ رسول اکرمؐ کے طریقے کے مطابق مال خمس کے چھ
حصے کرنے چاہئیں۔ ان میں سے تین حصے اللہ اور اس کے رسولؐ اور آنحضرتؐ کے
قرابتداروں کے ہیں۔ یہ تینوں حصے ائمہ اہلبیتؑ میں سے امام وقت یا ان کے نائب
وصول کریں گے۔ باقی تین حصے بنی ہاشم کے مسکینوں، یتیموں اور نادار مسافروں کے
لیے ہوں گے۔

چونکہ بنی ہاشم پر ہر قسم کے صدقات ہمیشہ کے لیے حرام ہو چکے ہیں، اس لیے
ایک مسلمان جو دولت بھی کمائے اس پر اس میں سے ان کا حق یعنی خمس ادا کرنا واجب

ہے۔ خواہ وہ غنیمت جنگ سے ہاتھ آئے یا کسی اور ذریعے سے حاصل ہو۔

دو متعوں کے بارے میں خلفاء کا اجتہاد

زمانۂ قبل از اسلام میں قریش نے حج کے مہینوں میں عمرۂ تمتع ادا کرنے کی ممانعت
کر رکھی تھی۔ وہ اسے ایک قسم کی برائی تصور کرتے تھے۔ چنانچہ جب ماہ صفر ختم ہو جاتا تو پھر
عمرہ ادا کرنے والوں کے لیے کوئی رکاوٹ نہ ہوتی۔ تاہم رسول اکرمؐ نے اس معاملے میں ان
سے اتفاق نہیں کیا۔ آپ نے چار مرتبہ حج ہی کے مہینوں میں عمرہ ادا کیا۔ جہاں تک حج
کے ساتھ لیکن الگ احرام باندھ کر عمرہ ادا کرنے کا سوال ہے اس بارے میں قرآن فرماتا ہے:
"جو کوئی عمرے کے ساتھ حج ملا کر نفع حاصل کرتا ہے۔" (سورہ بقرہ۔ آیت ۱۹۶)
چنانچہ حجۃ الوداع کے موقع پر جبکہ مسلمانوں کی بڑی تعداد رسولؐ کے ہمراہ تھی
آپ نے حج اور عمرہ ادا کر کے ایک سنت قائم فرمائی۔ جب آپ وادی العقیق میں پہنچے تو آپ
نے عمر سے فرمایا: جبرئیل میرے پاس آئے ہیں اور انہوں نے کہا ہے کہ عمرہ ہمیشہ کیلئے حج
کا جزو بنا دیا گیا ہے۔[1] عسفان کے مقام پر آپ نے سراقہ سے فرمایا: تمہارے اس حج میں
عمرہ بھی شامل کر دیا گیا ہے جب تم خانہ کعبہ کا طواف اور صفا و مروہ کے درمیان سعی کر چکو گے
تو حالت احرام کی پابندیوں سے آزاد ہو جاؤ گے۔ بجز ان لوگوں کے جو قربانی کے
جانور اپنے ساتھ لائے ہیں۔ بمقام سرف پر آپ نے یہی احکام اپنے صحابہ کو سنائے۔ پھر وادی
مکہ میں انہیں دہرایا۔ یوں رفتہ رفتہ آپ نے اپنے صحابہ کو اس عمل کی انجام دہی کے
لیے تیار کیا۔ پھر جب آپ طواف کے بعد مروہ آئے تو وحی کے ذریعے آپ کو حکم دیا گیا۔
تب آپ نے اعلان کیا کہ جن لوگوں نے احرام باندھتے وقت معمول کے مطابق حج

۱؎ صحیح بخاری۔ سنن ابو داؤد۔ سنن ابن ماجہ۔ سنن بیہقی ــــ کتاب الحج

کی نیت کی تھی اور وہ قربانی کے جانور ہمراہ نہیں لائے ہیں، وہ عمرہ کی نیت کرلیں۔

آپ نے یہ بھی فرمایا: اگر مدینہ سے روانگی سے قبل یہ حکم آگیا ہوتا تو میں قربانی کے جانور اپنے ساتھ نہ لاتا۔ لیکن جب میں لے ہی آیا ہوں تو جو چیزیں بحالت احرام میں حرام ہو چکی ہیں وہ اس وقت تک حلال نہیں ہو سکتیں جب تک یہ جانور قربان نہ کر دیے جائیں۔

سراقہ نے عرض کیا: "یا رسول اللہ! کیا عمرے کے بارے میں یہ حکم فقط اس سال کے لیے ہے یا ہمیشہ کے لیے؟"

آنحضرتؐ نے جواب دیا: "یہ حکم ہمیشہ کے لیے ہے۔" پھر آپ نے اپنی دو انگلیاں جوڑیں اور دوبار فرمایا: عمرہ قیامت کے دن تک کے لیے حج میں یوں ضم کر دیا گیا ہے۔

جن صحابہ کا عقیدہ یہ تھا کہ حج کے مہینوں میں عمرہ ممنوع ہے، انھوں نے پوچھا: "یا رسول اللہؐ کونسی چیز حلال کر دی گئی ہے؟"

آنحضرتؐ نے فرمایا: وہ سب کچھ حلال کر دیا گیا ہے جو ہم نے کیا اور یہ عمرہ ہے جو قیامت تک حج میں شامل کر دیا گیا ہے۔ پس جو شخص قربانی کا جانور نہیں لایا، وہ احرام کھول دے۔ آپ نے مزید فرمایا: آٹھویں ذی الحجہ تک احرام کے بغیر رہو۔ اس دن پھر سے حج کی نیت کرو اور جو کچھ تم نے کیا ہے اسے متعہ حج تصور کرو۔

ان لوگوں نے کہا: جب ہم نے حج کی نیت کی تو پھر ہم اسے متعہ حج کیونکر تصور کر سکتے ہیں؟"

آنحضرتؐ نے جواب دیا: جو کچھ میں کہتا ہوں وہ کرو اور احرام کی حالت سے باہر آجاؤ۔ پھر چاہو تو عورتوں سے مجامعت بھی کرلو۔

اس پر بہت قیل و قال ہوئی اور رسول اکرمؐ کو بتایا گیا کہ لوگ کہتے ہیں: ہمیں

کہا گیا ہے کہ ہم عورتوں سے مجامعت کرلیں، جبکہ عرفات میں جانے میں فقط پانچ یوم رہ گئے ہیں۔ کیا ہم وہاں جنابت کی حالت میں جائیں گے؟

جب اس قسم کی خبریں آنحضرتؐ تک پہنچیں تو آپ بیحد خفا ہوئے۔ عائشہ نے کہا: آپ کو جس نے رنجیدہ کیا ہے خدا اسے جہنم میں ڈالے۔ آنحضرتؐ نے فرمایا: مجھے غصہ کیوں نہ آئے؟ میں نے ایک ہدایت دی ہے اور اس پر عمل نہیں ہو رہا ہے[1]

پھر آپ نے صحابہ کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا: میں نے سنا ہے کہ کچھ لوگ چون و چرا کر رہے ہیں۔ خدا کی قسم! میں تم سب سے زیادہ متقی اور پاکباز ہوں۔

کچھ لوگوں نے عرض کیا: یا رسول اللہؐ! کیا ہم منیٰ میں جنابت کی حالت میں جائیں گے؟

آپ نے جواب دیا: ہاں! لیکن تم احرام کی حالت سے باہر آجاؤ۔ خوشبو لگاؤ اور اگر چاہو تو عورتوں سے مجامعت کرلو۔ نیز وہ سبھی کچھ کرو جو وہ شخص کرتا ہے کہ جو احرام کی حالت میں نہیں ہوتا۔ پھر آٹھویں ذی الحجہ کو حج کے لیے دوبارہ احرام باندھ لو۔

عائشہ حج سے پہلے عمرہ ادا نہ کرسکیں، کیونکہ وہ ان کے ایام تھے۔ آنحضرتؐ نے ان کو حکم دیا کہ وہ عمرہ بعد میں ادا کریں۔ مگر آپ نے انہیں اس بات کی اجازت نہیں دی کہ وہ فقط حج کر کے واپس چلی جائیں۔[2]

---

[1] صحیح مسلم صفحہ ۸۷۹، باب وجوہ الاحرام، حدیث ۱۳۰۔ سنن بیہقی جلد ۵ صفحہ ۱۹۔ سنن ابن ماجہ صفحہ ۹۹۳ باب فسخ الحج۔ مسند احمد حنبل جلد ۴ صفحہ ۲۸۶۔ مجمع الزوائد جلد ۳ صفحہ ۲۳۳۔ زاد المعاد جلد ۱ صفحہ ۲۴۷۔ منحۃ المعبود حدیث ۱۰۵۱۔ المنتقیٰ حدیث ۲۴۷۸۔

[2] صحیح مسلم صفحہ ۸۷۳، باب وجوہ الاحرام۔ سنن ابوداؤد جلد ۲ صفحہ ۱۵۴۔ سنن ابن ماجہ حدیث ۲۹۶۳۔

خلیفہ ابوبکر اور عمر کا عہد

ابوبکر بن قحافہ نے عمرہ ادا کیے بغیر حج کیا اور عمر بن خطاب نے بھی ایسا ہی کیا۔ بلکہ ابن خطاب نے تو مسلمانوں کو حج سے پہلے الگ احرام کے ساتھ عمرہ ادا کرنے سے روک بھی دیا اور کہا: حج کے مہینوں میں فقط حج کرو اور عمرہ دوسرے مہینوں میں بجا لاؤ۔ اپنی تائید میں انہوں نے قرآن مجید کی یہ آیت نقل کی:

"اور اللہ کی خاطر حج اور عمرہ ادا کرو"

(سورۂ بقرہ۔ آیت ۱۹۶)

پھر کہا کہ ان کی ادائیگی کا صحیح طریقہ یہ ہے کہ انہیں الگ الگ رکھا جائے۔ اس کے ساتھ ہی رسول اکرمؐ کے عمل کا حوالہ بھی دیا۔ کیونکہ جب تک آنحضرتؐ نے قربانی کے جانور ذبح نہیں کیے، آپ احرام کی حالت سے باہر نہیں آئے تھے۔ امام علیؑ نے کہا: جس نے متعۂ حج انجام دیا، اس نے قرآن اور سنت رسولؐ کی پیروی کی ہے۔ عمر بن خطاب نے جواب دیا: خدا کی قسم! میں تمہیں عمرہ بجالانے سے منع کرتا ہوں، حالانکہ قرآن میں اس کا حکم آیا ہے اور خود میں نے بھی رسولؐ کے ساتھ اسے ادا کیا ہے۔ انہوں نے مزید کہا: رسول اکرمؐ کے زمانے میں دو متعے انجام دیے جاتے تھے۔ ایک متعۂ حج اور دوسرا متعۂ زن۔ لیکن میں (عمر بن خطاب) ان دونوں کی ممانعت کرتا ہوں اور جو کوئی انہیں انجام دے گا اسے سزا دوں گا۔ انہوں نے یہ بھی کہا کہ میں یہ نہیں چاہتا کہ لوگ درختوں کے نیچے عورتوں سے مجامعت کریں اور پھر اس حالت میں حج کے لیے جائیں کہ ان کے سر کے بالوں سے پانی کے قطرے ٹپک رہے ہوں۔[1]

[1] صحیح مسلم صفحہ ۸۹۶، حدیث ۱۴۰۷، مسند طیالسی جلد ۲ صفحہ ۷، حدیث ۵۱۶، مسند احمد حنبل جلد ۱ صفحہ ۹۲ و ۵۰، سنن نسائی، کتاب الحج باب تمتع، کنز العمال جلد ۲ صفحہ ۱۶۷، سنن بیہقی جلد ۵ صفحہ ۲۰، سنن ابن ماجہ حدیث ۲۹۷۹۔

پھر کہا: مکہ کے لوگ نہ تو زراعت کرتے ہیں اور نہ ہی دودھ اور مکھن کا کاروبار کرتے ہیں، بلکہ ان کی گزر بسر کا انحصار صرف حاجیوں سے ہونے والی آمدنی ہی پر ہے۔

خلیفہ عثمان بن عفان کا عہد

خلیفہ عثمان نے کہا: حج اور عمرہ کو حج کے مہینوں میں اکٹھا ادا نہ کیا جائے۔ بہتر ہوگا کہ تم عمرہ کو ملتوی کردو اور اس کے لیے دوبارہ خانہ کعبہ کی زیارت کرو۔

اس پر امام علیؑ نے کہا: "کیا آپ ایک ایسی سنت کی ممانعت کرنا چاہتے ہیں جو رسول اکرمؐ نے خود قائم فرمائی، وہ حکم ان لوگوں کے مفاد میں تھا جو دور دراز کے مقامات پر رہتے ہیں اور دو دو مرتبہ مکہ کا سفر کرنے سے قاصر ہیں۔

یہ فرما کر امام علیؑ نے حج اور عمرہ ادا کرنے کی نیت کرلی۔ تب عثمان نے اس بات سے انکار کردیا کہ انہوں نے حج کے ساتھ عمرہ ادا کرنے سے منع کیا ہے۔ پھر یہ کہا کہ میں نے تو فقط اپنی رائے کا اظہار کیا ہے۔[1]

ایک اور روایت کے مطابق امام علیؑ نے فرمایا: کیا آپ متعۂ حج کی ممانعت کرتے ہیں؟

خلیفہ عثمان نے جواب دیا: ہاں!

امام علیؑ نے فرمایا: کیا آپ نے نہیں سنا کہ رسول اکرمؐ اس پر عمل کرتے تھے؟

خلیفہ عثمان نے جواب دیا: ہاں میں نے سنا ہے۔

اس پر امام علیؑ اور ان کے ساتھیوں نے عمرہ کے لیے تلبیہ پڑھا۔

ایک اور روایت کے مطابق امام علیؑ نے فرمایا: جس چیز پر رسول اکرمؐ نے عمل

[1] مسند احمد حنبل جلد ۱ صفحہ ۹۲ حدیث ۷۰۷ - و ذخائر العقبیٰ صفحہ ۲۴۷

کیا ہے، اس کی ممانعت کرنے کا مقصد کیا ہے ؟

خلیفہ عثمان نے جواب دیا: اس بات کو چھوڑیے۔

امام علی نے فرمایا: میں اسے نہیں چھوڑ سکتا۔ پھر آپ نے عمرہ اور حج ادا کرنے کی نیت باندھ لی۔

ایک روایت کے مطابق خلیفہ عثمان نے کہا: کیا آپ وہ کام کریں گے جس سے میں منع کرتا ہوں؟

امام علیؑ نے جواب دیا: کوئی جو چاہے کہے، میں رسول اللہ ؐ کی سنت کو ترک کرنے پر آمادہ نہیں ہوں۔ [1]

تب عثمان نے حکم دیا کہ جو لوگ امام علیؑ کے مرتبہ کے حامل نہیں ہیں اگر وہ حج کے ساتھ عمرہ ادا کرنے کی خاطر تلبیہ پڑھیں تو ان کے سر کے بال مونڈ دیے جائیں اور انہیں کوڑے بھی لگائے جائیں۔ [2]

امیر شام معاویہ کا عہد

معاویہ کے عہد میں بھی عمر بن خطاب کی روش ہی کو مستند مانا گیا۔ چنانچہ جب سعد بن ابی وقاص نے معاویہ سے کہا کہ عمرہ کو حج کے ساتھ متحد کرنا اچھی بات ہے تو معاویہ نے کہا: خلیفہ عمر اس کے خلاف تھے۔ اس زمانے میں خلیفہ عمر اور معاویہ کے اس طرز عمل کے حق میں حدیثیں وضع ہونے لگیں۔ چنانچہ معاویہ نے کہا کہ رسول اکرمؐ نے حج اور عمرہ کو متحد

---

[1] صحیح بخاری جلد ا صفحہ ۱۹۰۔ سنن نسائی جلد ۲ صفحہ ۱۵۔ سنن بیہقی جلد ۴ صفحہ ۳۵۳۔ تاریخ ابن کثیر جلد ۵ صفحہ ۱۳۶، ۱۳۹ وغیرہم۔

[2] المحلی ابن حزم جلد ۷ صفحہ ۱۰۷

کرنے سے منع کیا تھا۔ صحابہ نے اس پر اعتراض کیا لیکن معاویہ اپنی بات پر مصر رہے۔

یوں معلوم ہوتا ہے کہ اس دور میں دہشت انگیزی عام تھی۔ جیسے ایک صحابیِ رسولؐ، عمران بن حصین نے مرض الموت میں اپنے ایک قابل اعتماد دوست سے عہد لیا کہ اگر میں زندہ رہ گیا تو جو کچھ میں تمہیں بتانے والا ہوں، تم اسے صیغۂ راز میں رکھو گے۔ پھر اسے بتایا کہ رسول اکرمؐ نے عمرہ اور حج کو متحد کیا اور بعد میں اس کی ممانعت نہیں کی، نہ ہی قرآن نے اس حکم کو منسوخ کیا۔ انہوں نے مزید کہا کہ رسول اکرمؐ کی رحلت کے بعد ایک شخص (عمر بن خطاب) نے جو چاہا سو کیا۔ [1]

ابن زبیر اور اس کے بعد کا دور

ابن زبیر اور اس کے جانشین بھی متعۂ حج کے مخالف تھے۔ وہ خلیفہ ابوبکر اور خلیفہ عمر کے عمل کو بطور دلیل پیش کرتے تھے۔ انہوں نے ابن عباس سے کہا: "آپ کب تک لوگوں کو گمراہ کرتے رہیں گے؟ آپ لوگوں کو حج کے مہینوں میں عمرہ ادا کرنے کو کہتے ہیں، جبکہ خلیفہ ابوبکر اس کے خلاف تھے۔"

ابن عباس نے کہا: مجھے ڈر ہے کہ یہ لوگ تباہ ہو جائیں گے۔ کیونکہ جب میں کہتا ہوں کہ رسول اکرمؐ نے یوں فرمایا تو یہ کہتے ہیں کہ ابوبکر اور عمر نے ان باتوں سے منع کیا ہے۔ [2]

---

[1] صحیح بخاری جلد ا صفحہ ۱۹۰ کتاب الحج باب تمتع۔ صحیح مسلم حدیث ۱۶۵-۱۶۶۔ مسند احمد حنبل جلد ۴ صفحہ ۴۳۴۔ سنن دارمی جلد ۲ صفحہ ۳۵۔

[2] مسند احمد حنبل جلد ا صفحہ ۲۵۲ حدیث ۲۲۷۷۔ زاد المعاد جلد ا صفحہ ۲۵۷۔ تقریب التہذیب جلد ۲ صفحہ ۱۹

چنانچہ عروہ بن زبیر نے ایک حدیث وضع کی جس میں آنحضرتؐ اور ان کے صحابہ پر افترا کیا۔ اس حدیث کا مضمون یہ تھا:

آنحضرتؐ نے حجۃ الوداع اور دوسرے مواقع پر فقط حج ادا کیا اور اس میں عمرہ کو شامل نہیں فرمایا۔ اس نے راویوں کے طور پر اپنی ماں اور خالہ کا نام لیا۔ لیکن ان دونوں نے کہا: ہم نے تو حجۃ الوداع کے موقع پر عمرہ بھی ادا کیا تھا۔

تاہم مکتب خلفاء کے پیرو اس کے بعد بھی خلفاء کے ان اقوال کی تائید میں احادیث گڑھتے رہے۔ انہوں نے روایت یوں گھڑھی کہ ابوذر جب ربذہ میں مقیم تھے تو انہوں نے کہا: عمرہ اور حج کو متحد کرنے کی خصوصی اجازت ہم صحابہ کو دی گئی تھی اور دوسروں کے لیے اس مثال پر عمل کرنا جائز نہیں۔

امام علیؑ سے یہ بات منسوب کی گئی کہ انہوں نے اپنے فرزند محمد بن حنفیہ کو بغیر عمرہ کے حج کرنے کی ہدایت کی۔ [1]

جب خلیفہ عمر بستر مرگ پر تھے تو کچھ صحابۂ رسولؐ نے انہیں بتایا کہ آنحضرتؐ نے متعۂ حج کی ممانعت کردی تھی۔ [2]

اس کے باوجود عام مسلمان خلیفہ عمر کے اس اجتہاد پر عمل نہ کرسکے۔ کیونکہ ان کے لیے دور دراز کے مقامات سے دو دو بار مکہ آنا مشکل تھا۔ یعنی ایک بار حج کے لیے اور دوسری بار عمرہ کے لیے، لہٰذا وہ حج اور عمرہ اکٹھا ہی ادا کرتے رہے۔ ان میں سے بعض عمرہ ادا کرنے کے بعد احرام کی حالت سے باہر آجاتے اور بعض حج مکمل ہونے تک حالت احرام

---

[1] سنن بیہقی جلد ۵ صفحہ ۵ باب اختیار الافراد

[2] سنن بیہقی جلد ۵ صفحہ ۱۹۔ سنن ابوداؤد جلد ۲ صفحہ ۱۵۷ حدیث ۱۷۹۳

میں ہی رہتے تھے۔

عوام کے طرز عمل کے برعکس مکتب خلفاء کے علماء میں حج تمتع کے بارے میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ احمد بن حنبل نے اس بارے میں سنتِ رسول کی پیروی کی ہے۔ بعض دوسرے فقیہہ کہتے ہیں کہ خلفاء نے بلا شمول عمرہ صرف حج کرنے کی ہدایت کی ہے۔ جبکہ کچھ دوسروں کا خیال ہے کہ اس مسئلے کا تعلق اجتہاد سے ہے۔

متعۂ نساء

قرآن مجید فرماتا ہے:

"ہاں جن عورتوں سے تم (متعہ کرکے) فائدہ اٹھاؤ جو مہر طے پایا ہو وہ انہیں دیدو۔" (سورۂ نساء۔ آیت ۲۴)

قرآن مجید کا جو نسخہ ابن عباس کے پاس تھا، اس میں یہ آیت یوں تھی:

ہاں جن عورتوں سے تم (پہلے سے مقرر کردہ وقت تک) فائدہ اٹھاؤ انہیں وہ مہر دو جو طے پایا ہو۔

ابی بن کعب، ابن عباس، سعید بن جبیر سدی بھی اس آیت کو یوں ہی پڑھتے تھے۔ قتادہ اور مجاہد کا کہنا ہے کہ یہ اصحاب اس آیت میں الی اجل مسمی (پہلے سے مقرر کردہ وقت) کے الفاظ کا بطور تفسیر اضافہ کرتے تھے۔

متعہ اور سنتِ رسولؐ

ابن مسعود نے کہا: رسول اکرمؐ نے ہمیں اجازت دی تھی کہ ہم کسی عورت سے ایک وقت مقررہ کے لیے نکاح کرلیں۔ خواہ اس کے مہر میں اسے ایک کپڑا ہی دیں۔ پھر انہوں نے قرآن مجید کی اس آیت کی تلاوت کی:

"اے ایمان والو! جو پاک چیزیں اللہ نے تمہارے لیے حلال کر دی ہیں' انہیں اپنے اوپر حرام نہ کرو۔" [1]

جابر بن عبداللہ انصاری رض اور سلمہ ابن اکوع نے کہا: رسول اکرم ص کے ایک منادی نے اس بات کا اعلان کر دیا کہ آپ نے عورتوں سے متعہ کرنے کی اجازت دیدی ہے۔ [2]

سبرہ جہنی نے کہا: رسول اکرم ص نے ہمیں متعہ کرنے کی اجازت دی۔ پس میں نے قبیلۂ بنی عامر کی ایک عورت سے متعہ کیا اور تین دن تک اس کے ساتھ رہا۔ پھر رسول اکرم ص نے حکم دیا کہ جن لوگوں کے پاس ایسی عورتیں ہوں' اب انہیں جانے دیں۔ [3]

ابو سعید خدری رض نے کہا: رسول اکرم ص کے زمانے میں ہم کسی عورت سے ایک کپڑے کے بدلے میں بھی متعہ کر لیا کرتے تھے۔ [4]

جابر نے کہا: رسول اکرم ص ابوبکر بن ابی قحافہ اور عمر بن خطاب کے زمانے میں ہم مٹھی بھر کھجوروں یا آٹے کے بدلے بھی متعہ کر لیا کرتے تھے۔ بعد میں خلیفہ عمر کے آخری دنوں میں عمرو بن حریث نے ایک عورت سے متعہ کیا اور وہ حاملہ ہو گئی۔ جب خلیفہ عمر کو اس واقعہ کی اطلاع ملی تو انہوں نے متعہ پر پابندی لگا دی۔ [5]

۱۔ سورۂ مائدہ۔ آیت ۸۷۔ صحیح بخاری جلد ۳ صفحہ ۸۵ باب ۹۔ صحیح مسلم صفحہ ۱۰۲۲۔ کتاب النکاح حدیث ۱۴۰۴۔

۲۔ صحیح بخاری جلد ۳ صفحہ ۱۶۳۔ صحیح مسلم صفحہ ۱۰۲۲۔ کتاب النکاح حدیث ۱۴۰۵

۳۔ صحیح مسلم صفحہ ۱۰۲۴۔ کتاب النکاح حدیث ۱۴۰۶۔ سنن بیہقی جلد ۷ صفحہ ۲۰۲' ۲۰۳۔ مسند احمد حنبل جلد ۳ صفحہ ۴۰۵ ۴۔ مسند طیالسی حدیث ۶۲۷

۵۔ المصنف' عبدالرزاق جلد ۷ صفحہ ۴۹۶' ۴۹۷ باب متعہ

ایک اور روایت کے مطابق عمر نے کہا: "یہ کیا بات ہے کہ لوگ گواہوں کے بغیر متعہ کر لیتے ہیں۔ اگر آئندہ کسی نے ایسا کیا تو میں اسے سزا دوں گا۔" [1]

ایک مرتبہ یہ بھی کہا: "اگر تم نے ایسا کیا ہوتا تو میں تمہیں سنگسار کر دیتا۔" [2]

ایک اور موقع پر انہوں نے کہا: "اگر کوئی ایسا شخص میرے سامنے لایا گیا جس نے متعہ کیا اور وہ شادی شدہ ہوا تو میں اسے سنگسار کر دونگا اور اگر کنوارہ ہوا تو میں اسے درے لگاؤنگا۔" [3]

جب خلیفہ عمر نے متعہ پر پابندی لگا دی تو یہ مسلم معاشرے میں متروک قرار پا گیا۔ خلیفہ عمر نے بعد میں کبھی اس کی اجازت نہیں دی۔

ایک دفعہ عمران بن سوادہ نے ان سے کہا: میں آپ کو ایک مشورہ دینا چاہتا ہوں!

عمر نے کہا: ہاں تمہیں جو کچھ کہنا ہو بخوشی کہو۔

عمران نے کہا: لوگ آپ پر اعتراض کرتے ہیں کہ آپ نے حج کے ساتھ عمرہ ادا کرنے پر پابندی لگا دی ہے' جبکہ رسول اکرم ص اور ابوبکر نے ایسی کوئی پابندی نہیں لگائی۔ لہٰذا متعۂ حج یعنی حج کے ساتھ عمرہ کرنا جائز ہے۔

خلیفہ عمر نے جواب دیا: "میں نے جو کچھ کیا ٹھیک ہی کیا ہے۔ اگر لوگوں کو حج کے دنوں میں عمرہ ادا کرنے کی اجازت دے دی جائے تو مکہ ویران ہو جائے گا۔"

۱۔ المصنف عبدالرزاق جلد ۷ صفحہ ۵۰۱ باب متعہ۔

۲۔ موطا مالک صفحہ ۵۴۲۔ حدیث ۴۲ باب نکاح متعہ۔ سنن بیہقی جلد ۷ صفحہ ۲۰۶۔ درمنثور سیوطی جلد ۲ صفحہ ۱۴۱

۳۔ المصنف' ابن ابی شیبہ جلد ۴ صفحہ ۲۹۳

عمران نے کہا: لیکن لوگ کہتے ہیں کہ آپ نے متعۂ نساء پر بھی پابندی لگا دی ہے۔ حالانکہ یہ ایک ایسی رعایت تھی جو ہمیں اللہ نے دی تھی۔ چنانچہ ہم مٹھی بھر کھجوروں کے عوض بھی متعہ کر سکتے تھے اور تین دن کے بعد اسے ختم کر سکتے تھے۔

خلیفہ عمر نے جواب دیا: "رسول اکرمؐ نے وقتی طور پر اس کی اجازت دی تھی۔ اب وہ حالات نہیں رہے۔ اب اگر کوئی شخص چاہے تو مٹھی بھر کھجوروں کے عوض دائمی عقد کر سکتا ہے اور تین دن کے بعد طلاق کے ذریعے اسے ختم کر سکتا ہے۔"[1]

سمجھ میں نہیں آتا کہ اس سے خلیفہ کی کیا مراد تھی۔ کیا ان کے کہنے کا مطلب یہ تھا کہ شوہر اور بیوی کو یہ عہد کرنا چاہیے کہ تین رات بعد وہ ایک دوسرے سے جدا ہو جائیں گے؟ اگر یہ صورت ہو تو وہ شادی لازماً متعہ کی شکل اختیار کرے گی یا ان کی مراد یہ تھی کہ شوہر کا دلی ارادہ یہ ہو کہ وہ تین دن کے بعد بیوی سے علیحدگی اختیار کرے گا۔ تاہم اس صورت میں وہ دھوکے اور فریب دہی کا مرتکب ہوگا!

بہرحال اس گفتگو اور صحابہ کی دوسری روایات سے صاف پتا چلتا ہے کہ وہ تمام احادیث جن میں یہ کہا گیا ہے کہ خود رسول اکرمؐ نے متعۂ حج اور متعۂ نساء کی ممانعت کر دی تھی وہ سب کی سب وضعی ہیں اور خلیفہ عمر کے فعل کی تائید کرنے کے لیے گھڑی گئی ہیں۔

اس جعل کو بھی ایسا ہی پسندیدہ فعل سمجھا گیا، جیسے قرآن مجید کے بعض سوروں کی تلاوت کے ثواب میں حدیثیں وضع کرنے کو قابل تعریف گردانا گیا تھا۔

اس قول کی تائید اس امر سے ہوتی ہے کہ امام علیؑ، ابن عباس، ابن مسعود، ابو سعید، جابر، سلمہ، معبد اور کئی دوسرے صحابہ وثوق سے کہتے تھے کہ متعہ جائز ہے۔ نیز

[1] تاریخ طبری جلد ۵۔ صفحہ ۳۲

تابعین میں سے طاؤس، عطا، سعید ابن جبیر اور مکہ اور یمن کے فقہاء کی رائے بھی یہی تھی۔[1]

اس ضمن میں امام علیؑ اور ابن عباس کا قول یہ ہے: "اگر عمر بن خطاب نے متعہ کی ممانعت نہ کر دی ہوتی تو کسی فاسق شخص کے علاوہ کوئی بھی زنا کا مرتکب نہ ہوتا۔"[2]

مکتب خلفاء کے علماء نے خلیفہ عمر کے بندش متعہ کے اس فعل کو اس بنا پر حق بجانب ٹھہرانے کی کوشش کی ہے کہ یہ ان کا اجتہاد تھا۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ متعہ کی ممانعت میں مروی تمام احادیث جعلی ہیں۔ اگر یہ روایات صحیح ہوتیں تو خلیفہ کے اس فعل کو سنت سے تعبیر کیا جاتا۔

پس حقیقت امر یہ ہے کہ یہ دونوں متعے یعنی متعۂ حج اور متعۂ نساء اسلامی احکام کے تحت جائز تھے اور انہیں رسول اکرمؐ کی منظوری حاصل تھی۔ بعد میں خلیفہ عمر نے ان پر پابندی عائد کر دی جسے مسلمانوں میں ایک جماعت نے مذہبی ضابطے کے طور پر قبول کر لیا۔ پھر اسے خلیفہ کا اجتہاد قرار دیا اور اس کی تائید میں احادیث وضع کر لیں۔

خلیفہ عثمان کا اجتہاد

انہوں نے مندرجہ ذیل امور میں اجتہاد کیا:

ا۔ عبید اللہ ابن عمر کو ہرمزان کے قتل کی سزا معاف کر دی۔[3]

ب۔ عمار بن یاسر اور ابن مسعود کو مارا پیٹا اور عطاء ابن مسعود کو قید کر دیا۔

ج۔ جمعہ کے دن تیسری اذان رائج کی۔[4]

[1] المحلی ابن حزم جلد ۹ صفحہ ۵۱، ۵۲ مسئلہ ۱۸۵۲۔ شرح نووی جلد ۱ صفحہ ۱۸۶

[2] بدایۃ المجتہد

[3] شرح تجرید صفحہ ۴۰۹۔ شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید جلد ۱ صفحہ ۲۴۳

[4] منہاج السنۃ ابن تیمیہ۔ جلد ۳ صفحہ ۱۹۳

د۔ مقام منیٰ پر قصر کی بجائے پوری نماز ادا کی۔ [1]

ہ۔ مال خمس اپنے قرابتداروں کے حوالے کر دیا۔

بی بی عائشہ کا اجتہاد

بی بی عائشہ نے امام علیؑ کے خلاف جنگ جمل کے لیے طویل سفر اختیار کیا اور آپ کے مقابلے میں فوجوں کی کمان کی۔ اس طرح انہوں نے قرآن مجید کے اس حکم کی خلاف ورزی کی کہ "اور اپنے گھروں میں بیٹھی رہو"۔ [2]

معاویہ اور عمرو ابن عاص کا اجتہاد

ان دونوں نے اپنے اجتہاد سے صفین اور دوسرے مقامات پر مسلمانوں کا خون بہایا۔ انہوں نے کئی بدعتیں رائج کیں۔ مثلاً امام علیؑ پر سب وشتم کرنے کی بنیاد ڈالی اور اسے عام کیا۔ [3]

قرن اوّل کے دیگر اشخاص کا اجتہاد

۱۔ ابوالغادیہ نے اپنے اجتہاد کی بنا پر عمار ابن یاسرؓ کو قتل کیا۔ [4]

۲۔ عبدالرحمٰن ابن ملجم نے بربنائے اجتہاد امام علیؑ کو قتل کیا۔ [5]

[1] صواعق محرقہ ابن حجر صفحہ ۱۱۱ طبع مصر ۱۳۷۵ھ

[2] سورۂ احزاب: آیت ۳۳۔ منہاج السنۃ ابن تیمیہ جلد ۳ صفحہ ۱۹۰

[3] الفصل ابن حزم جلد ۴ صفحہ ۸۹

[4] الفصل ابن حزم جلد ۴ صفحہ ۱۶۱

[5] المحلی ابن حزم۔ الجوہر النقی ابن ترکمانی

یزید بن معاویہ کا اجتہاد

ا۔ یزید نے اجتہاد کی بنا پر نواسۂ رسولؐ، امام حسینؑ اور ان کے خاندان کے افراد کو قتل کیا اور اولاد رسولؐ کو قیدی بنایا۔

ب۔ اس نے رسول اللہؐ کے شہر مدینہ کی بے حرمتی کی اور جو صحابہ اس وقت تک زندہ تھے انہیں تہ تیغ کیا۔

ج۔ اس نے خانۂ کعبہ پر منجنیقوں سے سنگباری کرائی اور غلاف کعبہ کو آگ لگوائی۔ [1]

اس پر یہ دعویٰ کیا جاتا ہے کہ مذکورہ بالا مجتہدین، بالخصوص خلفاء اپنے اجتہاد کے لیے اجر کے مستحق ہیں، کیونکہ وہ امام اور پیشوا ہیں اور ان کی قائم کردہ مثال کی تقلید کرنی چاہیے۔

[1] تاریخ ابن کثیر جلد ۱۲ صفحہ ۹۔ نیز یزید کے اجتہاد کی مزید تفصیل آئندہ صفحات میں ہوگی۔

چوتھا باب

حدیثِ رسولؐ اور مکتبِ خلفاء

عہدِ رسالت مآبؐ

عبداللہ ابن عمرو بن العاصؓ رسول اکرمؐ سے جو کچھ سنتا اسے لکھ لیتا تھا۔ قریش یعنی مہاجرین نے اسے ایسا کرنے سے منع کیا اور کہا: تم رسول اکرمؐ سے جو کچھ سنتے ہو کیا اسے لکھ لیتے ہو؟ مگر بہرصورت وہ ایک انسان ہیں، کبھی خوش ہوتے ہیں اور کبھی غضبناک ہوتے ہیں۔ تم ان سے جو کچھ سنتے ہو تمہیں اس کے لکھنے سے باز رہنا چاہیے۔ جب اس گفتگو کی اطلاع آنحضرتؐ کو ملی تو آپ نے انگلی سے اپنے دہن مبارک کی طرف اشارہ کیا اور عبداللہ بن عمرو عاص سے فرمایا: "لکھتے رہو ——— مجھے قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے، یہ (دہن) حق بات کے علاوہ اور کچھ نہیں کہتا۔" ۱؎

پھر بعض لوگوں نے رسول اکرمؐ کی وفات سے پہلے ان کو اپنی وصیت لکھنے سے باز رکھا۔ ان کا کہنا تھا کہ آنحضرتؐ پر ہذیان طاری ہے۔

۱؎ سنن دارمی جلد ۱ صفحہ ۱۲۵۔ مستدرک حاکم جلد ۱ صفحہ ۱۰۵، ۱۰۶

بعد از رسولؐ

وصال پیغمبرؐ کے بعد حدیث کی نشر و اشاعت روک دی گئی۔ چنانچہ خلیفہ عمر نے عبداللہ بن حذیفہ، ابودرداء، ابوذر اور عقبہ ابن عامر وغیرہ کو جو مختلف ممالک میں تبلیغ حدیث میں مصروف تھے، انہیں مدینہ واپس بلا لیا اور اپنے جیتے جی انہیں اسی شہر میں روکے رکھا۔

انہوں نے ابوذر کو نشر حدیث سے روکا، نیز عام مسلمانوں کو ان سے میل جول رکھنے سے بھی منع کر دیا۔

بالآخر خلیفہ عثمان نے ابوذر کو ربذہ کی جانب جلاوطن کر دیا، جہاں انہوں نے بڑی کس مپرسی کی حالت میں وفات پائی۔

نشر حدیث کو روکنے کے لیے ہی حجر بن عدیؓ اور ان کے رفقاء کو بڑی بے رحمی سے قتل کر دیا گیا۔ اسی طرح رشید ہجری اور میثم تمار کو موت کے گھاٹ اتار دیا گیا اور ان کی لاشوں کا مثلہ کیا گیا۔ ۱؎

اس کے برعکس اسرائیلیات کے فروغ کے لیے یہودی اور نصرانی علماء مثلاً یہودی عالم کعب الاحبار اور نصرانی راہب تمیم داری کی حوصلہ افزائی کی گئی۔

امیر معاویہ نے تو حالات کو اور بھی بدتر کر دیا۔ انہوں نے کچھ لوگوں کو مامور کیا کہ وہ ان کے طرز عمل کی تائید میں احادیث وضع کریں۔ اس کے علاوہ کئی نصرانیوں کو اپنے معتمدین میں شامل کیا اور زمانہ قبل از اسلام کی جاہلانہ رسوم کو پھر سے رواج دیا۔

۱؎ کسی مقتول کی ناک، کان اور ہونٹ کاٹ لینے کا فعل مثلہ کہلاتا ہے۔

چنانچہ ان وضّاعین نے بے شمار وضعی حدیثیں اور جھوٹی باتیں لوگوں میں پھیلا
دیں۔ پھر تو بہت سے فقیہوں، قاضیوں اور راویوں کے علاوہ ایسے بہت سے محروم
لوگ بھی اس کام میں لگ گئے جو اپنے نمائشی تقویٰ کے پردے میں حکام وقت کی
خوشنودی حاصل کرنے اور مال و دولت کمانے کے لیے حدیثیں وضع کرتے تھے۔ بعد میں
یہی روایتیں ان پرجوش مذہبی عالموں تک پہنچیں جو ان کے جھوٹ اور سچ کو نہ جانتے
تھے۔ چنانچہ انہوں نے نہ صرف یہ کہ ان روایتوں کو قبول کیا بلکہ ان کی تشہیر بھی کی۔
پھر آگے چل کر جب عمر بن عبدالعزیز نے تدوین حدیث کا حکم دیا تو یہی حدیثیں سنت
رسولؐ کے نام پر جمع کر دی گئیں، جو اب تک مسلمانوں کے ہاتھوں میں ہیں۔ اس طرح
ان احادیث کا ایک بہت بڑا مجموعہ کتابوں میں آ گیا جو یہودیوں اور عیسائیوں نے
خلیفہ عمر کے عہد میں اور ان کے بعد پھیلائی تھیں۔ ان میں وہ قصے کہانیاں بھی شامل
تھے جو بدعتیوں نے گھڑے تھے۔ علاوہ ازیں ان روایات میں اجتہادات کا اضافہ
بھی ہو گیا جو خلفاء اور ان کے بعد میں آنے والے فقہاء نے کیے۔ چنانچہ مکتب خلفاء
کے موجودہ افکار و نظریات اسی ملغوبے پر مبنی ہیں اور جو لوگ روایات کے اس
مجموعے پر اعتقاد رکھتے اور خلفاء کی حکومت کو جائز مانتے ہیں وہ اہل سنت والجماعت
کہلاتے ہیں۔

مکتبِ اہلبیتؑ کے اِمتیازات

حدیث کے بارے میں مکتب اہلبیتؑ کی مساعی

سابقہ اوراق میں مکتب خلفاء کی خصوصیات بیان کرتے ہوئے ہم نے انہی کے
مشہور مآخذ پر انحصار کیا ہے۔ لہٰذا علمی دیانت کا تقاضا ہے کہ اب ہم مکتب اہلبیتؑ کے
امتیازات کے بیان میں بھی اسی مکتب سے معلومات حاصل کریں اور انہی پر بھروسہ کریں۔

رسول اکرمؐ کا دور

مکہ میں جب رسول اکرمؐ نے امام علیؑ کو اپنی سرپرستی میں لیا تو وہ ابھی نو عمر ہی
تھے۔ آنحضرتؐ انہیں ہر روز اخلاقیات کا کوئی نہ کوئی درس دیتے اور فرماتے کہ میری
سیرت کو اپنے لیے نمونہ بنائے رہو۔ چنانچہ جب رسولؐ پر پہلی وحی نازل ہوئی اس وقت امام علیؑ
غار حرا میں موجود تھے۔

وہ وہی وقت تھا جب شیطان اپنے پوجے جانے سے مایوس ہو کر چیخا چلایا تھا اور
امام علیؑ نے اس کی چیخ و پکار سنی تھی۔ اس روز گھر میں رسول اکرمؐ اور بی بی خدیجہؑ

کے ساتھ تیسرے مسلمان فرد امام علیؑ تھے۔[1]

جس دن رسول اکرمؐ نے اپنے قرابتداروں کو اسلام کی دعوت دی تو آپ (یعنی امام علیؑ) نے سب سے پہلے اپنے مسلمان ہو چکنے کا اعلان کیا۔ اس کے بعد سے آنحضرتؐ کے ساتھ ان کی روزانہ دو نشستیں ہوتی تھیں۔ ایک دن کو اور دوسری رات کو ہوتی تھی۔ رسول اکرمؐ پر جو وحی نازل ہوتی آپ وہ امام علیؑ کو لکھواتے اور اس کے مطالب و معانی بھی سمجھاتے تھے۔ حضورؐ انہیں بتاتے کہ آیت کا مفہوم عام ہے یا خاص اور یہ متشابہ ہے یا محکم ہے۔ اگر امام علیؑ کچھ دنوں کے لیے کہیں چلے جاتے تو آنحضرتؐ ان کی واپسی پر انہیں بتاتے کہ کونسی آیت کس دن نازل ہوئی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے رسول اکرمؐ پر قرآن مجید کے علاوہ ایک اور چیز بھی نازل کی تھی۔ چنانچہ جو کچھ بھی آنحضرتؐ پر نازل ہوا آپ نے امام علیؑ کو اس کی کامل تعلیم دی۔

رسول اکرمؐ نے امام علیؑ سے فرمایا کہ وہ اپنے بعد ہونے والے اماموں کے لیے ضروری باتیں حیطۂ تحریر میں لے آئیں۔ تب آنحضرتؐ نے امام حسنؑ کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ یہ ان میں سے پہلے ہیں۔ پھر امام حسینؑ کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ دیگر امام ان کی اولاد میں سے ہوں گے۔

رسول اکرمؐ نے جو کچھ لکھوایا وہ امام علیؑ نے مندرجہ ذیل دو کتابوں میں لکھ دیا۔

۱۔ الجامعہ

یہ کتاب پوری چوڑائی کے ستر ہاتھ لمبے چمڑے پر تحریر کی گئی۔ اس میں ہر وہ بات لکھی ہوئی تھی جس کی انسان کو ضرورت پڑ سکتی ہے۔ حتیٰ کہ اس میں کسی کو خراش لگانے تک کی سزا بھی درج تھی۔

[1] نہج البلاغہ مفتی جعفر حسین خطبہ ۱۹۰ صفحہ ۵۲۳

۲۔ الجفر

یہ ایک اور کتاب تھی جس میں ماضی اور مستقبل کے واقعات درج تھے۔

پھر جب رسول اکرمؐ نے جان جان آفریں کے سپرد کی تو آپ کا سر مبارک امام علیؑ ہی کی گود میں تھا۔

آنحضرتؐ کی دختر گرامی قدر بی بی فاطمہؑ غم کے مارے نڈھال تھیں۔ چنانچہ ایک فرشتہ ان کے پاس آیا کرتا تھا جو ان کی دلجوئی کرتا اور انہیں آئندہ کے واقعات کے بارے میں بتاتا تھا۔ وہ فرشتہ جو کچھ کہتا وہ امام علیؑ بھی سنتے اور اسے لکھ لیا کرتے تھے۔ یہاں تک کہ ایک ایسی کتاب مرتب ہو گئی کہ جس میں شرعی احکام نہیں بلکہ فقط آئندہ کے حالات درج تھے۔

مذکورہ بالا کتابیں چمڑے کے ایک تھیلے میں بند تھیں اور انہیں جفر ابیض کہا جاتا تھا۔ رسول اکرمؐ کے سلاح جنگ ایک اور تھیلے میں بند تھے، جس کا نام جفر احمر تھا۔ جب امام علیؑ عراق تشریف لے گئے تو آپ نے یہ تھیلے بحفاظت رکھنے کو بی بی ام سلمہؓ کے سپرد کر دیے۔ جب آپ ابن ملجم کے ہاتھوں زخمی ہو گئے تو جو کچھ آپ کے پاس تھا وہ آپ نے امام حسنؑ کے حوالے کر دیا۔ انہوں نے امام حسنؑ سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

"رسول اکرمؐ نے فرمایا تھا کہ میں تمہیں اپنا جانشین مقرر کروں اور اپنی کتابیں اور اسلحہ تمہیں دے دوں۔ جیسے خود آنحضرتؐ نے مجھے اپنا جانشین مقرر کیا اور اپنی کتابیں اور ہتھیار مجھے عنایت کیے تھے۔ انہوں نے مجھے یہ ہدایت بھی کی تھی کہ میں تمہیں وصیت کروں کہ اپنی وفات کے وقت تم یہ چیزیں اپنے بھائی حسینؑ کے سپرد کر دو۔"

پھر امیرالمومنینؑ اپنے بیٹے حسینؑ سے مخاطب ہوئے اور علیؑ ابن حسینؑ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا: "رسول اکرمؐ نے حکم دیا تھا کہ تم یہ چیزیں اپنے اس بیٹے کے سپرد کر دینا۔" پھر آپ نے علیؑ ابن الحسینؑ کا ہاتھ پکڑا اور ان سے فرمایا: "رسول اللہؐ نے حکم دیا تھا کہ تم یہ چیزیں اپنے بیٹے محمدؑ بن علیؑ کو دے دینا اور انہیں آنحضرتؐ کا اور میرا اسلام بھی پہنچانا۔"

جب امام حسنؑ عراق سے مدینہ پہنچے تو انہوں نے رسول اکرمؐ کی چھوڑی ہوئی وہ میراث جو بی بی ام سلمہؓ کے پاس محفوظ رکھی تھی، وہ ان سے لے لی۔ ان کی وفات پر وہ کتابیں اور دوسری میراث امام حسینؑ کی تحویل میں آئی۔ پھر جب آپ عراق روانہ ہوئے تو انہوں نے یہ چیزیں دوبارہ بی بی ام سلمہؓ کے سپرد کر دیں اور امام حسینؑ کی شہادت کے بعد ام المومنینؓ نے یہ چیزیں امام علیؑ ابن حسینؑ کو دیدیں۔ جب امام علیؑ ابن حسینؑ کی رحلت کا وقت آیا تو انہوں نے اپنے فرزند محمدؑ بن علیؑ کو ہدایت کی کہ وہ یہ چیزیں اپنے گھر لے جائیں۔ چنانچہ چار افراد وہ چیزیں اٹھا کر ان کے ساتھ گئے۔ امام سجادؑ نے اپنی اولاد کو یہ بھی بتایا کہ ان تھیلوں میں کوئی درہم یا دینار نہیں، بلکہ یہ علم و فضل کا خزانہ ہے۔ امام محمد باقرؑ کے بعد یہ میراث امام جعفر صادقؑ کو اور ان سے امام موسیٰ کاظمؑ کو اور ان سے امام علیؑ ابن موسیٰ رضاؑ کو پہنچی۔

یاد رہے کہ ائمہ اہلبیتؑ کے علم کا انحصار فقط اپنی کتابوں پر نہیں رہا بلکہ فرشتے بھی ان سے ہمکلام ہوا کرتے تھے۔ پھر لیلۃ القدر میں بھی ان کے علم میں لگاتار اضافہ ہوتا تھا۔ علاوہ ازیں انہیں پروردگار عالم سے رابطہ قائم رکھنے کے اور ذرائع بھی میسر تھے۔ جیسا کہ سید ہاشم بحرانی نے اس ضمن میں رسول اللہؐ اور ائمہ اہلبیتؑ سے مروی حدیثیں اپنی ایک کتاب ینابیع المعاجز میں جمع کر دی ہیں۔

پس ائمہ طاہرینؑ نے جو کچھ اپنے نانا حضرت محمد رسول اللہؐ سے حاصل کیا، وہ

میراث کی شکل میں یکے بعد دیگرے انہیں منتقل ہوتا رہا اور وہ ہر عہد میں یہ کوشش کرتے رہے کہ ان علوم کو ساری امت مسلمہ تک پہنچا دیں۔ تاہم انہیں یہ طریق عمل اختیار کرنے کا موقع امام حسینؑ کی شہادت کے بعد ہی ملا۔ جس کی وضاحت ہم آئندہ صفحات میں کریں گے۔

ائمہ اہلبیتؑ نے شریعتِ رسولؐ کو کیسے زندہ کیا

جیسا کہ ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں کہ حج کے ساتھ عمرہ ادا کرنے کا حکم قرآن مجید میں موجود ہے۔ نیز آنحضرتؐ کے حکم سے آپ کے ستر ہزار سے زیادہ صحابہ اور دوسرے مسلمانوں نے اس پر عمل بھی کیا لیکن رسول اکرمؐ کی رحلت کے بعد خلیفہ ابوبکر نے حکومت سنبھالی تو انہوں نے حج تمتع یعنی الگ احرام کے ساتھ حج سے پہلے عمرہ ادا کرنا بند کر دیا۔ حالانکہ یہ فقط ان لوگوں کے لیے واجب تھا، جو مکہ کے رہنے والے نہیں تھے۔

جب خلیفہ عمر کا دور آیا تو انہوں نے بھی حج تمتع کی ممانعت کی حتیٰ کہ جن لوگوں نے حج کے ساتھ عمرہ ادا کیا انہیں سزائیں دیں۔ ان کے بعد ہونے والے خلفائے یکے بعد دیگرے اس بنا پر حج کی مخالفت کی کہ سنت عمر میں اس کی ممانعت ہے۔ بالآخر انہوں نے حدیثیں گڑھ کر رسول اللہؐ پر افترا باندھا کہ آپ نے حج تمتع کی ممانعت کردی تھی۔ پھر ان جھوٹی حدیثوں کو آئندہ نسلوں کے لیے کتب حدیث میں شامل کر دیا گیا۔ یہ سب کچھ اس حقیقت کے باوجود کیا گیا کہ ستر ہزار بلکہ اس سے بھی زیادہ مسلمانوں نے براہ راست رسول اکرمؐ کی ہمراہی میں آپ کے اس حکم پر عمل کیا تھا۔

خلیفہ عمر نے اس معروف اسلامی حکم میں اجتہاد کیا۔ حالانکہ جن لوگوں نے رسول اکرمؐ کی رہنمائی میں اس پر عمل کیا تھا وہ حقیقت سے بخوبی واقف تھے۔ تاہم کسی نے بھی صدائے احتجاج بلند نہ کی۔ احتجاج کرنے کا کیا ذکر، ان لوگوں نے تو خلیفہ عمر کے بعد بھی ان کے اس فعل کو حق بجانب ثابت کرنے کے لیے رسول اکرمؐ سے جعلی حدیثیں منسوب کر دی تھیں۔ جب یہ حالات ہوں تو پھر خلیفاؤں نے ان اسلامی احکام میں کیسی کیسی تبدیلیاں نہ کی ہوں گی جن پر لوگوں کی اتنی بڑی تعداد نے عمل بھی نہیں کیا تھا اور ان کے متعلق رسول اکرمؐ سے براہِ راست ہدایات نہ ملی تھیں۔

متعۂ حج کی طرح کا ایک اور حکم متعۂ نساء بھی تھا اور اس کا ذکر قرآن مجید میں ہے۔ نیز رسول اکرمؐ کے حکم سے ایک منادی نے اس کا عام اعلان بھی کیا اور آنحضرتؐ کے زمانے میں صحابہ اس پر عمل کرتے رہے۔ حتیٰ کہ خلیفہ ابوبکر کے زمانے میں اور پھر خلیفہ عمر کی حکومت کے ابتدائی دور میں بھی اس پر عمل ہوتا رہا۔ تاہم حج تمتع کی طرح اس پر رسول اکرمؐ کی ہمراہی میں ستر ہزار افراد نے عمل نہیں کیا۔ لہٰذا جب خلیفہ عمر نے اس پر پابندی لگائی تو ایسی بہت سی روایات کی تشہیر ممکن تھی جن سے یہ ظاہر ہو کہ خود آنحضرتؐ نے اس پر پابندی لگا دی تھی۔ یہی وہ روایات تھیں جو کتب صحاح میں درج کی گئیں۔ حالانکہ خود خلیفہ عمر نے صاف گوئی سے کام لیتے ہوئے کہا: "میں دو متعوں کی ممانعت کرتا ہوں جو رسول اکرمؐ کے زمانے میں رائج تھے"۔

خمس کا معاملہ بھی اسی سے ملتا جلتا ہے۔ اس کے بارے میں قرآن مجید اور سنت رسولؐ میں پوری پوری وضاحت کر دی گئی ہے۔ خود رسول اکرمؐ نے خمس کی ادائیگی کے لیے لوگوں کو خطوط لکھے۔ خمس اور صدقات کی وصولی کے لیے محصل بھیجے اور مدینہ میں خمس کے مال کے لیے ایک امین مقرر کیا۔ ان تمام باتوں کے باوجود جب آنحضرتؐ نے

رحلت فرمائی تو خلیفہ ابوبکر اور خلیفہ عمر نے اپنے اجتہاد سے کام لیتے ہوئے خمس کو جنگی غنائم تک محدود کر دیا۔

اس کے بعد خلیفہ عثمان کی باری آئی اور وہ اپنے اجتہاد کو یوں کام میں لائے کہ خمس اپنے قرابتداروں کے حوالے کر دیا۔ اس کے ساتھ ہی انہوں نے اس مضمون کی ایک حدیث بھی وضع کی کہ رسول اکرمؐ نے فرمایا:

اللہ تعالیٰ اپنے نبی کو روزی کا جو ذریعہ فراہم کرتا ہے، بعد میں اس کا حقدار وہ ہے جو اس کی جگہ لے۔

امیر معاویہ اور ان کے بعد میں ہونے والے تمام خلیفاؤں نے بھی اس مسئلے پر اجتہاد کیا اور خمس کو اپنی ذاتی ملکیت قرار دیا۔

خلیفہ عمر کے اجتہاد کی ایک اور مثال مسلمانوں کو دیے جانے والے وظیفے میں امتیاز برتنا ہے۔ انہوں نے زمانۂ رسول اکرمؐ کے برعکس اس معاملے میں طبقاتی نظام کو رواج دیا۔

یہ خلفاء کے ان اجتہادات کی چند مثالیں ہیں جو انہوں نے احکام اسلام میں کیے تھے۔ ان اجتہادات کو کچھ اور ناموں سے بھی تعبیر کیا گیا ہے جو یہ ہیں:

خلفاء کے اجتہاد کے دوسرے نام

مکتب خلفاء کے اولین طرفداروں نے قرآن و سنت کے احکام میں خلفاء کے اس رد و بدل کی تائید کرتے ہوئے اسے تاویل کا نام دیدیا جو صحیح بھی ہو سکتی تھی اور غلط بھی ہو سکتی تھی۔ یوں انہوں نے قرآن و سنت کے احکام میں تبدیلی کے عمل کو ظاہراً طور پر ایک قابل قبول نام دیدیا۔ مگر ان کے بعد آنے والے علماء نے تبدیلیوں کو اجتہاد کہا اور اپنے خلفاء اور امراء کو مجتہد قرار دیا۔ لیکن مورخین نے ان تبدیلیوں کو

اولیات کا نام دیا۔ مثلاً تاریخ الخلفاء سیوطی میں خلیفہ عمر کی اولیات کا ذکر کرتے ہوئے کہا گیا:

وہ پہلے شخص تھے جنہوں نے رمضان کی راتوں میں با جماعت نماز (تراویح) کو رواج دیا۔[1] وہ پہلے شخص تھے جنہوں نے متعۃ النساء کی ممانعت کی اور انہوں نے ہی نماز جنازہ میں چار تکبیروں کو رواج دیا۔[2] نیز وہ پہلے شخص تھے جنہوں نے وراثت کے حصوں میں تخفیف کا قاعدہ نافذ کیا۔[3]

پھر خلیفہ عثمان کی اولیات کو شمار کرتے ہوئے سیوطی کہتے ہیں:

"وہ پہلے شخص تھے جنہوں نے جاگیریں عطا کیں۔ مثلاً انہوں نے فدک مروان کو دیدیا۔ وہی پہلے شخص تھے جنہوں نے اراضی کے بڑے بڑے قطعات خاصے کے طور پر الگ کر دیے۔ مثلاً انہوں نے ربذہ کا علاقہ اپنے لیے مخصوص کر لیا۔"

امیر شام معاویہ کی اولیات کا ذکر کرتے ہوئے سیوطی کہتے ہیں:

"وہ پہلے شخص تھے جنہوں نے بیٹھ کر خطبہ دیا۔ انہوں نے ہی نماز عید کے لیے اذان رائج کی۔ وہی پہلے شخص تھے جنہوں نے تکبیروں میں کمی کی اور مسجد میں ایک خلوت گاہ بنوائی۔ وہی پہلے شخص تھے جنہوں نے اپنے بیٹے کو اس وقت ولی عہد

[1] صحیح بخاری، کتاب الصیام باب فضل من قام فی رمضان۔ صحیح مسلم باب ترغیب فی قیام رمضان۔ طبقات ابن سعد، لیڈن جلد ۳ طبقہ ا صفحہ ۲۰۲۔ تاریخ یعقوبی جلد ۲ صفحہ ۱۴۰۔ تاریخ طبری جلد ۵ صفحہ ۲۲ تاریخ ابن اثیر جلد ۳ صفحہ ۲۳

[2] مسند احمد حنبل جلد ۴ صفحہ ۳۷۰ جلد ۵ صفحہ ۴۰۶۔ تاریخ ابن اثیر جلد ۳ صفحہ ۲۳

[3] مستدرک حاکم جلد ۴ صفحہ ۳۳۹

بنایا جبکہ وہ خود بحالت صحت و سلامتی حکمران تھے۔"

ان خلفاء کا اجتہاد مذکورہ بالا احکام تک ہی محدود نہ تھا، بلکہ انہوں نے اور بھی بہت سے شرعی احکام میں اپنے اجتہاد سے کام لیا۔ مثلاً خلیفہ عمر نے ایک ہی مجلس میں تین دفعہ طلاق کہنے کو طلاق بائن قرار دیا۔ ان کا یہ فعل رسول اکرمؐ کی سنت کے منافی تھا۔[1]

اسی طرح خلیفہ عمر نے اذان میں سے حی علیٰ خیر العمل کا جملہ حذف کر دیا اور اذان فجر میں الصلوۃ خیر من النوم کے جملے کا اضافہ کر دیا۔[2] انہوں نے لوگوں کی میت پر رونے سے منع کیا اور ایسا کرنے پر سزا دیتے تھے حالانکہ رسول اکرمؐ نے میت پر رونے سے منع نہیں کیا تھا۔ بلکہ خود رسول اکرمؐ نے بھی اموات پر آنسو بہائے[3] نیز مسلمانوں کو اپنے چچا حمزہ کے لیے رونے کو کہا۔[4]

خلیفہ عمر نے عصر کی نماز کے بعد دو رکعت نافلہ پڑھنے کی ممانعت کر دی۔ حالانکہ

---

[1] صحیح مسلم کتاب الطلاق۔ مسند احمد حنبل جلد ۱ صفحہ ۳۱۴۔ سنن ابو داؤد کتاب الطلاق باب نسخ مراجعہ۔ سنن بیہقی جلد ۷ صفحہ ۳۳۶۔ مستدرک حاکم جلد ۲ صفحہ ۱۹۶۔ سنن نسائی باب عدد تکبیرات علی الجنازہ

[2] المصنف۔ ابن ابی شیبہ۔ موطأ، مالک، باب الاذان، شرح تجرید۔ باب الامامت الامامۃ

[3] صحیح بخاری باب الجنائز۔ باب البکاء باب یعذب باب البکار۔ باب نعی اہل میت۔ باب قول النبیؐ، انا بک لمحزونون۔ صحیح مسلم کتاب الجنائز۔ باب بکاء علی المیت، کتاب الفضائل۔ باب رحمتہ من الصبیان والعیال۔ تاریخ طبری و ابن اثیر ذکر موت ابی بکر۔ سنن نسائی کتاب الجنائز۔ مسند احمد حنبل جلد ۱ صفحہ ۳۳۵ جلد ۲ صفحہ ۳۳۳۔ ابن ابی الحدید شرح نہج البلاغہ جلد ۱ صفحہ ۱۱۱

[4] مسند احمد حنبل جلد ۲ صفحہ ۴۰۔ استیعاب۔ ذکر حمزہ بن عبد المطلب

رسول اکرمؐ نے ان کا ادا کرنا کبھی ترک نہیں فرمایا تھا۔[1]

اسی طرح خلیفہ عثمان نے دوران سفر چہار رکعتی نماز پوری پڑھی، حالانکہ اس موقع پر نماز کا قصر کرنا واجب تھا۔[2]

پھر امیر شام معاویہ نے تمام مساجد میں جمعہ اور عیدین کے خطبوں میں امام علیؑ پر نفرین کرنے کا حکم جاری کیا جس پر ۴۱ھ سے لیکر اس وقت تک برابر عمل ہوتا رہا جبکہ عمر بن عبد العزیز نے اسے بند کر دیا۔

اس سلسلے میں خلیفہ یزید کی کارستانیاں اس قدر معروف ہیں کہ انہیں یہاں دہرانے کی چنداں ضرورت نہیں۔

یوں خلفاء اور مکتب خلفاء کے ممتاز اشخاص کی طرف سے قرآن و سنت کے احکام میں تغیر و تبدل کا عمل جاری رہا۔ اس عمل کو کبھی تعبیر، کبھی تاویل اور کبھی اجتہاد کا نام دیا جاتا رہا، تاہم اس کا مشہور نام اجتہاد ہی ہے۔ جس چیز نے حالات کو بد سے بدتر کر دیا وہ وہی حدیثیں ہیں جو خلفاء کے اقوال اور افعال کو حق بجانب ثابت کرنے کے لیے وضع کی گئیں۔

خلفاء کو حق بجانب ثابت کرنے کے لیے وضعی احادیث

قرآن و سنت کے احکام کے برعکس خلفاء نے جو اجتہاد کیا ہم اس کی مثالیں اوپر درج کر چکے ہیں۔ یوں ہم نے واضح کیا ہے کہ کس طرح انہوں نے اسلامی احکام

---

[1] صحیح مسلم باب رکعتیں بعد عصر۔ مالک، موطأ۔ باب نہی صلوٰۃ بعد فجر و عصر۔ شرح زرقانی

[2] صحیح بخاری۔ باب تقصیر۔ صحیح مسلم۔ کتاب صلوٰۃ مسافرین۔ مسند احمد حنبل جلد ۲ صفحہ ۹۲ تاریخ طبری و ابن اثیر۔ ذکر ما نقم علی عثمان

کے مقابلے میں نئے قواعد وضع کیے۔

حیرت کا مقام ہے کہ مکتب خلفاء کے بعض محدثین نے خلفاء کے اس اجتہاد کی تائید میں حضرت رسول ص کے نام پر حدیثیں وضع کیں، جن کے مطابق آپ نے اس قسم کے اجتہادات کی اجازت دے رکھی ہے۔

علاوہ ازیں امیر شام معاویہ نے بھی خلفاء کے اقدامات کو حق بجانب ٹھہرانے کے لیے حدیثیں وضع کرانے کا خصوصی انتظام کیا، جیسا کہ ہم اس کتاب کے مناسب مقامات پر اور اپنی دیگر تصانیف[1] میں وضاحت کر چکے ہیں۔ اس سلسلے میں رسول اکرم ص سے جو جھوٹی باتیں منسوب کی گئیں ان کی چند مثالیں یہ ہیں:

مثلاً یہ کہا گیا کہ رسول اکرم ص نے خلفاء کی مخالفت کرنے سے منع فرمایا اور مسلمانوں کو ہر حالت میں ان کی فرمانبرداری کرنے کا حکم دیا تھا۔ جیسے مسلم اور ابن کثیر وغیرہ نے روایت کی ہے۔ عبارت ابن کثیر کی ہے:

"جب لوگوں نے یزید کی بیعت توڑ دی تو عبداللہ ابن عمر نے اپنے بیٹوں اور خاندان کے دوسرے افراد کو جمع کیا اور اقرار شہادتین کے بعد ان سے کہا: ہم نے یزید کے ہاتھ پر اللہ اور اس کے رسول ص کی بیعت کی ہے۔ میں نے رسول اکرم ص کو یہ فرماتے ہوئے سنا: جو شخص بیعت توڑے گا، قیامت کے دن اللہ کے سامنے اپنے اس عمل پر اس کے پاس کوئی عذر نہ ہوگا۔ جو شخص اس حالت میں مرا کہ بیعت توڑ چکا ہو، وہ جاہلیت کی موت مرے گا۔" لہٰذا تمہیں چاہیے کہ یزید کی بیعت نہ توڑو اور خلافت سے اس کی معزولی کی کسی کارروائی

[1] مؤلف کا اشارہ اپنی ان دو کتابوں کی طرف ہے: احادیث عائشہ۔ محاضرتنا

میں حصہ نہ لو اور کوئی تجاوز نہ کرو، ورنہ میرا تم سے کوئی تعلق نہیں رہے گا۔[1]

مسلم نے حذیفہ کی سند سے روایت کی ہے کہ رسول اکرم ص نے فرمایا:

"میرے بعد کئی ایسے امام ہوں گے، جو میری تعلیمات اور میری سنت پر عمل نہیں کریں گے۔ ان میں سے کچھ تو ایسے ہوں گے جن کے انسانی جسموں میں شیطان جیسے دل ہوں گے۔"

حذیفہ کہتے ہیں کہ میں نے آنحضرت ص سے دریافت کیا: یا رسول اللہ ص! اگر میں ایسے حالات میں موجود ہوں تو مجھے کیا کرنا چاہیے؟

آپ نے فرمایا: "تمہارا حاکم خواہ تمہاری کمر پر دُرّے لگائے یا تمہاری جائیداد چھین لے، تمہیں بہرحال اس کی اطاعت کرنی چاہیے۔"

لیکن امامت کے موضوع پر بحث کرتے ہوئے ہم بتا چکے ہیں کہ یہ روایت حذیفہ کی وفات کے بعد ان سے منسوب کر دی گئی ہے۔ کیونکہ وہ ۳۶ھ میں وفات پا گئے تھے۔

صحیح مسلم میں ہی یہ چار روایات بھی درج ہیں:

۱۔ زید ابن وہب نے عبداللہ کی سند سے روایت کی کہ آنحضرت ص نے فرمایا: "میرے بعد تم ایسی چیزیں دیکھو گے جن پر تمہیں اعتراض ہوگا۔" صحابہ نے پوچھا: یا رسول اللہ ص! ایسے حالات میں ہمیں کیا کرنا چاہیے؟ آنحضرت ص

[1] تاریخ ابن کثیر جلد ۷ صفحہ ۲۳۲۔ نیز قبل ازیں امامت کی بحث میں مسلم اور دیگر محدثوں کی روایتیں نقل کی گئی ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ رسول اکرم ص نے اس موضوع پر جو کچھ فرمایا، اس کا تعلق امام حق سے تھا جس کی اطاعت ــــ رسول ص کی مانند ہے لیکن یزید کی بیعت اور اطاعت سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے۔

نے جواب دیا: اپنے فرائض ادا کرو اور اپنے حقوق طلب کرو۔

۲ــــ وائل حضرمی نے روایت کی ہے کہ سلم ابن یزید نے رسول اکرمؐ سے دریافت کیا: یا رسول اللہؐ! اگر حکام اپنے حقوق مانگیں اور ہمارے حقوق پامال کریں تو ہمیں کیا کرنا چاہیے؟ آنحضرتؐ نے جواب دیا: تم ان کی اطاعت کرو۔ وہ اپنے اعمال کے لیے جوابدہ ہیں اور تم اپنے اعمال کے ذمہ دار ہو۔

۳ــــ ابوہریرہ نے روایت کی ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا: جو شخص ایسے حاکم کی بیعت توڑے اور جماعت سے الگ ہو جائے وہ کافر کی موت مرے گا۔

عوف ابن مالک اشجعی نے روایت کی ہے کہ میں نے رسول اکرمؐ کو یہ فرماتے ہوئے سنا: تمہارے بہترین حاکم وہ ہیں جن سے تم محبت کرو اور وہ تم سے محبت کریں۔ تم ان کی بھلائی چاہو اور وہ تمہاری بھلائی چاہیں ــــ لیکن تمہارے بدترین حاکم وہ ہیں جن سے تم نفرت کرو اور وہ تم سے نفرت کریں۔ تم ان پر لعنت کرو اور وہ تم پر لعنت کریں۔

عوف کا کہنا ہے کہ صحابہ نے آنحضرتؐ سے پوچھا: آیا ہم ایسے حاکموں کی مزاحمت کریں؟ اس پر آپ نے فرمایا: نہیں ــــ تمہیں اس وقت تک ان کی مزاحمت نہیں کرنی چاہیے جب تک وہ تمہارے درمیان نماز قائم رکھیں۔ اگر تمہارا حاکم کوئی گناہ کرے تو تمہیں اس پر ناپسندیدگی کا اظہار کرنا چاہیے لیکن اس سے اپنی بیعت نہیں توڑنی چاہیے۔[1]

خلفاء کے اجتہاد کا نتیجہ

ان تمام باتوں کا نتیجہ یہ نکلا کہ حضرت رسول کے بنائے ہوئے اسلامی احکام

[1] صحیح مسلم۔ کتاب الامارت حدیث نمبر ۴۵-۴۹-۵۳-۵۴-۶۶

میں الجھاوے پڑ گئے، حتیٰ کہ ان میں سے بعض احکام کو تو مسلمان فراموش ہی کر بیٹھے تھے۔ تاہم ان کے بجائے مسلمانوں میں کچھ ایسے طور طریقے رواج پا گئے جو خلفاء نے اپنے اجتہاد اور سیاسی ضرورت کے تحت جاری کیے تھے۔

پھر یہ ہوا کہ یمن، حجاز اور شام سے لے کر ایران اور افریقہ تک کے تمام مقبوضہ ممالک میں انہی طور طریقوں کو اسلامی قانون کے نام پر رائج کر دیا گیا اور حضرت رسولؐ کے احکام پس منظر میں چلے گئے۔

اگر رسول اکرمؐ کا کوئی حکم یاد بھی رہ گیا تھا تو بھی اگر وہ خلیفہ کے احکام کے خلاف ہوتا تو اس زمانے کے مسلمانوں کے نزدیک دینداری کا تقاضا یہی تھا کہ وہ خدا اور رسول اکرمؐ کے حکم کی بجائے خلیفہ ہی کی اطاعت کریں۔

جیسا کہ ایک شامی نے خانہ کعبہ پر سنگباری کرتے ہوئے کہا: یہاں حرمت کعبہ اور اطاعت خلیفہ کے درمیان مقابلہ آپڑا تھا جس میں آخر کار اطاعت خلیفہ ہی غالب آئی ہے۔

تب حجاج نے پکار پکار کر کہا:

اے اہل شام! اللہ نے ہی اطاعت کا حکم دیا ہے۔

پس اگر خلیفہ کی اطاعت کا سوال نہ ہوتا، تو وہ لوگ یقیناً ایسے ہولناک گناہوں کا ارتکاب نہ کرتے۔

خلفاء کے فرمانبرداروں کا دوسرا پہلو

وہ لوگ جنہوں نے خلفاء کے حکم پر شعائر کی حرمت پامال کی اور خاندان رسالت کو تہ تیغ کیا تھا۔ اب ان لوگوں کا دوسرا پہلو بھی دیکھنا چاہیے:

۱ــــ حصین بن نمیر کہ جو خانہ خدا پر حملے کا سالار تھا

خانہ کعبہ کا کوئی کبوتر بے خبری میں اس کے گھوڑے کے پاؤں تلے کچلا نہ جائے۔

۲ـــــ وہ شمر کہ جس نے امام حسینؑ کو شہید کیا' اس کی کیفیت بھی کچھ ایسی ہی تھی۔ ذہبی کہتے ہیں:

شمر ذی الجوشن نماز فجر پڑھتا پھر طلوع آفتاب تک مصلے پر بیٹھا رہتا' پھر نماز اشراق پڑھا کرتا تھا۔ وہ اللہ تعالیٰ سے دعا مانگتے ہوئے کہا کرتا: اے پروردگار! مجھے معاف کردے!

ایک شخص نے اس سے کہا: اللہ تعالیٰ تمہیں کیسے معاف کر سکتا ہے جبکہ نواسۂ رسولؐ کے خلاف جنگ کی اور انہیں قتل کیا؟

شمر نے جواب دیا: وائے ہو تم پر ـــــ اس وقت میں اس کے سوا کر بھی کیا سکتا تھا؟ جبکہ ہمارے حاکموں نے ہمیں ایسا کرنے کو کہا اور ہم ان کی حکم عدولی نہیں کر سکتے تھے۔ اگر ہم ان کی مخالفت کرتے تو ہماری حالت ایک گدھے سے بھی بدتر ہو جاتی۔ [1]

۳ـــــ کعب ابن جابر' جس نے کربلا میں امام مظلومؑ کے خلاف جنگ لڑی' وہ اپنی مناجات میں یوں کہا کرتا تھا: اے پروردگار! میں نے اپنا فرض ادا کر دیا۔ میرے ساتھ ان لوگوں جیسا سلوک نہ کرنا جنہوں نے غداری کی۔ غدار سے اس کی مراد وہ لوگ تھے جنہوں نے خلیفہ یزید کی مخالفت کی اور اس کا حکم نہیں مانا۔

۴ـــــ ۱۰ محرم کو عمرو ابن الحجاج' اصحاب حسینؑ کی جانب بڑھا اور بولا: اے کوفہ کے لوگو! فرمانبرداری میں ثابت قدم اور اپنی جماعت سے وابستہ رہو۔ ان لوگوں

---

[1] ذہبی۔ تاریخ اسلام جلد ۳ صفحہ ۱۸ - ۱۹

کو قتل کرنے میں تامل نہ کرو' جو دین سے پھر گئے ہیں اور امام یزید کی مخالفت کر رہے ہیں۔

وہ لوگ خلیفہ کی اطاعت کے بارے میں اس قدر راسخ تھے کہ انہوں نے اس کے حکم سے جن گناہان کبیرہ کا ارتکاب کیا' ان کے بارے میں وہ یہ امید کرتے تھے کہ ان کے یہ اعمال قیامت کے دن ان کی نجات کا موجب بن جائیں گے۔ جیسا کہ ہم جانتے ہیں کہ ایک مسلمان نے دم مرگ یہ الفاظ کہے:

بارالہا! اسلام قبول کرنے کے بعد میں نے مدینہ کے لوگوں کو قتل کرنے سے بڑھ کر کوئی اور کار خیر نہیں کیا۔ قیامت میں میری تمام امیدیں اسی عمل سے وابستہ ہیں۔ اگر اب بھی جہنم میں ڈالا جاؤں تو یہ میری بدقسمتی ہوگی۔

کیا آپ نے یہ دینداری ملاحظہ کی؟ کیا آپ نے دیکھا کہ روز قیامت کے لیے کونسا عمل سب سے اچھا سمجھا جاتا تھا؟ کیا آپ نے دیکھا کہ کس طرح خلفاء نے اسلام کو زیر و زبر کیا؟

جن لوگوں نے امام حسینؑ کو قتل کیا وہ اپنی نمازوں میں محمدؐ و آل محمدؐ پر درود و سلام پڑھتے ہوئے امام حسینؑ پر بھی درود بھیجتے تھے۔ لیکن اس کے باوجود ان لوگوں نے امام مظلومؑ کو قتل کر دیا۔

جو لوگ خانہ کعبہ پر حملہ آور ہوئے وہ اسی خانۂ خدا کی جانب رخ کر کے نماز پڑھتے تھے۔ پھر بھی اس پر منجنیقوں کے ذریعے پتھر پھینکتے اور آگ برساتے تھے۔

یہ سب کچھ خلیفہ کے حکم سے کیا جاتا رہا۔ کیونکہ اس دور میں اللہ کا حکم ماننے کی بجائے' خلیفہ کا حکم ماننا زیادہ ضروری سمجھا جاتا تھا۔ جس خلیفہ نے کعبہ پر منجنیقوں کے ذریعے سنگباری کا حکم دیا وہ فرعون سے بھی زیادہ فاسق' ظالم اور شقی تھا۔ کیونکہ فرعون نے کبھی اپنی عبادت گاہ کو ڈھا دینے کا حکم نہیں دیا۔ فقط مسلمانوں کے خلفاء

یزید اور عبدالملک ہی تھے جو مسلمانوں کے خلیفہ بنے تھے جنھوں نے یہ فعل انجام دیا۔

ہاں تو یہ تھا وہ انداز فکر جس میں مکتب خلفاء نے ترقی کی۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ بعد میں مسلمانوں کو حق و صداقت کا احساس کیونکر ہوا؟

مسلمان کیسے بیدار ہوئے

خلفاء کے اجتہاد سے شریعت محمدیہ کو ایسا ہی نقصان پہنچا جیسے سابقہ انبیاء کی شریعتوں میں بگاڑ پیدا ہوا تھا۔ چنانچہ جب تک خلیفہ کے اجتہاد پر مبنی احکام کی بلا چون وچرا تعمیل کی صورت موجود تھی، معاشرے میں اصل اسلامی احکام کا احیاء ممکن نہ تھا۔[1]

لہٰذا یہ ضروری تھا کہ مسلمانوں کے دلوں سے خلیفہ کے جھوٹے تقدس کا نقش مٹا دیا جائے اور پھر لوگوں کو اسلام کے اصل قوانین سے روشناس کرایا جائے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اس انقلاب کی تکمیل کے لیے امام حسینؑ کا انتخاب کیا۔

خدا اور رسولؐ نے انقلاب کی خاطر حسینؑ کو چنا

اللہ تعالیٰ نے امام حسینؑ کو یہ مقام عطا کیا کہ وہ خلافت کے اس فرضی تقدس کو ملیامیٹ کر دیں جو لوگوں کے دلوں میں جاگزیں تھا۔ چنانچہ اہلبیتؑ کے بارے میں قرآن مجید اور حدیث رسولؐ کے واضح ارشادات کی بدولت امام حسین کی کامیابی کے لیے مطلوبہ فضا پہلے ہی وجود میں آچکی تھی۔ رسول اکرمؐ نے مسلمانوں کے سامنے

۱؎ ملاحظہ ہو لسان العرب و تاج العروس (مادۂ عبد) عبد، عبادت، عبودت اور عبودیت کے معنی ہیں اطاعت یا عبادت۔ اور اطاعت یا عبادت میں حکم ماننے میں عجز و انکسار بھی شامل ہوتا ہے۔

اہلبیت اور بالخصوص امام حسینؑ کے بلند مقام کی وضاحت کر دی تھی۔ جب یہ آیہ مبارکہ نازل ہوئی: قُلْ لَّآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبٰى۔

(اے رسولؐ!) کہہ دیجیے کہ میں تم سے اس کے علاوہ اور کوئی اجر رسالت نہیں مانگتا کہ تم میرے قرابتداروں سے محبت رکھو۔

(سورۂ شوریٰ۔ آیت ۲۳)

تب آنحضرتؐ نے بالصراحت فرما دیا تھا "میرے قرابتداروں سے مراد علیؑ، فاطمہؑ، حسنؑ اور حسینؑ ہیں۔"[1]

تب آیت تطہیر کے نزول کا موقع آیا اور رسول اکرمؐ نے محسوس کیا کہ رحمت حق نازل ہونیوالی ہے تو آپ نے علیؑ، فاطمہؑ، حسنؑ اور حسینؑ کو بلایا اور ان سب کو اپنی چادر میں لے لیا۔ تب یہ آیت نازل ہوئی: اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ الخ

اے اہلبیتؑ! اللہ نے ارادہ کر لیا ہے کہ تم سے ہر نجاست کو دور کر دے اور تمھیں مکمل طور پر پاک و پاکیزہ رکھے (سورۂ احزاب۔ آیت ۳۳)

پھر رسول اکرمؐ نے بارگاہِ الٰہی میں عرض کیا:

یا اللہ! یہ ہیں میرے اہلبیتؑ! اس کے بعد آپ بطور معمول ہر روز پانچ مرتبہ واجب نمازوں کے وقت فاطمہ زہراؑ کے دروازے پر آکر سلام کہتے اور پھر آیت تطہیر کی تلاوت فرماتے۔[2]

۱؎ تفاسیر طبری، زمخشری، سیوطی: بیان آیت مودّت۔ مستدرک الصحیحین جلد ۳ صفحہ ۱۷۲۔ ذخائر العقبیٰ طبری صفحہ ۱۳۸۔ اسد الغابہ جلد ۵ صفحہ ۳۶۷۔ حلیۃ الاولیاء جلد ۳ صفحہ ۲۰۱۔ مجمع الزوائد جلد ۷ صفحہ ۱۰۳۔ جلد ۹ صفحہ ۱۶۸

۲؎ تفسیر درمنثور، بیان آیت تطہیر

آیت مباہلہ، قرآن مجید کی ایک اور معروف آیت ہے، جس میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

(اے رسولؐ!) جب آپ کے پاس علم آچکا تو پھر اگر کوئی اس بارے میں آپ سے بحث کرے تو کہہ دیجیے کہ ہاں آؤ ہم اپنے بیٹوں کو بلائیں اور تم اپنے بیٹوں کو، ہم اپنی عورتوں کو بلائیں اور تم اپنی عورتوں کو، پھر ہم سب مل کر اللہ کی بارگاہ میں گڑگڑائیں اور جھوٹوں پر اللہ کی لعنت کریں۔ (سورۂ آل عمران۔ آیت ۶۱)

جب یہ آیت نازل ہوئی تو رسول اکرمؐ نے نجران کے عیسائیوں کے حق و باطل کا معاملہ طے کرنے کے لیے اس کے مطابق عمل کرنے کا فیصلہ کیا۔ چنانچہ آپ علیؑ، فاطمہؑ، حسنؑ اور حسینؑ کو ساتھ لے کر مباہلہ کے میدان میں پہنچ گئے۔[1]

ایک روایت کے مطابق اس وقت آنحضرتؐ نے حسینؑ کو دوش پر اٹھا رکھا تھا۔ حسنؑ کا ہاتھ تھامے ہوئے تھے۔ فاطمہؑ آپ کے پیچھے چل رہی تھیں اور فاطمہؑ کے پیچھے علیؑ تھے۔

وہاں پہنچ کر آنحضرتؐ نے ان سے کہا: جب میں دعا مانگوں تو تم سب آمین کہنا!

جب نجران کے اُسقف نے یہ منظر دیکھا، تو کہنے لگے:

۱ صحیح مسلم۔ فضائل علی، باب فضائل صحابہ + سنن ترمذی ۔ مستدرک الصحیحین جلد ۳ صفحہ ۱۵۰ + مسند احمد حنبل جلد ۱ صفحہ ۱۸۵ + سنن بیہقی جلد ۷ صفحہ ۶۳ + تفسیر طبری و سیوطی بیان آیت مباہلہ + اسباب النزول واحدی، صفحہ ۷۵-۷۶

"اے گروہ نصاریٰ! میں ایسے چہرے دیکھ رہا ہوں، اگر وہ اللہ سے دعا کریں کہ وہ ایک پہاڑ کو اس کی جگہ سے سرکا دے تو وہ ان کی دعا قبول کرے گا۔ بہتر یہ ہے کہ تم ان کے ساتھ مباہلہ کرنے سے باز رہو۔ اگر تم نے ایسا کیا تو یقیناً تباہ ہو جاؤ گے۔"

چنانچہ انہوں نے جزیہ ادا کرنے کی شرط پر مسلمانوں سے صلح کر لی۔[1] اس وقت کے مسلمان ان آیات کی روزانہ تلاوت کیا کرتے تھے۔ انہوں نے رسول اکرمؐ کو ان کی تشریح فرماتے ہوئے سنا اور عملی طور پر ان کی وضاحت کرتے ہوئے بھی دیکھا تھا۔ انہوں نے آنحضرتؐ کا یہ ارشاد بھی سنا تھا کہ اگر کوئی شخص نماز پڑھے لیکن مجھ پر اور میرے اہلبیتؑ پر درود نہ بھیجے تو اس کی نماز قبول نہیں ہوگی۔[2]

جب صحابہ نے دریافت کیا کہ یا رسول اللہؐ! آپ پر درود کیسے بھیجا جائے تو آپ نے فرمایا کہو:

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرَاھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ۔
اَللّٰھُمَّ بَارِکْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا بَارَکْتَ عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرَاھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ۔

۱ زمخشری تفسیر کشاف، فخر الدین رازی تفسیر کبیر بیان آیت مباہلہ + شبلنجی نور الابصار صفحہ ۱۰۰

۲ سنن بیہقی جلد ۲ صفحہ ۳۷۹ + سنن دار قطنی صفحہ ۱۳۶

۳ صحیح بخاری، کتاب الدعوات۔ باب صلاۃ علی النبیؐ، کتاب التفسیر آیت ان اللہ وملائکتہ + صحیح مسلم۔ کتاب الصلاۃ، باب صلاۃ علی النبیؐ بعد تشہد + مسند احمد حنبل جلد ۲ صفحہ ۴۷ جلد ۵ صفحہ ۳۵۳ + بخاری ادب المفرد صفحہ ۹۲ + صحیح ترمذی، سنن نسائی، ابن ماجہ + سنن بیہقی جلد ۲ صفحہ ۱۴۷، ۳۷۹ + سنن دار قطنی صفحہ ۱۳۵ + مستدرک شافعی صفحہ ۲۳

مسلمانوں نے آنحضرتؐ کو علیؑ، فاطمہؑ، حسنؑ اور حسینؑ سے یہ فرماتے ہوئے بھی سنا تھا:

"میری اس کے ساتھ جنگ ہے، جس سے تم جنگ کرو اور اس کے ساتھ صلح ہے جس سے تم صلح کرو۔" [1]

ایک اور روایت کے مطابق آپ نے فرمایا:

"جو تم سے جنگ کرے، اس سے میری جنگ ہے اور جو تم سے صلح کرے اس سے میری صلح ہے۔" [2]

آنحضرتؐ نے حسنؑ اور حسینؑ کے ہاتھ پکڑے اور فرمایا:

"جو کوئی مجھ سے، ان دونوں سے اور ان کے ماں باپ سے محبت کرے گا، وہ قیامت کے دن میرے احاطے میں میرے ساتھ ہوگا۔" [3]

آپ نے یہ بھی فرمایا:

مستدرک الصحیحین جلد ۱ صفحہ ۲۶۹ + تفسیر طبری۔ بیان آیت ان اللہ وملائکتہ

[2] و [3] سنن ترمذی، کتاب المناقب + مقدمہ ابن ماجہ + مستدرک الصحیحین جلد ۳ صفحہ ۱۴۹ + مسند احمد حنبل جلد ۲ صفحہ ۴۴۲ + اسد الغابہ جلد ۳ صفحہ ۱۱ جلد ۵ صفحہ ۵۲۳ + مجمع الزوائد جلد ۹ صفحہ ۱۶۹ + تاریخ بغداد جلد ۷ صفحہ ۱۳۶ + ریاض النضرہ جلد ۲ صفحہ ۱۹۹ + ذخائر العقبیٰ صفحہ ۲۳

[3] مسند احمد حنبل جلد ۱ صفحہ ۷۷ + سنن ترمذی۔ کتاب المناقب + تاریخ بغداد جلد ۳ صفحہ ۲۷۸ + تہذیب التہذیب جلد ۱۰ صفحہ ۴۳۰ + کنز العمال۔

"حسنؑ اور حسینؑ اس دنیا میں میرے دو پھول ہیں۔" [1]

ایک دفعہ رسول اکرمؐ نے فرمایا: کیا میں تمہیں بتاؤں کہ لوگوں میں کون اپنے نانا، نانی کی نسبت سے بہترین ہے؟

کیا میں تمہیں بتاؤں کہ لوگوں میں کون اپنے چچا اور پھوپی کی نسبت سے بہترین ہے؟

کیا میں تمہیں بتاؤں کہ کون اپنے ماموں اور خالہ کی نسبت سے بہترین ہے؟

کیا میں تمہیں بتاؤں کہ لوگوں میں کون اپنے ماں باپ کی نسبت سے بہترین ہے؟

پھر فرمایا: "حسنؑ اور حسینؑ ہیں۔" [2]

---

[1] ایک شخص ابن عمر کے پاس آیا اور مچھر کو مارنے کا مسئلہ پوچھا۔ ابن عمر نے پوچھا: "تم کہاں کے رہنے والے ہو؟" اس نے جواب دیا: "میں عراق کا رہنے والا ہوں۔" اس پر ابن عمر نے کہا: "اس شخص کو دیکھو! یہ مجھ سے مچھر مارنے کے بارے میں پوچھ رہا ہے جبکہ انہی عراقیوں نے رسول اللہؐ کے نواسے کو قتل کر دیا۔ حالانکہ میں نے آنحضرتؐ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ: حسنؑ اور حسینؑ اس دنیا میں میرے دو پھول ہیں۔"

یہ واقعہ مندرجہ ذیل کتب میں آیا ہے:

صحیح بخاری، کتاب بدء الخلق، باب مناقب الحسنؑ والحسینؑ، باب رحمۃ الولد + ادب المفرد صفحہ ۱۶ + سنن ترمذی + مسند احمد حنبل جلد ۲ صفحہ ۸۵-۹۳-۱۱۴-۱۵۳ + مسند طیالسی جلد ۸ صفحہ ۱۶۰ + خصائص نسائی صفحہ ۳۷ + مستدرک حاکم جلد ۳ صفحہ ۱۶۵ + ریاض النضرہ جلد ۲ صفحہ ۲۳۲ + ابو نعیم، حلیۃ الاولیاء جلد ۳ صفحہ ۲۰۱ جلد ۵ صفحہ ۷۰ + فتح الباری جلد ۸ صفحہ ۱۰۰ + مجمع الزوائد جلد ۹ صفحہ ۱۸۱

[2] ہیثمی، مجمع الزوائد جلد ۹ صفحہ ۱۸۴ + ذخائر العقبیٰ صفحہ ۱۳۰ + کنز العمال

آنحضرتؐ فرمایا کرتے تھے: "حسنؑ اور حسینؑ میرے بیٹے اور میری بیٹی کے بیٹے ہیں۔ اے پروردگار! میں ان کو دوست رکھتا ہوں، پس تو بھی ان کو دوست رکھ اور جو ان کو دوست رکھتا ہے، اس کو بھی دوست رکھ۔" [۱]

آپ یہ بھی فرماتے تھے: "جو حسنؑ اور حسینؑ کو دوست رکھتا ہے، وہ مجھے دوست رکھتا ہے اور جو ان سے نفرت کرتا ہے وہ مجھ سے نفرت کرتا ہے۔" [۲]

آنحضرتؐ نے فرمایا:

"تمام انسان اپنے آبائے پدری سے منسوب ہوتے ہیں، سوائے اولادِ فاطمہؑ کے پس میں ان کا باپ اور جدِ اعلیٰ ہوں۔" [۳]

جب رسولِ اکرمؐ مسجدِ نبوی میں نماز پڑھتے ہوئے حالتِ سجدہ میں ہوتے تو اکثر ایسا ہوتا کہ حسنؑ اور حسینؑ آپؐ کی کمر پر سوار ہو جاتے۔ جب آپ سر اٹھاتے تو انہیں پکڑ کر آرام سے زمین پر بٹھا دیتے اور پھر بار بار یہی ہوتا رہتا۔ [۴]

---

[۱] صحیح ترمذی، کتاب المناقب + خصائص نسائی صفحہ ۲۲ + کنز العمال۔

[۲] سنن ابن ماجہ، فضائل حسنؑ و حسینؑ + مسند احمد حنبل جلد ۲ صفحہ ۲۸۸، ۴۴۰، ۵۳۱ جلد ۵ صفحہ ۳۶۹ + تاریخ بغداد جلد ۱ صفحہ ۱۴۱ + کنوز الحقائق استنبول صفحہ ۱۳۲ + مسند طیالسی جلد ۱ صفحہ ۳۲۷، ۳۳۲ + مجمع الزوائد جلد ۹ صفحہ ۱۸۰، ۱۸۱، ۱۸۵ + سنن بیہقی جلد ۲ صفحہ ۲۶۳ جلد ۴ صفحہ ۲۸ + حلیۃ الاولیاء جلد ۸ صفحہ ۳۰۵ + مستدرک الصحیحین جلد ۳ صفحہ ۱۶۶، ۱۷۱۔

[۳] مستدرک الصحیحین جلد ۳ صفحہ ۴۶ + تاریخ بغداد جلد ۱۱ صفحہ ۲۸۵ + مجمع الزوائد جلد ۹ صفحہ ۱۷۲ + ذخائر العقبیٰ صفحہ ۱۲۱ + کنز العمال جلد ۶ صفحہ ۲۲۰، ۲۶۶۔

[۴] مستدرک الصحیحین جلد ۳ صفحہ ۱۶۳، ۱۶۵، ۶۲۶ + مسند احمد حنبل جلد ۲ صفحہ ۵۱۳ جلد ۳ صفحہ ۴۹۳ جلد ۵ صفحہ ۵۱ + سنن بیہقی جلد ۲ صفحہ ۲۶۳۔ ہیثمی، مجمع الزوائد جلد ۹ صفحہ ۱۸۱، ۱۸۲، ۲۷۵ ذخائر العقبیٰ صفحہ ۱۳۲ + اسد الغابہ جلد ۲ صفحہ ۳۸۹ ریاض النضرہ صفحہ ۱۳۲۔

ایک دن آنحضرتؐ مسجد میں خطبہ دے رہے تھے۔ اس دوران میں حسنؑ اور حسینؑ آپؐ کی جانب آئے، جبکہ انہیں چلتے ہوئے ٹھوکریں لگ رہی تھیں۔ رسولِ اکرمؐ منبر سے اتر آئے اور انہیں اپنی گود میں بٹھا لیا۔ [۱]

جو قرآنی آیات اور احادیث اوپر نقل کی گئی ہیں، ان سے پتا چلتا ہے کہ اللہ اور اس کے رسولؐ نے مسلمانوں کو اس امر کے لیے تیار کیا تھا کہ وہ آنحضرتؐ کے وصال کے بعد اہلبیتؑ کا بالخصوص احترام کریں اور ان کے وفادار رہیں۔ علاوہ ازیں خمس اور رسولِ اکرمؐ کے قرابتداروں کے بارے میں آمدہ آیات و احادیث بھی اس امر کی تائید کرتی ہیں۔ نیز سورۂ دہر اور اس کی تفسیر میں وارد احادیثِ نبوی کی بھی یہی کیفیت ہے۔ [۲]

ان احادیث میں امام حسینؑ کا نام بالخصوص لیا گیا ہے۔ ان کی ولادت کے روز اور بعد میں بھی اللہ تعالیٰ نے رسولِ اکرمؐ کو ان کی شہادت کی خبر دی تھی۔ پھر آنحضرتؐ نے یہ خبر متعدد مرتبہ اپنی امت تک پہنچائی۔ [۳]

حضرت رسولؐ کے بعد امام علیؑ نے بھی امام حسینؑ کی شہادت کے بارے میں جو کچھ سنا تھا، دیگر مقامات کے علاوہ راہِ صفین میں اسے اپنے لشکر کے سامنے دہرایا۔

---

[۱] مسند احمد حنبل جلد ۲ صفحہ ۳۸۹، جلد ۵ صفحہ ۳۵۴ + مستدرک حاکم جلد ۱ صفحہ ۲۸۷، جلد ۴ صفحہ ۱۸۹ + سنن بیہقی جلد ۳ صفحہ ۲۱۸، جلد ۶ صفحہ ۱۶۵ + سنن ابن ماجہ، کتاب اللباس، باب لبس الاحمر رجال + سنن نسائی، باب صلاۃ الجمعہ۔ سنن ترمذی، کتاب المناقب۔ [۲] الواحدی، اسباب النزول صفحہ ۳۳۱ اسد الغابہ جلد ۵ صفحہ ۵۳۰۔ ریاض النضرۃ جلد ۳ صفحہ ۲۲۷ + نور الابصار شبلنجی و تفسیر سیوطی بیان آیت اطعام [۳] تاریخ طبری جلد ۶ صفحہ ۲۳۳ + مسند احمد حنبل، کتاب الفضائل۔

پھر جنگ صفین کے دوران میں آپ نے مزید فرمایا:

"میں ایسا نہیں کرسکتا کہ حسنؑ اور حسینؑ کو مرجانے دوں، کیونکہ مجھے ڈر ہے کہ اگر میں نے ایسا کیا تو رسول اللہؐ کی نسل منقطع ہو جائے گی۔" [1]

اس طرح مسلمانوں کو متوجہ کیا گیا کہ وہ امام حسینؑ کے بلند مرتبے کو پہچانیں، ان سے محبت رکھیں اور ان کا خصوصی احترام کریں۔ علاوہ ازیں رسول اکرمؐ نے بارہ اماموں کے بارے میں جو نص فرمائی تھی، بہت سے مسلمانوں کو اس کا بھی علم تھا۔ آپ نے ان اماموں کو اسلام کا علمبردار اور محافظ قرار دیا اور فرمایا تھا کہ امام حسینؑ ان میں سے تیسرے ہیں۔

بہرصورت امام حسینؑ اپنے زمانے میں اس محبت کے واحد حقدار تھے جو مسلمانوں کو ان کے نانا سے تھی۔ یہی وجہ تھی کہ مسلمانوں نے ان کے ہاتھ پر بیعت کرنے اور معاویہ کے بعد انہیں حقیقی خلیفہ تسلیم کرنے کی خواہش ظاہر کی۔ وہ چاہتے تھے کہ ایک جائز حقدار ہوتے ہوئے آپ مسند خلافت پر جلوہ افروز ہوں۔ تاہم اگر آپ کو خلافت حاصل ہو بھی جاتی تو آپ ان اسلامی احکام کو دوبارہ نافذ نہ کرپاتے، جن کو خلفاء نے اپنے اجتہاد سے کام لیتے ہوئے تبدیل کردیا تھا، جیسے آپ کے والد بزرگوار امام علیؑ ان احکام کو ان کی حقیقی شکل میں نہ لاسکے، جو ان کے تین پیشرو خلفاء نے بدل دیے تھے۔ [2]

اگر امام حسینؑ خلیفہ بن جاتے تو وہ اس امر پر مجبور ہوتے کہ معاویہ کے

---

[1] نہج البلاغہ، خطبہ ۲۵

[2] بحار الانوار جلد ۴۲ صفحہ ۱۹۵، ۱۹۶۔

اقدامات کی توثیق کریں اور ان کو باقی رکھیں جن میں مسلمانوں کے منبروں پر سے امام علیؑ پر سب وشتم کرنے کی بدعت شنیعہ بھی شامل تھی۔ نیز آپ سابقہ خلفاء کے اجتہادات کے خلاف بھی کچھ نہ کرپاتے۔ تاہم جب مسلمان انہیں خلیفہ بنانے میں کامیاب نہ ہوسکے تو امام حسینؑ کی حیثیت بھی مکہ اور مدینہ کے حرمین شریفین جیسی ہوگئی۔ جنہیں لوگ مقدس تو سمجھتے تھے لیکن انھوں نے خلیفہ کے حکم سے ان کی بے حرمتی بھی کرڈالی۔ چنانچہ فرزدق کی یہ بات درست ثابت ہوئی کہ لوگوں کے دل آپ کے ساتھ ہیں لیکن ان کی تلواریں بنی امیہ کے ساتھ ہیں۔

جو کچھ اوپر کہا گیا ہے، اس کی روشنی میں ہم یہ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ اس وقت کا اصل مسئلہ کیا تھا؟

اس وقت کے مسلمانوں کی حالت

مکہ و مدینہ جیسے مراکز اسلام اور کوفہ و دمشق جیسے حکومتی شہروں میں رہنے والے مسلمانوں کا عقیدہ یہ تھا کہ خلیفہ کی اطاعت کرنا اور ان کا حکم ماننا ان کا مذہبی فریضہ تھا، قطع نظر اس سے کہ خلیفہ اچھا ہو یا برا ہو۔ ان کے خیال میں اس کی مخالفت کرنا، مسلمانوں میں نفاق پیدا کرنے اور مذہب کے خلاف بغاوت کرنے کے مترادف تھا۔ یہ حالت ان مسلمانوں کی تھی، جن میں بہت سے صحابہ، تابعین اور دوسرے سربرآوردہ اشخاص بھی شامل تھے۔

جب ایسے نمایاں افراد کا یہ عالم ہو تو پھر جزیرہ نمائے عرب اور ایران کے دوردراز علاقوں، نیز افریقہ میں رہنے والے مسلمانوں کی حالت بخوبی سمجھ میں آسکتی ہے۔ کیونکہ ان کی رسول اکرمؐ سے کبھی ملاقات نہیں ہوئی تھی، نہ اہلبیت رسولؐ یا ان کے مکتب کے تربیت یافتہ لوگوں سے ان کا کوئی رابطہ تھا

یہ مسلمان فقط اس اسلام سے واقف تھے، جو دارالحکومت اور بالخصوص دربار خلافت میں رائج تھا۔ ان کے خیال میں خلیفہ کا طرز عمل ہی اسلام کا نمونہ تھا۔ ہاں تو پھر کیا کہنے یزید جیسے خلیفہ کے! جسے اپنی خواہشات کی تکمیل میں کسی مذہبی قانون کی کوئی پروا نہ تھی۔ وہ تارک نماز، پرلے درجے کا شراب خوار اور کتوں کا شوقین تھا۔ نیز اسے ستار اور طبلے سے بھی لگاؤ تھا۔ کنیزیں اس کے سامنے ناچتی گاتی رہتیں اور آوارہ قسم کے نوجوان اس کے مصاحبین میں شامل تھے۔ یہی وہ خلیفہ ہے جو اپنی ماؤں، بہنوں اور بیٹیوں کو اپنے تصرف میں لاتا تھا۔ [1]

یہی وہ خلیفہ ہے جس نے نواسۂ رسولؐ امام حسینؑ کو قتل کرنے اور خاندان رسولؐ کی بہو بیٹیوں کو قید کرنے کا حکم دیا۔ اسی نے مدینۂ رسولؐ کی بے حرمتی کرنے اور منجنیقوں سے خانۂ کعبہ پر سنگ باری کرنے کے احکام صادر کیے۔ وہی تھا جس نے کہا: "نہ کوئی فرشتہ اترا اور نہ ہی کوئی وحی آئی۔ یہ تو حکومت حاصل کرنے کے لیے بنی ہاشم کا ایک ڈھونگ تھا۔" [2]

یہ تھی اسلام کی وہ شکل جس کا مظہر وہ شخص تھا جو رسول اکرمؐ کا جانشین اور روئے زمین پر اللہ کا خلیفہ ہونے کا دعویدار تھا۔ [3] اس وقت ہر جگہ کے مسلمانوں کو یہ باور کرایا جا رہا تھا کہ دینداری سے مراد خلیفہ کی اطاعت ہے۔

جو کچھ اوپر کہا گیا ہے اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس وقت مسئلہ یہ نہیں تھا

---

[1] دمشق سے واپسی پر اہل مدینہ کے اجتماع میں عبداللہ بن حنظلہ کے مشہور بیان سے بھی ظاہر ہوتا ہے۔

[2] تاریخ ابن کثیر جلد ۸ صفحہ ۱۹۲ + مقتل خوارزمی جلد ۲ صفحہ ۵۸ + لہوف صفحہ ۶۹۔

[3] مروج الذہب جلد ۳ صفحہ ۲۸۶۔

کہ حکومت ایک جابر فرمانروا کے ہاتھ میں تھی بلکہ اصل مسئلہ یہ تھا کہ اسلامی احکام اور اعتقادات تبدیل کر دیے گئے تھے اور خلیفہ کی غیر مشروط اطاعت کو ہی دین سمجھا جا رہا تھا۔ یہ مسئلہ ایک جابر فرمانروا کی بجائے ایک عادل حاکم کو مسند خلافت پر بٹھا دینے سے حل نہیں ہو سکتا تھا۔ ہاں تو اس مسئلے کا حل فقط یہ تھا کہ مسلمانوں کے اعتقادات درست کیے جائیں، کیونکہ اسلامی احکام کی بحالی کا صرف یہی ایک ذریعہ تھا۔

اس انقلابی تحریک کے لیے امام حسینؑ ہی واحد موزوں شخصیت تھے۔ کیونکہ آیات قرآن اور احادیث رسولؐ کی روشنی میں انہیں اہلبیت نبوت میں ایک خاص مقام حاصل تھا۔

اس وقت امام حسینؑ کے سامنے دو ہی راستے تھے، یعنی یزید کی بیعت کر لیں یا بیعت کرنے سے انکار کر دیں۔ پہلی صورت میں ان کو ایک پرمسرت زندگی حاصل ہونے کے ساتھ ساتھ مسلمانوں میں ان کی محبت اور حرمت بھی برقرار رہ سکتی تھی۔ لیکن آپ جانتے تھے کہ بیعت کر لینے کا مطلب یہ ہو گا کہ آپ نے یزید کے تمام فاسقانہ اعمال کی تائید اور توثیق کر دی۔ نیز لوگوں کے اس عقیدے کو بھی صحیح تسلیم کر لیا ہے کہ یزید کی طرح جو بھی شخص لوگوں سے بیعت لے کر مسند خلافت پر بیٹھ جائے وہ اللہ اور اس کے رسول کا جائز نمائندہ ہے اور ہر امر میں اس کی اطاعت لازم ہے۔ امام حسینؑ خوب سمجھتے تھے کہ بیعت کر کے وہ گویا اپنے جد بزرگوار حضرت محمد رسول اللہؐ کے دین کی تباہی کا سامان مہیا کر دیں گے۔ پھر اس کا بھی وہی حشر ہو گا جو اس سے پہلے حضرت موسیٰؑ، حضرت عیسیٰؑ اور دوسرے انبیاءؑ کے لائے ہوئے ادیان کا ہو چکا تھا۔ اگر آپ یزید کی بیعت کر لیتے تو نہ صرف اس زمانے کے لوگوں کے جرائم بلکہ آنے والی نسلوں کے گناہوں کے بھی ذمہ دار ٹھہرتے۔ کیونکہ آپ رسول اکرمؐ کے واحد نواسے تھے جو اس وقت زندہ موجود تھے اور ایک ایسے

عالی مرتبے کے مالک تھے جو کسی دوسرے کو میسر نہیں تھا۔ مزید برآں یہ توقع بھی نہیں کی
جا سکتی تھی کہ مسلمانوں میں آئندہ کوئی ان جیسا عالی مرتبت اور بااثر انسان پیدا ہوگا۔
لہٰذا امام حسینؑ وہ واحد بزرگوار تھے جنہیں حالات کو مدنظر رکھتے ہوئے ان
دو میں سے ایک راستے کا انتخاب کرنا تھا۔ انہیں یہ فیصلہ کرنا تھا کہ آیا وہ یزید کی
بیعت کر لیں یا اسے اور اس کے اعمال کو مردود قرار دے کر تاریخ کا رخ بدل دیں
اور اپنے بعد آنے والے آئمہ کے لیے اپنے نانا کے دین کے احیاء کا راستہ ہموار کر دیں۔
چنانچہ امام حسینؑ نے بیعت کرنے کی بجائے بیعت نہ کرنے کا پرخطر راستہ اختیار فرمایا۔

امام حسینؑ کا مقصد، طریقہ اور شعار

امام حسینؑ نے خلافت وقت کے ناجائز ہونے کا نعرہ بلند کیا ـــــ اس
خلافت کو اسلام کے لیے ایک خطرہ قرار دیا اور فرمایا:

"اسلام کو سلام آخر! کیونکہ اس پر خلافت یزید کی افتاد آن پڑی ہے۔"

آپ نے یہ الفاظ اس شخص (مروان بن حکم) کے جواب میں کہے، جس نے
آپ سے کہا تھا: "آپ یزید کی بیعت کر لیں کہ اس میں آپ کے لیے دنیا اور آخرت
کی بھلائی ہے۔"

آپ نے یہ الفاظ اس وقت بھی کہے، جب آپ سے کہا جا رہا تھا: "یا حسینؑ!
کیا آپ کو خدا کا خوف نہیں؟ آپ تمام لوگوں کی مخالفت کر رہے ہیں اور امت
میں پھوٹ ڈال رہے ہیں!" پھر آپ نے عبداللہ بن عمر خطاب کو بھی ایسا ہی جواب
دیا۔ جب انہوں نے آپ سے کہا: "اللہ سے ڈریں اور مسلمانوں کی جماعت میں پھوٹ
نہ ڈالیں۔" [1]

---

[1] تاریخ طبری۔ جلد ۶ صفحہ ۱۹۱

ان دونوں موقعوں پر امام حسینؑ نے فرمایا:

"خدا کی قسم! خواہ مجھے دنیا میں کہیں بھی پناہ نہ ملے مگر میں یزید ابن معاویہ
کے ہاتھ پر بیعت کرنے کے لیے ہرگز تیار نہیں ہوں۔"

اس اعلان سے آپ کا حقیقی مقصد یہ تھا کہ لوگوں پر امامت کے برحق ہونے
اور خلافت کی موجودہ صورت کے باطل ہونے کو ظاہر کر دیا جائے۔

اس امر کی تائید اس وصیت سے بھی ہوتی ہے، جو آپ نے مدینہ سے روانگی
پر اپنے بھائی محمد بن حنفیہ کے لیے لکھی۔ اس میں آپ نے فرمایا:

"میں اپنے نانا کی امت کی اصلاح کے لیے اٹھا ہوں، میں لوگوں
کو اچھے کاموں کی نصیحت کرنا اور برے کاموں سے روکنا چاہتا
ہوں۔ میں اپنے نانا محمد رسول اللہؐ اور اپنے والد علیؑ ابن ابیطالب
کے نقش قدم پر چل رہا ہوں۔ اگر حق کو قبول کر کے میری حمایت کی
گئی تو اللہ حق کو بے حد پسند کرتا ہے لیکن اگر میرا ساتھ نہ دیا گیا
تو میں صبر کروں گا۔ حتیٰ کہ اللہ میرے اور لوگوں کے درمیان صحیح
صحیح فیصلہ کر دے ـــــ بس وہی بہترین فیصلہ کرنے والا ہے۔"

امام حسینؑ نے اپنی اس وصیت میں خلیفہ ابوبکر، خلیفہ عمر، خلیفہ عثمان اور
امیر معاویہ کے نام ساقط کر دیئے اور صرف نبیؐ اور وصیٔ نبیؑ کی روش کا تذکرہ فرمایا۔
پھر صریحاً کہا کہ میں اپنے نانا اور اپنے بابا کے نقش قدم پر چل رہا ہوں۔

ان خلفاء کی روش کے بارے میں مختصراً یہ کہا جا سکتا ہے قطع نظر اس سے کہ
انہوں نے بیعت کیونکر حاصل کی، وہ مسلمانوں سے بیعت لے کر برسر اقتدار آئے۔
اور اقتدار حاصل ہو جانے کے بعد انہوں نے اسلامی احکام میں اپنے اجتہاد سے
کام لیتے ہوئے لوگوں پر حکومت کی۔ اس کے برعکس امام حسینؑ کے نانا اور بابا کا طرز عمل

یہ تھا کہ انہوں نے لوگوں کو اسلامی احکام بتائے، انہیں ان کے مطابق عمل کرنے اور ان پر قائم رہنے کی ہدایت فرمائی۔ پھر ان کے اس طرزِ عمل میں ہرگز کوئی فرق نہیں آیا، خواہ انہیں قوت اقتدار حاصل رہی یا نہ رہی ہو۔ مثلاً رسول اکرمؐ کو مدینہ میں یا امام علیؑ کو عثمان کے قتل کے بعد اقتدار ملا تھا اور وہ صورت کچھ اور تھی۔ تاہم وہ تبلیغ اسلام کے عمل میں برابر لگے رہے۔ ان دونوں بزرگوں نے لوگوں میں اسلام کی تبلیغ کی ـــــ ان میں سے ایک کو یہ دین اللہ کی طرف سے عطا ہوا اور دوسرے نے اسے پیغمبرؐ سے حاصل کیا۔ پس وہ ہر حال میں نیکی پھیلاتے اور بدی سے روکتے رہے اور حکومت حاصل ہونے یا نہ ہونے سے ان کے طرزِ عمل میں کوئی فرق نہ آیا۔

اس وقت امام حسینؑ اپنی انہی بزرگ ہستیوں کے نقشِ قدم پر چلنا چاہتے تھے مگر خلفاء کی تقلید کرنے کا کوئی ارادہ نہ رکھتے تھے۔ اگر لوگ حق کو قبول کرکے ان کی حمایت کریں تو اللہ حق ہی کو پسند فرماتا ہے۔ تاہم اگر وہ ان کا ساتھ نہ دیں تو بھی آپ صبر سے کام لینا چاہتے تھے۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ ان کے اور خلفاء کے حامیوں کے درمیان صحیح صحیح فیصلہ کردے۔

ہمارے مذکورہ بالا بیان سے ـــــ نیز اپنے اس قیام کے سلسلے میں امام حسینؑ نے جو کچھ کہا اور کیا، اس سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ انہوں نے لوگوں کو امامت کے برحق ہونے اور اس وقت کی خلافت کے ناجائز ہونے کا نظریہ دیا تھا۔ آپ کے تمام اقوال اور افعال کا مقصد یہ تھا کہ لوگ اس نظریے کو سمجھیں اور اس کو قبول کریں۔ یعنی جو لوگ اسے قبول کریں، وہ اس کی صداقت کو جانتے ہوں اور جو لوگ اس سے انکار کریں وہ بھی اسے پوری طرح جانتے اور سمجھتے ہوں تاکہ ان پر حجت قائم ہو جائے۔ یہی وجہ ہے کہ امام علیہ السلام پوری سرگرمی سے اپنے نقطۂ نگاہ کی تشہیر کر رہے تھے۔

پس یہ تھا امام حسین علیہ السلام کا مدعا اور ان کا مقصد ـــــ جس کے حصول کی خاطر انہوں نے شہادت کے راستے کا انتخاب کیا۔

جیسا کہ ایک شاعر آپ کی ترجمانی کرتے ہوئے کہتا ہے:

اِنْ کَانَ دِیْنُ مُحَمَّدٍ لَمْ یَسْتَقِمْ
اِلَّا بِقَتْلِیْ یَا سُیُوْفُ خُذِیْنِیْ

بقائے دین احمدؐ گر ہے میرے قتل ہونے میں
تو آؤ کاٹ دو گردن مری اے تیز تلوارو!

اس حقیقت کی تائید امام حسینؑ کے اس خط سے بھی ہوتی ہے جو انہوں نے بنی ہاشم کے نام لکھا اور کہا:

"جو شخص میرا ساتھ دے گا وہ مرتبۂ شہادت پائے گا۔ لیکن جو میرا ساتھ نہیں دے گا، وہ ہرگز کامران نہیں ہوگا۔"

اپنے اس خط میں امام حسین علیہ السلام نے واضح الفاظ میں فرمایا کہ انہوں نے اپنے لیے شہادت کے راستے کا انتخاب کیا ہے جو بالآخر فتح پر منتہی ہوگا۔ پھر اپنی اس تحریک کے دوران میں انہوں نے جو کچھ کہا یا کیا، اس سے بھی ان کے مدعا مقصد اور طریق کار کا واضح اشارہ ملتا ہے۔ انہوں نے فقط انہی لوگوں سے مدد طلب کی جو ان کے طریق کار اور مقصد سے پوری طرح آگاہ تھے۔ جیسے زہیر بن قین کا واقعہ کہ وہ امام حسین علیہ السلام کے بلاوے پر، ایک طرح کی بے دلی سے آئے۔ لیکن تھوڑی ہی دیر کے بعد جب وہ امام علیہ السلام سے ملاقات کرکے نکلے تو جیسا کہ راوی نے کہا: ان کا چہرہ خوشی سے دمک رہا تھا۔ پس انہوں نے اپنے لوگوں کو حکم دیا کہ ان کا خیمہ امام حسین علیہ السلام کی خیمہ گاہ میں لایا جائے۔ مزید برآں انہوں نے اپنی بیوی کو طلاق دیدی اور اسے مشورہ دیا کہ وہ اپنے اعزہ کے پاس چلی جائے

تاکہ ان کی ہمراہی میں اسے کوئی تکلیف نہ پہنچے۔

پھر انہوں نے اپنے ہمراہیوں سے کہا:

"اگر تم میں سے کوئی شخص شہادت کا خواہشمند ہے تو وہ میرے ساتھ آ جائے ورنہ یہ سمجھ لے کہ ہماری اس کی دوستی ختم ہو گئی۔"

حسینی قافلے میں اہل کوفہ کی عہد شکنی اور مسلم بن عقیل و ہانی بن عروہ کی شہادت کی اطلاع آنے سے پہلے ہی ـــــ زہیر نے اپنے ساتھیوں کو اپنے ہونے والے انجام سے آگاہ کر دیا تھا۔ نیز انہیں یہ بھی بتایا تھا کہ میں نے غزوۂ بلنجر میں ایک صحابی رسول سلمان باہلی سے آج کے دن کے بارے میں خبر سن رکھی ہے۔

امام حسینؑ نے اسی طرح کے جذبۂ شہادت سے سرشار ساتھی جمع کرنے کی کوشش فرمائی۔ لیکن آپ نے ان لوگوں کو رخصت کر دیا جو اس امید پر ساتھ ہو لیے تھے کہ امامؑ حکومت حاصل کرنے میں کامیاب ہو جائیں گے۔ [۱]

امام علیہ السلام نے اپنے طریق کار کا بر سر عام اعلان کیا اور ہر مقام پر اپنا موقف دہرایا۔ جیسے آپ نے عبداللہ ابن عمر کے جواب میں فرمایا تھا:

"اے عبداللہ! کیا تم نہیں جانتے کہ جب یحییٰؑ بن زکریاؑ کا سر ایک اسرائیلی طوائف کو پیش کیا گیا تو اللہ کی نگاہ میں اس بات کی کیا اہمیت تھی؟ گو اللہ نے ظالموں کو اس فعل کی سزا دینے میں جلدی نہیں کی لیکن بالآخر انہیں شدید عذاب میں گرفتار کیا۔

پھر امام علیہ السلام نے ان سے کہا:

اے ابو عبدالرحمٰن! اللہ سے ڈرو اور میری مدد کرنے سے گریز نہ کرو۔"

---

[۱] تاریخ طبری جلد ۶ صفحہ ۲۲۶ + تاریخ ابن کثیر جلد ۸ صفحہ ۱۶۸ - ۱۶۹
+ انساب الاشراف صفحہ ۱۶۸

اس گفتگو میں امام علیہ السلام نے اس بات کی جانب اشارہ کیا ہے کہ اس امت کے ساتھ ان کا معاملہ بھی حضرت یحییٰؑ کے معاملے سے ملتا جلتا ہے۔ انہوں نے عبداللہ ابن عمر خطاب سے اپنی اسی راہ عمل میں مدد چاہی جو آپ نے اختیار کر رکھی تھی۔

عراق کو روانگی کے وقت آپ نے ایک طویل خطبے میں فرمایا:

"موت نے ابن آدم کی گردن پر اس طرح نشان لگا دیا ہے جیسے ایک نوجوان عورت کی گردن پر ہار پہننے سے داغ پڑ جاتا ہے۔ میں اپنے اسلاف سے جا ملنے کا ایسا ہی مشتاق ہوں جیسے یعقوبؑ اپنے بیٹے یوسفؑ سے ملنے کے مشتاق تھے۔

میرے لیے موت کا ایک انداز مقرر ہے، گویا میں دیکھ رہا ہوں کہ نواویس اور کربلا کے درمیان ـــــ بھیڑیے میرے اعضاء کو چیر پھاڑ رہے ہیں اور میرے گوشت سے اپنے خالی پیٹ بھر رہے ہیں۔ ہاں تو جو کچھ مقدر میں لکھا ہے، اس سے مفر نہیں۔ ہم اہلبیت اس امر پہ راضی ہوتے ہیں جس پر اللہ راضی ہو۔ ہم اس کی آزمائش کو صبر سے برداشت کرتے ہیں اور اس سے وہ اجر پاتے ہیں جو صابروں کے لیے مقرر ہے۔ رسول اکرمؐ کے اہلبیت ان سے کبھی جدا نہیں ہو سکتے ـــــ وہ مقام قدسیت میں ان کے ساتھ ہیں، وہ ان کی آنکھوں کا سرور ہیں اور آنحضرتؐ ان سے کیا ہوا اپنا وعدہ ضرور پورا کریں گے۔

بس وہی شخص ہمارے ساتھ آئے جو اپنی جان قربان کرنے اور اللہ سے ملاقات کرنے کے لیے تیار ہو۔"

امام علیہ السلام ہر منزل پر اترنے اور چلنے کے وقت یحییٰؑ بن زکریاؑ کی

شہادت کا ذکر فرماتے رہے۔ [1]

اہل کوفہ کی دعوت اتمام حجت کے لیے قبول کی گئی

امام حسینؑ اپنی شہادت کے بارے میں اپنی پیشگوئی کے علاوہ حالات کو مدنظر رکھتے ہوئے بھی بخوبی جانتے تھے کہ ان کے سامنے دو ہی صورتیں ہیں۔ یعنی یا تو یزید کی بیعت کرلیں یا قتل ہونے کے لیے تیار ہو جائیں۔ انہوں نے اس صورتِ حال کا متعدد بار ذکر کیا۔ جب معاویہ کی موت کے بعد ان سے یزید کی بیعت کرنے کا تقاضا کیا گیا تو معاملہ بالکل واضح ہو گیا۔ اس وقت مروان نے مدینہ کے والی سے کہا:

"اگر حسین بیعت سے انکار کریں تو انہیں قتل کر دیا جائے" یہی وجہ تھی کہ امام علیہ السلام کو مدینہ چھوڑ کر حرم کعبہ میں پناہ لینا پڑی۔

جب امام حسین علیہ السلام مکہ میں تھے تو یہ حقیقت کھل کر سامنے آگئی کہ یزید انہیں قتل کرانا چاہتا ہے۔ چنانچہ انہیں یہ اندیشہ ہوا کہ اگر یہاں یزید نے اپنے منصوبے پر عمل کیا تو خانۂ کعبہ کا تقدس پامال ہو جائے گا۔ پھر انہوں نے اپنے بھائی محمد بن حنفیہ سے بھی اس اندیشے کا واضح طور پر ذکر کیا، نیز ابن زبیر سے کہا:

"خدا کی قسم! اگر میں کسی کیڑے مکوڑے کے بل میں بھی ہوتا تو یہ لوگ مجھے کھینچ کر باہر نکال لیتے اور پھر میرے ساتھ وہی کرتے جو کچھ وہ کرنا چاہتے ہیں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ میری بے حرمتی کرنے پر

[1] مثیر الاحزان صفحہ ۲۲۹ لہوف صفحہ ۱۳

اسی طرح تلے ہوئے ہیں، جیسے یہودیوں نے یوم سبت کی بے حرمتی کی تھی۔ میں اس بات کو ترجیح دیتا ہوں کہ مکہ کی بجائے کسی اور جگہ قتل کر دیا جاؤں۔"

پھر ابن عباس سے فرمایا:

"میں یہ نہیں چاہتا کہ میری وجہ سے مکہ کی حرمت پر حرف آئے۔ میں مکہ کی بجائے کسی اور جگہ پر مارے جانے کو پسند کرتا ہوں۔"

پس امام علیہ السلام کو ظاہراً یہ علم تھا کہ وہ خواہ کہیں بھی ہوں قتل ہونے سے نہیں بچ سکتے۔ اس کے باوجود انہوں نے یزید کی بیعت نہیں کی اور خود اپنے لیے اور اپنے ساتھیوں کے لیے راہ شہادت کا انتخاب کیا۔

اس دوران میں اہل کوفہ کی جانب سے خطوں پر خط چلے آرہے تھے۔ انھوں نے امام علیہ السلام کو کوفہ آنے کی دعوت دیتے ہوئے لکھا:

اس وقت ہمارا کوئی امام نہیں ہے۔ اگرچہ نعمان بن بشیر دارالامارہ میں مقیم ہے لیکن ہم لوگ جمعہ یا عیدین کی نمازیں اس کے ساتھ نہیں پڑھتے۔ انہوں نے یہ بھی کہا کہ جب ہمیں یہ خبر ملے گی کہ آپ خود تشریف لا رہے ہیں۔ تب ہم نعمان بن بشیر کو کوفے سے شام چلے جانے پر مجبور کریں گے۔

ایک خط میں انہوں نے لکھا:

"حسینؑ ابن علیؑ کے نام انکے مسلمان اور مومن شیعوں کی طرف سے" جلدی تشریف لائیے کہ لوگ آپ کے منتظر ہیں۔ وہ کسی اور کو نہیں چاہتے لہٰذا جلدی کیجیے۔

کوفہ کے عمائدین نے لکھا:

"ایک بڑا لشکر جو سازوسامان سے لیس ہے، آپ کے آنے کا انتظار کر رہا ہے۔"

ایک اور خط میں لوگوں نے لکھا:

"ایک لاکھ تلواریں آپ کی خاطر جنگ کرنے کے لیے تیار ہیں۔"

پھر اہل کوفہ کی جانب سے ایسے ہی خط مسلسل موصول ہوتے رہے حتیٰ کہ ان سے دو بڑے بڑے تھیلے بھر گئے۔

اہل کوفہ کے اس اصرار کے باوجود اگر امام حسینؑ ان کی اس دعوت کو رد کر دیتے تو پھر چاہے یزید کی بیعت کر لیتے یا کسی دوسرے مقام پر قتل ہو جاتے۔ بہرحال یہ اس شہر کے لوگوں کے ساتھ ناانصافی ہوتی۔ اندریں صورت انہیں یہ حق پہنچتا تھا کہ وہ نہ صرف اس دنیا میں ہی امامؑ کی شکایت کریں، بلکہ آخرت میں بھی خدا کے حضور ان کی حجت قائم ہو جاتی۔ جبکہ اپنی مخلوق پر حجت تمام کرنا اللہ ہی کا حق ہے۔

لہٰذا امام حسینؑ نے جو کچھ بھی کیا، وہ اہل کوفہ پر حجت قائم کرنے کے لیے کیا تھا۔ اگر یہ بات نہ ہوتی تو پھر امام حسینؑ کی عراق روانگی اہل کوفہ کے فریب میں آ جانے کا نتیجہ قرار پاتی۔

تاہم اگر ایسا ہی ہوتا تو آپ حر ریاحی کا سامنا ہونے سے پہلے مسلم اور ہانی کی شہادت کی خبر ملنے پر بھی مدینہ جا سکتے تھے۔ پس حقیقت یہ ہے کہ امام حسینؑ نے اپنی عراق روانگی سے اتمام حجت کر دیا اور اہل عراق یا دوسرے لوگوں کو اس قابل نہیں چھوڑا کہ وہ کوئی عذر پیش کر سکیں۔

جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

"تاکہ پیغمبروں کے آنے کے بعد ان لوگوں کے پاس اللہ کے مقابلے میں کوئی عذر باقی نہ رہے۔" [1]

[1] سورۂ نساء۔ آیت ۱۶۵

سفرِ عراق بنی عقیل کے اصرار پر نہیں کیا گیا

ممکن ہے کوئی شخص یہ خیال کرے کہ مسلم اور ہانی کے قتل کی اطلاع ملنے کے باوجود ـــ امام علیہ السلام نے سفرِ عراق اس لیے جاری رکھا کہ اولادِ عقیل نے اس پر اصرار کیا اور کہا:

"ہم جب تک انتقام نہ لے لیں یا اپنے بھائی کی طرح موت سے ہمکنار نہ ہو جائیں قدم پیچھے نہیں ہٹائیں گے۔"

تاہم کوئی سمجھدار آدمی اس بات پر یقین نہیں کر سکتا کہ محض اولادِ عقیل کے اصرار پر ـــ امام حسینؑ نے خود کو اپنے ساتھیوں سمیت موت کے منہ میں دھکیل دیا۔ حقیقت یہ ہے کہ انہیں اس بات سے کوئی فرق نہیں پڑتا تھا کہ عراق کی طرف بڑھیں یا کسی اور جگہ چلے جائیں۔ اس لیے وہ ٹھیک جانتے تھے ـــ اب ہمارا مقدر صرف قتل ہو جانا ہے۔ کیونکہ یزید کی بیعت کیے بغیر ان کا موت سے بچ نکلنا ممکن ہی نہ تھا۔

چونکہ اہل عراق پر حجت تمام کرنا آپ کی ایک ذمہ داری تھی جو ابھی پوری نہیں ہوئی تھی۔ چنانچہ اسے اس طرح پورا کیا گیا کہ خود امام علیہ السلام نے اور ان کے ساتھیوں نے ان لوگوں کو بار بار مخاطب کیا اور انہیں کوئی قطعی فیصلہ کرنے کو کہا۔ جیسا کہ امام حسینؑ نے یکے بعد دیگرے کئی خطبے دیے جو حر کے لشکر کی آمد کے وقت سے ـــ ۱۰ محرم عصر کے وقت تک جاری رہے۔ یہی وہ فرض تھا جس کی تکمیل کے لیے ـــ مسلم اور ہانی کی شہادت کے بعد بھی آپ کا مکہ یا کسی دوسری جگہ کی بجائے کربلا جانا ضروری تھا۔

یوں امام علیہ السلام نے فقط اہل کوفہ پر ہی نہیں بلکہ اس زمانے کے ان تمام لوگوں پر بھی حجت تمام کر دی، جنہیں یہ خبر ہو چکی تھی کہ آپ نے بیعت یزید سے

انکار کر دیا ہے اور یزیدی لشکر نے آپ پر گھیرا ڈال لیا ہے۔ آپ کے اس اقدام
سے آپ کا نقطۂ نظر سب پر واضح ہو گیا اور ایک ایسی صدائے بازگشت پیدا ہوئی
جو دنیا کے کونے کونے میں سدا گونجتی رہے گی۔ انہوں نے یزید کی بیعت کرنے
یا خانہ نشین ہو کر قتل ہو جانے کی بجائے میدان کربلا میں آ کر اپنے موقف کی صداقت
اور مروجہ خلافت کی حق پوشی کو طشت از بام کر دیا۔

امامؑ کے قیام کی حکمت عملی

امام حسینؑ نے مدینہ میں اس خلیفہ کی بیعت کرنے سے انکار کر دیا جس نے
مسلمانوں سے بیعت لے کر بظاہر اپنی خلافت کا جواز پیدا کر لیا تھا۔ آپ نے مدینہ
میں خلیفہ کے نامزد نمائندوں سے مزاحمت کی اور جب یہ خبر منظر عام پر آ گئی تو آپ
کسی نامعلوم راستے کی بجائے مکہ جانے والی عام شاہراہ پر چل کھڑے ہوئے حالانکہ
ابن زبیر نے انہی دنوں یہ سفر ایک غیر معروف راستے سے طے کیا تھا۔

امامؑ نے مکہ پہنچ کر بیت اللہ میں پناہ لی۔ چنانچہ جو لوگ عمرہ ادا کرنے مکہ آئے
ہوئے تھے وہ اپنے پیغمبرؐ کے نواسے کے اردگرد جمع ہو گئے۔ امامؑ عالی مقام نے انہیں
رسول اکرمؐ کی سیرت طیبہ سے آگاہ کیا اور بتایا کہ کس طرح خلیفۂ وقت آنحضرتؐ کی سنت
سے منحرف ہو گیا ہے۔ آپ نے ان لوگوں کو اپنی تحریک سے آگاہ کیا اور ان پر انقلاب
کی ضرورت واضح کی۔ نیز دوسرے مقامات کے لوگوں کو خطوط بھیجے اور انہیں اپنے اس
مسلح قیام میں شریک ہونے کے لیے بیعت کرنے کو کہا لیکن انہیں یہ نہیں کہا کہ وہ
حکومت کے حصول میں ان کی مدد کریں۔ آپ نے اپنے خطبوں اور خطوں میں حکومت
حاصل کرنے کا کوئی تذکرہ نہیں کیا۔ وہ جہاں کہیں بھی جاتے اپنے ان خیالات کا
مقابلہ یحییٰؑ بن زکریاؑ سے کرتے اور اس میں آپ حق بجانب بھی تھے۔ کیونکہ دونوں

کا کام ایک ہی تھا یعنی اپنے اپنے زمانے کے طاغوتی حاکم کے ظلم و ستم اور اس کے شر و فساد
کی مخالفت ـــــ ان دونوں بزرگوں نے طاغوت کی مزاحمت جاری رکھی یہاں تک
کہ انہیں قتل کر دیا گیا۔ پھر ان میں سے ایک کا سر کاٹ کر طاغوت کی پالی ہوئی ـــــ
فاحشہ عورت کے سامنے پیش کیا گیا۔ دوسرے کا سر کاٹ کر اس وقت کے طاغوت کے
سامنے رکھا گیا۔ ان دونوں میں بس اتنا فرق تھا کہ یحییٰ علیہ السلام نے تن تنہا جہاد کیا
تھا لیکن امام حسینؑ کے دائیں بائیں ان کے انصار اور قرابتدار بھی شریک جہاد
ہوئے۔ جاننا چاہیے کہ جو شخص حکومت حاصل کرنے کا متمنی ہو وہ ایسا نہیں کر سکتا۔
کیونکہ وہ اپنے ساتھیوں کو فتح کی امیدیں دلاتا ہے اور کوئی ایسی بات نہیں کہتا کہ
جس سے ان کے حوصلے پست ہو سکتے ہوں۔

امام علیہ السلام نے ایام حج سمیت چار مہینے گزارے۔ اس دوران میں جو
لوگ دور و نزدیک سے حج اور عمرہ ادا کرنے آئے وہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔
آپ نے انہیں احادیث سنائیں ـــــ انہیں اللہ کی نافرمانی سے ڈرایا ـــــ گناہوں
سے باز رہنے کی تلقین کی اور عذاب جہنم سے بچنے کی نصیحت فرمائی۔

آپ نے انہیں خلیفہ کی طرف سے اسلام کو لاحق خطرات سے بھی آگاہ فرمایا۔
انہیں وہ باتیں بتائیں جو انھوں نے کسی اور سے کبھی نہیں سنی تھیں۔ یہ صورت
۸ ذی الحجہ تک رہی، جبکہ حاجی حضرات احرام باندھے اور تلبیہ پڑھتے ہوئے عرفات
کی جانب روانہ ہو گئے۔

اس موقع پر دوسرے حاجیوں کے برعکس ـــــ امام حسین علیہ السلام نے
احرام کھول دیا اور مکہ سے روانہ ہو گئے ـــــ اس وقت آپ نے فرمایا: "چونکہ
میں نے یزید کی بیعت نہیں کی' اس لیے مجھے اندیشہ ہے کہ اس کے کارندے مجھے
یہاں قتل نہ کر دیں اور حرمت کعبہ پامال نہ ہو جائے۔"

انھوں نے یہ بھی فرمایا: "میں اس بات کو پسند کرتا ہوں کہ حرم مکہ کی بجائے کسی اور جگہ قتل کیا جاؤں۔"

اپنے گھروں کو واپس جاتے وقت حاجی لوگ امام حسینؑ کے قیام کی خبر اپنے ساتھ لے گئے۔ وہ جہاں جہاں سے بھی گزرے وہاں کے مسلمانوں کو یہ اطلاع پہنچاتے چلے جارہے تھے۔ وہ لوگوں کو بتارہے تھے کہ نواسۂ رسولؐ نے مروجہ خلافت کے خلاف مسلح قیام کیا ہے۔ کیونکہ وہ سمجھتے ہیں کہ خلیفہ اسلام سے منحرف ہو چکا ہے اور اس کی حکومت سے اسلام کو خطرہ لاحق ہے۔ پس ہر جگہ کے مسلمان اہلبیت رسولؐ اور حکومت کے مابین اس معرکہ کے انجام سے باخبر ہونے کے لیے بے چین ہو گئے اور ادھر اُدھر سے مزید اطلاعات حاصل کرنے کی کوشش کرنے لگے۔ پھر انہیں یہ پتا چلا کہ امام علیہ السلام مکہ سے روانہ ہو گئے ہیں۔ جن لوگوں نے انہیں اس اقدام سے روکنے کی کوشش کی اور خطرے کا احساس دلایا، آپ ان سے قطعاً خوفزدہ نہیں ہوئے۔ جیسے عبداللہ ابن عمر نے آپ سے کہا:

"خدا حافظ! مجھے خدشہ ہے کہ آپ قتل ہو جائیں گے۔"

پھر فرزدق نے کہا:

"لوگوں کے دل آپ کے ساتھ ہیں لیکن ان کی تلواریں بنی امیہ کے ساتھ ہیں۔"

اسی طرح آپ کو عمرہ نے ایک خط لکھا:

اس نے اپنے خط میں بی بی عائشہ کی سند سے یہ حدیث نقل کی کہ حسینؑ بابل کی سرزمین میں شہید ہوں گے۔

لیکن امام حسینؑ کو عمرہ کے اس خط سے بھی کوئی پریشانی لاحق نہیں ہوئی۔

گویا خبریں ہر طرف پھیلی ہوئی تھیں۔ ادھر امام حسینؑ آہستہ آہستہ اپنا راستا طے کر رہے تھے۔ وہ کسی بات کو صیغۂ راز میں نہیں رکھتے تھے، بلکہ یزید سے اپنی مخالفت کا ہر طریقے سے اظہار کر رہے تھے۔ انہوں نے ان تحائف اور خوشبوؤں پر قبضہ کر لیا جو یمن کے والی نے خلیفہ یزید کے لیے بھیجی تھیں۔

اپنے اس عمل سے انہوں نے یزید کی خلافت کے ناجائز ہونے کا اعلان کر دیا۔ علاوہ ازیں حر سے بھی آپ کی ملاقات ہوئی ــــ آپ نے اسے اپنے موقف سے آگاہ کیا تاکہ اس پر حجت قائم ہو جائے۔

بالآخر امام علیہ السلام کی ملاقات دشمن کی فوج کے ایک دستے سے ہوئی۔ وہ لوگ پیاسے تھے اور ان کے پاس پانی نہیں تھا۔ آپ نے ان کو اور ان کے گھوڑوں کو پانی پلایا۔ مگر آپ اس بات پر رضامند نہیں ہوئے کہ ان دشمنوں پر اچانک حملہ کر کے جنگ کا آغاز کر دیں۔ پھر آپ کے ان دشمنوں نے بھی نماز آپ کی اقتدا میں پڑھی۔ نماز کے بعد آپ نے ان لشکریوں سے خطاب کیا اور اپنا موقف یوں بیان فرمایا:

"اللہ کے سامنے اور تم لوگوں کے سامنے میرا عذر یہ ہے کہ میں تمہارے خطوں پر خط لکھنے کے باعث یہاں آیا ہوں۔ تمہارے قاصد بھی میرے پاس پہنچے اور انہوں نے بھی کوفہ آنے کو کہا۔ ان کا کہنا یہ تھا کہ ہمارا کوئی امام نہیں ہے۔ ممکن ہے کہ آپ کے ذریعے سے خدا ہمیں ایک امر پر متحد کر دے۔ اگر اب بھی تمہارا یہی خیال ہے تو میں آگیا ہوں۔ اگر تم مجھے اطمینان دلاتے ہو تو میں تمہارے شہر میں چلنے کو تیار ہوں لیکن اگر تم کوئی یقین دہانی نہ کرا سکو اور میرا آنا تمہیں گوارا نہ ہو تو میں واپس چلا جاؤں گا۔"

ایک اور خطبے میں آپ نے فرمایا:

"اگر تم اپنا فرض ادا کرو اور حق دار کے حق کو پہچانو تو اللہ تم سے خوش ہوگا۔ ان ظالم، بے انصاف اور جھوٹے لوگوں کے مقابلے میں ہم اہلبیت رسولؐ اس امر ولایت پر زیادہ حق رکھتے ہیں۔"

آپ نے اپنے انصار کو صورتِ حال سے آگاہ کرتے ہوئے فرمایا:

"کیا تم نہیں دیکھتے کہ حق کو پس پشت ڈالا جا رہا ہے اور باطل کی پرورش کی جا رہی ہے۔ ان حالات میں ایک مومن تو خدا سے ملنے کی آرزو کرتا ہے۔ اس لیے اب میں شہادت کی موت چاہتا ہوں۔ کیونکہ ان ظالموں کے ساتھ زندہ رہنا بھی ایک مصیبت ہے۔"

آپ کے ساتھیوں نے عرض کیا:

"اگر دنیا جاودانی ہوتی اور ہمیں یہ علم بھی ہوتا کہ اگر ہم آپ کا ساتھ نہ دیں تو ہمیشہ ہمیشہ زندہ رہ سکتے ہیں، تب بھی ہم اس دنیا میں ہمیشہ رہنے کی بجائے آپ کی معیت میں اسے چھوڑ دینے کو ترجیح دیتے۔"

طرماح نے امام علیہ السلام کو مشورہ دیا کہ اگر آپ بنی طیؔ کی پہاڑوں میں چلے جائیں تو وہاں بیس ہزار طائی جوان آپ کا دفاع کریں گے لیکن آپ نے جواب دیا کہ ہمارے اور اس قوم کے درمیان پہلے ہی قول و قرار ہو چکا ہے اور ہم اس وعدے سے پھر نہیں سکتے۔ یعنی آپ نے فرمایا کہ میں (حسینؑ ابن علیؑ) اہل عراق کے ساتھ وعدہ کر چکا ہوں کہ میں ان کے پاس آؤں گا۔ اس لیے اب میں ان پر حجت تمام کیے بغیر اپنے اس عہد سے رجوع نہیں کروں گا۔

امام حسینؑ نے پانچ ماہ تک شہر و دیہات میں اپنے موقف کی وضاحت کرتے

ہوئے سب مسلمانوں پر حجت قائم کر دی۔ آپ نے مکہ، مدینہ، بصرہ اور کوفہ کے لوگوں کو صورتِ حال سے آگاہ کیا۔ پھر اپنے خطبوں اور پیغامات کے ذریعے شامیوں پر بھی حقیقت واضح کر دی۔

اس دوران جو لوگ اس امر میں بیعت کرنے پر آمادہ ہوئے، ان سے بیعت لے کر آپ نے مسلح جد و جہد کا آغاز کرتے وقت ـــــ اپنے سفیر مسلم بن عقیل کے قتل کی خبر آنے پر ـــــ پھر ان لوگوں کے آنے پر جو مناسک حج ادا کرنے کے بعد آپ کے قافلے سے آ ملے ـــــ آپ ہر موقع اور ہر مرحلہ پر اپنا موقف بیان کرتے رہے۔ اسی طرح آپ نے آغاز کار میں ہی مکہ، مدینہ، کوفہ اور بصرہ کے لوگوں سے مدد طلب فرمائی اور وہ اگر چاہتے تو آپ کا ساتھ دے سکتے تھے۔ اس لیے یہ کہنا درست نہیں کہ ان لوگوں کو نصرت امام کا کوئی موقع ہی نہیں ملا۔ کیونکہ امام حسینؑ ایک مقام سے دوسرے مقام پر منتقل ہوتے رہے۔ آپ جہاں بھی جاتے ـــــ وہاں کے لوگوں سے اس موضوع پر گفتگو کرتے تھے۔ لہٰذا آپ کے قیام اور اس کے مقاصد سے سبھی لوگ آگاہ تھے۔ گو کوفہ کے لوگوں ہی نے آپ کو بلایا اور پھر آپ کے خلاف لڑنے کے شرمناک جرم کا ارتکاب کیا۔ تاہم وہ دوسرے لوگ بھی اس جرم میں شریک ہیں جو سب کچھ جانتے ہوئے بھی آپ کی مدد کو نہ نکلے۔ امام حسینؑ نے میدان کربلا میں پہنچنے سے پہلے ہی اپنے موقف کی مکمل وضاحت کر دی تھی۔ تاہم جب اہل کوفہ نے غداری کی اور خلیفہ کی طرفداری میں آپ کے مقابلے پر نکل آئے تو آپ نے اہل کوفہ اور خلیفہ کے نمائندوں پر ایک بار پھر اپنا موقف واضح کیا۔

آپ علیہ السلام نے خلیفہ کے نمائندوں سے فرمایا:

"اگر وہ ان سے تعرض نہ کریں تو وہ اپنی تلوار نیام میں ڈال کر دیں واپس چلے جائیں گے جہاں سے آئے تھے۔"

پھر انہوں نے دوسری تجویز یہ پیش کی کہ انہیں کسی سرحدی علاقے میں جانے دیا جائے، جہاں ان کی حیثیت دوسرے مسلمانوں جیسی ہوگی اور حکومت وقت کو ان سے کوئی خطرہ نہ ہوگا۔ [1]

تاہم خلیفہ کا لشکر اس کے علاوہ کسی بات پر رضامند نہ ہوا کہ آپ یزید کی بیعت کریں اور اپنے آپ کو ابن زیاد کے رحم و کرم پر چھوڑ دیں۔ تب امام علیہ السلام نے ان کی یہ بات ماننے سے انکار کر دیا اور اپنے پروردگار سے ملاقات کے لیے تیار ہو گئے لیکن عراقیوں پر اتمام حجت کرنے کے لیے آپ نے ایک رات کی مہلت طلب کی تاکہ اس میں آپ اللہ تعالیٰ کی عبادت اور اس کے کلام کی تلاوت کریں، کیونکہ آپ کو نماز اور تلاوت سے بڑی محبت تھی ـــــ بالآخر دشمن سیاہ اس بات پر رضامند ہو گئی۔

آپ نے شب عاشور میں اپنے انصار کو جمع کیا اور ان سے یوں خطاب فرمایا:

"میرا خیال ہے کہ کل ہمیں دشمنوں سے جنگ لڑنا ہی پڑے گی۔ میں تمہیں اجازت دیتا ہوں کہ اس موقع سے فائدہ اٹھاؤ اور رات کی تاریکی میں یہاں سے چلے جاؤ۔ تم میں سے ہر ایک کو چاہیے کہ میرے خاندان کے ایک فرد کا ہاتھ پکڑے اور اسے اپنے ساتھ لے جائے۔

---

[1] امام حسینؑ نے ان دو تجویزوں کے ذریعے سے ان کو یقین دلایا تھا کہ جس طرح میرے والد ـــــ امام علی مرتضیٰؑ نے بیعت سے انکار کرنے والوں یعنی سعد بن ابی وقاص، عبداللہ بن عمر خطاب اور اسامہ بن زید کو ان کے حال پر چھوڑ دیا تھا ـــــ اسی طرح مجھے بھی میرے حال پر چھوڑ دو۔

میں تم لوگوں کا بہت شکر گزار ہوں اور تمہیں مشورہ دیتا ہوں کہ اب اپنے گھروں کو روانہ ہو جاؤ۔ یہ لوگ میری جان کے درپے ہیں اور جب یہ مجھ پر قابو پا لیں گے تو پھر انہیں کسی اور کی ضرورت نہیں رہے گی۔"

جواب میں بنی ہاشم نے کہا:

"ہم آپ کو ہرگز تنہا نہیں چھوڑیں گے۔ ہم آپ کے بعد زندہ رہیں؟ خدا نہ کرے کہ ایسا ہو۔"

پھر آپ نے اولاد عقیل کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا:

"یہی بہت ہے کہ مسلم قتل ہو گئے ہیں۔ اب آپ لوگ چلے جائیں اور میں آپ کو اجازت دیتا ہوں۔"

جواباً انہوں نے کہا:

"یہ ناممکن ہے ـــــ ہم آپ کی خاطر اپنا سب کچھ قربان کر دیں گے۔ ہم آپ کے ہمرکاب لڑیں گے اور جو آپ پر بیتے گی وہی ہم پر بھی بیتے گی۔ آپ کے بغیر زندہ رہنا بے معنی ہے۔"

پھر انصار کی طرف سے مسلم ابن عوسجہ نے عرض کیا:

"ہم کیسے آپ کو تنہا چھوڑ سکتے ہیں؟ آپ کے بارے میں جو فرض ہم پر عائد ہوتا ہے، اگر ہم نے اسے ادا نہ کیا تو ہم خدائے تعالیٰ کو کیا جواب دیں گے؟ میں اپنا نیزہ دشمنوں کے سینوں میں گھونپ دوں گا اور جب تک تلوار کے قبضے پر میری گرفت باقی رہی، میں تلوار چلاتا رہوں گا۔ اگر میرے پاس کوئی ہتھیار نہ رہا تو میں ان پر پتھر پھینکوں گا۔ پھر جب تک میں آپ کے ساتھ مر نہ جاؤں

سے لڑتا رہوں گا۔"

سعید بن حنفی نے عرض کیا:

"خدا کی قسم میں آپ کو تنہا نہیں چھوڑوں گا۔ تاکہ خدا گواہ رہے کہ ہم اس کے رسولؐ کی وفات کے بعد بھی آپ کے وفادار رہے ہیں۔ پس اگر مجھے اس بات کا علم ہو کہ میں قتل کر دیا جاؤں گا، پھر زندہ کر کے آگ میں جلا دیا جاؤں گا اور میری راکھ بکھیر دی جائے گی۔ اگر یہ عمل ستر بار دہرایا جائے تو بھی میں آپ کا ساتھ نہیں چھوڑوں گا۔ میں آپ کو کیسے چھوڑ سکتا ہوں جب کہ میں جانتا ہوں کہ مجھے فقط ایک بار مرنا ہے اور پھر دائمی رحمت میرے حصے میں آئے گی۔"

امام علیہ السلام کے دوسرے انصار نے بھی ایسے ہی خیالات کا اظہار کیا۔ وہ آپ کا یہ خطبہ سننے کے بعد موت کو گلے لگانے پر تیار ہو گئے ۔۔۔ انہوں نے بقیہ رات ذکر و عبادت میں گزاری۔

راوی مزید کہتا ہے:

امام حسینؑ اور آپ کے ہمراہیوں نے وہ رات عبادت اور مناجات میں گزاری اور اللہ تعالیٰ سے راز و نیاز کرتے رہے۔

اب وہ اگلی صبح کو دشمن پر حجت تمام کرنے اور اس سے لڑنے کے لیے تیار ہو چکے تھے۔ رات کے تیسرے پہر امام علیہ السلام نے حکم دیا کہ خیموں کے پیچھے کی کھائی میں لکڑیاں ڈال دی جائیں۔

پھر صبح عاشور کو جب وہ دشمن کے مقابلے میں صف آرا ہوئے تو خیمے ان کی پشت پر ہو گئے۔ تب امام علیہ السلام نے حکم دیا کہ کھائی میں ڈالی گئی لکڑیوں کو آگ لگا دی جائے تاکہ دشمن ہمارے خیموں کے پیچھے سے حملہ نہ کر سکے۔ جس وقت

دونوں لشکر آمنے سامنے ہوئے تو امامؑ عالی مقام اور ان کے اصحاب نے دشمن کے لشکر سے کئی بار خطاب کیا۔ سب سے پہلے امام حسینؑ اپنی اونٹنی پر سوار ان کے سامنے گئے اور ان سے یوں خطاب فرمایا:

"اے لوگو! میری بات سنو ۔۔۔ جلدی نہ کرو ۔۔۔ مجھے نصیحت کر لینے دو۔ تم حضرت محمد رسول اللہؐ پر ایمان رکھتے ہو، پھر بھی تم ان کی اولاد کو قتل کرنے آئے ہو۔ کیا یہ مناسب ہے؟ اگر تم میرے شجرۂ نسب پر نظر ڈالو اور اس بات پر غور کرو کہ میں کون ہوں تو تمہارا ضمیر تمہیں ملامت کرے گا۔ کیا تم میری بے حرمتی کرنا جائز سمجھتے ہو؟ کیا میں تمہارے پیغمبرؐ کی بیٹی کا فرزند نہیں ہوں؟

کیا تم نے یہ نہیں سنا کہ آنحضرتؐ نے میرے اور میرے بھائیؑ کے متعلق فرمایا تھا کہ ہم دونوں جوانانِ بہشت کے سردار ہیں!

اگر تمہیں اس قول کی صحت کے بارے میں شک ہو تو بھی تم اس بات سے انکار نہیں کر سکتے کہ میں تمہارے پیغمبرؐ کا نواسا ہوں۔ تم یہ بھی جانتے ہو کہ اس وقت آنحضرتؐ کا کوئی اور نواسا دنیا میں موجود نہیں ہے۔ تم کیوں میرا خون بہانے کے درپے ہو؟ کیا میں نے تمہارے کسی آدمی کو قتل کیا ہے؟ یا کسی کا مال لوٹا ہے یا کسی کو زخم لگایا ہے؟

پھر آپ نے ان میں سے بعض کے نام لے لے کر انہیں مخاطب کیا اور فرمایا:

اے شبث ابن ربعی! اے حجار بن ابجر! اے قیس بن اشعث! اے زید بن حارث! ۔۔۔ کیا تم لوگوں نے مجھے خط نہیں بھیجے

اور مجھے یہاں آنے کی دعوت نہیں دی تھی؟ کیا تم نے یہ نہیں لکھا
تھا کہ میوے پک چکے ہیں، کھیت لہلہا رہے ہیں اور ایک لشکر
میرا منتظر ہے؟

آپ نے مزید فرمایا:

اگر تم لوگ مجھے پسند نہیں کرتے تو پھر مجھے یہاں سے چلے جانے دو۔"

قیس بن اشعث نے کہا:

کیا آپ اپنے بھائی کی بیعت نہیں کریں گے؟

امام حسین علیہ السلام نے فرمایا:

"نہیں! کبھی نہیں کیونکہ حرامی زیاد کا حرامی بیٹا ہم سے
کہہ رہا ہے کہ ہم موت اور ذلت میں سے کسی ایک چیز کا
انتخاب کرلیں۔ لیکن ہم کہاں اور ذلت کہاں!"

آپ نے مزید فرمایا:

"اس کے بعد زیادہ عرصہ نہیں گزرے گا کہ خود تم لوگ کچل دیے
جاؤ گے اور ظلم کی چکی میں پس جاؤ گے۔

ہاں! باطل کا مقابلہ کرنا تو مجھ پر ایک ذمہ داری ہے، جو میرے
والد ماجد نے رسول اکرمؐ کی جانب سے میرے سپرد کی ہے۔"

پھر آپ نے اپنے ہاتھ آسمان کی طرف بلند کیے اور کہا:

"اے پروردگار! ان ظالموں سے بارش کو روک لے ____ اور
ثقیف کے ایک نوجوان کو ان پر مسلط کردے جو انہیں پینے کو کڑوا
پیالہ دے!"

خلیفہ یزید کے وہ لشکری جو مسلمان ہونے کے دعویدار تھے، وہ اپنے رسولؐ

کے نواسے سے اس لیے برسرپیکار تھے تاکہ اسے یزید کی بیعت کرنے اور ابن زیاد کی اطاعت
قبول کرنے پر مجبور کریں۔ تاہم امام حسینؑ اور ان کے انصار کو اپنے مردوں کا قتل
ہو جانا اور عورتوں کا قیدی بن جانا منظور تھا لیکن وہ ان ظالموں کے سامنے سر تسلیم خم
کرنے کو تیار نہیں تھے۔ وہ لشکر خلیفہ یزید اور اس کی طرف سے کوفہ کے والی ابن زیاد
کو خوش کرنے کے لیے، اپنے نبیؐ کے نواسے کو قتل کرنے اور اس کے بچوں کو قیدی
بنانے پر تلا ہوا تھا۔

ادھر امام حسینؑ اور ان کے انصار اللہ کو خوش کرنے کے لیے اپنی جانیں دینے
پر آمادہ تھے۔ خاص اس دن ان دونوں گروہوں نے جو کچھ کہا اور کیا، نیز اس
سے پہلے کے واقعات سے بھی یہی حقیقت واضح ہوتی ہے۔

جنگ کی ابتدا خلیفہ کی فوج کے سپہ سالار عمر بن سعد نے کی اور اسی نے
پہلا تیر پھینکا۔ تیر کو چلے پر چڑھاتے ہوئے اس نے کہا:

"والیٔ کوفہ کے سامنے تم اس بات کے گواہ رہنا کہ میں ہی وہ شخص
ہوں، جس نے امام حسینؑ پر پہلا تیر چلایا ہے۔"

تب امام حسینؑ نے اپنے ہاتھ بلند کیے اور کہا:

"اے پروردگار! تمام مشکلات اور مصائب میں میری امید اور میرا
بھروسہ تجھی پر ہے۔"

اسی طرح فریقین کے لشکریوں کے ہر قول اور ہر فعل سے ان کے دلی جذبات
کا اظہار ہو رہا تھا۔ مثلاً خلیفہ کے ایک لشکری مسروق وائلی کا کہنا ہے:

"میں امام حسینؑ پر حملہ کرنے والے رسالے کے ہراول دستے میں تھا۔
تب میں نے سوچا کہ پہلی صف میں جا پہنچوں تاکہ ابن زیاد کی خوشنودی حاصل
کرنے کے لیے امام حسینؑ کا سر کاٹ لوں!"

ذرا غور کیجیے کہ خلیفہ ہی کی فوج میں ایک ایسا شخص بھی تھا جو ابن زیاد کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے اپنے پیغمبرؐ کے نواسے کا سر کاٹ لینا چاہتا تھا۔

اس کے مقابلے میں امام حسینؑ کی فوج میں صحابیِ رسول ابوذرؓ کا آزاد کردہ غلام جونؑ تھا۔ جب اس نے جنگ کی اجازت مانگی تو امامؑ نے فرمایا:

"تم عافیت حاصل کرنے کی خاطر ہمارے ساتھ رہ رہے تھے۔
اب میں تمہیں اجازت دیتا ہوں کہ تم چلے جاؤ۔"

جونؑ نے عرض کیا:

"جب حالات بہتر تھے تو میں آپ کے دسترخوان کا ریزہ چین رہا تھا، اب اس مشکل وقت میں آپ کو دغا نہیں دے سکتا۔
میرے آقا! میرا رنگ کالا ہے — میرے بدن سے بدبو آرہی ہے۔ میرا تعلق کسی اونچے خاندان سے بھی نہیں — پس آپ مجھے بہشت میں جانے کا موقع دیجیے، تاکہ میرے بدن کی بدبو — خوشبو میں اور میرے چہرے کی سیاہی — سفیدی میں تبدیل ہو جائے۔ خدا کی قسم! میں آپ کو چھوڑ کر نہیں جاؤں گا — یہاں تک کہ میرا خون آپ کے خون کے ساتھ مخلوط ہو جائے گا۔"

جب امام حسینؑ نے اسے جنگ کرنے کی اجازت دے دی تو اس نے یہ کہتے ہوئے دشمن پر حملہ کیا:

"فاسق لوگ دیکھ لیں کہ ایک کالا مومن کس طرح حملہ کرتا ہے
میں اہلبیتِ رسولؐ کا دفاع کر رہا ہوں اور مجھے اس کے اجر کی
توقع فقط اللہ سے ہے۔"

جب جونؑ شہید ہو گئے تو امام حسینؑ اس کی نعش کے پاس پہنچے اور فرمایا:

"اے اللہ! اس کے چہرے کو روشن اور اس کے بدن کو معطر فرما۔
روزِ محشر اسے محمد رسول اللہؐ کی معیت اور آلِ محمدؐ کی رفاقت عطا فرما۔"

ایک گیارہ سال کے لڑکے نے اپنے باپ کے قتل ہو جانے کے بعد امام حسینؑ سے جنگ کرنے کی اجازت مانگی۔ چونکہ اس کا باپ قتل ہو چکا تھا، اس لیے ممکن تھا کہ اس کی ماں لڑکے کا لڑائی میں جانا پسند نہ کرتی، اس لیے امام علیہ السلام نے اسے اجازت نہیں دی۔ تب اس لڑکے نے بتایا کہ خود اس کی ماں نے ہی اسے جنگ کے لیے بھیجا ہے۔ اس کے بعد وہ لڑکا میدانِ جہاد میں مارا گیا اور دشمن نے اس کا سر کاٹ کر امام حسینؑ کے ساتھیوں کی طرف پھینک دیا۔ اس کی ماں نے بڑھ کر اپنے بیٹے کا سر اٹھا لیا — اس پر لگا ہوا خون پونچھا اور پھر اسے یزید کے ایک فوجی پر دے مارا۔

اس کے ساتھ ہی وہ خیمے کی ایک چوب لے کر یہ کہتی ہوئی دشمن کی طرف گئی:

میں ایک آزاد کردہ بوڑھی کنیز ہوں
بے کس، حقیر اور بے زور ہوں
مگر آج میں تم کو کاری ضربیں لگاؤں گی
اس طرح میں اولاد فاطمہؑ کی نصرت کروں گی

جب امام حسینؑ نے اس باہمت کنیز کو اس حال میں دیکھا تو حکم دیا کہ اس کو واپس لایا جائے۔

عمرو ازدی نے دشمن پر جھپٹتے ہوئے یوں نعرۂ حق بلند کیا:

اے نفس! آج تجھے خدا کی طرف — رضا و رغبت سے جانا ہے

آج تجھے اس احسان کا بدلہ ملے گا   جو اس زمانے پر تیرا قرض ہے

آج تیرے نامۂ اعمال کی خطائیں
نیکیوں اور خوبیوں میں بدل جائیں گی

انہی عمرو ازدی کے بیٹے ـــــ خالد اپنے باپ کی شہادت کے بعد دشمن کے سامنے گئے اور وہ کہہ رہے تھے:

ہم بنی قحطان موت پر صبر کرتے ہیں
کیونکہ ہم خدا کی رضا پر راضی ہیں

اے میرے صاحب عزت و مرتبہ بابا!
آپ حق کی دلیل بنے اور جنت میں گئے

امام حسینؑ کے ایک اور ساتھی سعد بن حنظلہ یہ کہتے ہوئے جنگ آزما ہوئے:

ہم تلواروں اور نیزوں کے آگے ڈٹ جائیں گے
تاکہ ہم جان دے کر جنت میں جا پہنچیں
اے نفس! دنیا کی راحت اور آرام کو چھوڑ دے
اور حق کا ساتھ دینے کے لیے آگے بڑھتا جا

زہیر بن قین نے امامؑ کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر کہا:

آگے بڑھیں میرے ہادی و مہدی امامؑ!
آج آپ اپنے نانا سے جا ملیں گے
حسن مجتبیٰؑ اور علی مرتضیٰؑ کے پاس
اور دو پروں والے جعفر طیارؓ کے پاس جائینگے
ہاں آج آپ خدا کے شیر حمزہؓ کے پاس جائیں گے

زہیر نے مزید کہا:

یا حسینؑ! اپنے نانا محمدؐ سے ملنے کو بڑھیں
اپنے والد علیؑ صاحب خیر سے ملنے کو چلیں
روشن چہرے والے بھائی حسنؑ سے
اور اپنے بہادر چچا جعفر طیارؓ کی طرف چلیں
شہادت گاہ سے آپ خدا کے شیر حمزہؓ سے ملیں گے
آپ کے یہ سب بزرگ جنت میں منتظر ہیں

سپاہ حسینؑ کے ایک اور بہادر نافع میدان میں آئے اور وہ کہہ رہے تھے:

میں یمن کے قبیلہ جمل کا جوان ہوں
میں حسینؑ اور علیؑ کے دین پر ہوں
آج میں قتل ہو جاؤں یہ میری آرزو ہے
شہادت میرا مقصد اور یہی میرے عمل کا صلہ ہے

امام حسینؑ کے فرزند ـــ علی اکبر یوں للکارے:

میں علی بن حسینؑ بن علیؑ ہوں
خدا کی قسم ہم ہی محمدؐ کے قرابتدار ہیں

امام حسنؑ کے بیٹے اور امام حسینؑ کے بھتیجے قاسم یہ کہہ رہے تھے:

اگر تم مجھے نہیں جانتے تو جان لو کہ حسنؑ کا بیٹا ہوں
وہ نبیؐ کے نواسے اور لوگوں کا سہارا تھے

محمد بن عبداللہ بن جعفر طیارؓ نے کہا:

امت کی سرکشی کا شکوہ خدا سے کرتا ہوں
یہ لوگ گمراہی میں اندھے ہو گئے ہیں

انہوں نے اپنے مقصد سے قرآن کے معنی تبدیل کر دیے
حالانکہ اس کی آیات اور تفسیر محفوظ ہے
اس طرح انھوں نے کفر کی کھلی مدد کی ہے

عباس علمدارؑ یہ اعلان کر رہے تھے:

میں اپنے دین کا ہمیشہ حامی رہا میں سچے امام حسینؑ کا مددگار ہوں
جو پاک ابن پیغمبر محمدؐ کے نواسے ہیں

عباسؑ نے یہ بھی کہا:

اے نفس! کفار سے خوف نہ کھا زبردست خدا کی رحمت کی بشارت
نبی مختار محمدؐ کے طفیل ملتی ہے

خلیفہ یزید کی فوج کے ایک سپاہی نے ایک بچے پر تیر چلا دیا، جبکہ اس کا باپ اسے اپنے ہاتھوں پر اٹھائے ہوا تھا۔[1] اس شقی نے بچے کی ماں کے سامنے ہی اس کو قتل کر دیا۔

انسان کو یہ سوچ کر حیرت ہوتی ہے کہ کیا اس شیرخوار بچے کو بھی اسی لیے قتل کیا گیا کہ اس نے خلیفہ کی بیعت نہیں کی تھی؟ کیا وہ رسول اکرمؐ کی بہو بیٹیوں کو قیدی بنا کر اس لیے کوفہ اور شام لے گئے، درباروں میں قیدیوں کے کٹہروں میں کھڑا کیا کہ ان سے خلیفہ یزید کی بیعت لی جائے؟

آخر ان لوگوں نے ایسے ہی بہت سے جرائم کیوں کیے؟ خلیفہ کی فوج نے آل رسولؐ کے خیموں کو آگ کیوں لگائی؟ انھوں نے نواسۂ رسولؐ کے سینے اور پشت کو گھوڑوں کی ٹاپوں سے کیوں پامال کیا؟ انہوں نے امام حسینؑ اور ان کے

[1] یہ شہزادہ علی اصغر کی شہادت کا واقعہ ہے۔

اقربا و انصار کی لاشوں کو بے کفن و دفن کھلے میدان میں کیوں چھوڑ دیا؟ انہوں نے ان شہداء کے سر کاٹ کر آپس میں کیوں تقسیم کیے اور انہیں نیزوں پر کیوں چڑھایا؟

یہ سب کچھ انہوں نے اس لیے کیا کہ ابن زیاد کو اپنی فرمانبرداری اور وفاداری کا یقین دلا سکیں۔ جیسا کہ ان کے ایک شاعر نے صاف کہہ دیا۔

اگر تم عبید اللہ سے ملو تو اسے بتا دینا کہ میں خلیفہ کا حمایتی ہوں
اور ابن زیاد کا نیازمند ہوں۔

ان جرائم کے ارتکاب میں ان کا مقصد خلیفہ اور اس کی طرف سے کوفہ کے والی ابن زیاد کی خوشنودی حاصل کرنا تھا جیسا کہ ان میں سے ایک شخص نے کہا:

میرا دامن سونے اور چاندی سے بھر دو میں نے اس شاہ کونین کا سر کاٹا ہے
جس کے ماں باپ سب سے برتر تھے[1]

ان لوگوں نے یہ تمام جرائم یزید اور اس کے گورنر ــــ ابن زیاد کی خوشنودی حاصل کرنے اور ان سے سونا چاندی لینے کے لیے کیے۔ یہی وجہ ہے کہ انہوں نے ابن زیاد کے محل کے سامنے آ کر ایسے اشعار پڑھے:

ہم نے اپنے منہ زور گھوڑوں کی ٹاپوں سے
دشمنوں کی پشتوں اور سینوں کی ہڈیاں توڑ ڈالیں

خولی نے اپنی بیوی سے کہا:

"میں تمہارے لیے ایک انمول خزانہ لایا ہوں ــــ لے لو! یہ حسینؑ کا سر تمہارے گھر میں ہے!"

[1] تاریخ ابن عساکر۔ روایت ۵۷۷

تاہم امام حسین علیہ السلام کے ساتھی ـــ اللہ اور اس کے رسولؐ کی خوشنودی حاصل کرنے اور اپنی عاقبت سنوارنے کے لیے لڑے تھے۔ جبکہ خلافتی سپاہی یزید اور ابن زیاد کو خوش کرنے اور دنیاوی فوائد حاصل کرنے کے لیے لڑے مرے تھے۔

پھر ـــ خلیفہ نے انہیں واقعی خوش کردیا۔ اس نے ابن زیاد کو دس لاکھ درہم دیے۔ نیز اہل کوفہ کو ان کی فرمانبرداری پر شاباش دی اور ان کے وظائف دگنے کردیے۔

خلیفہ نے ایسا کیوں کیا؟ اس نے ابی عبداللہؑ کے دندان مبارک پر چھڑی کیوں ماری؟ اس نے دمشق میں تین دن تک سر مبارک کی نمائش کیوں کی؟ اس نے اسے جگہ جگہ لے جانے کا حکم کیوں دیا؟ اس نے اپنے اقوال اور افعال سے اس کی وجہ خود بتادی ہے:

میں بنی خندف میں سے ہو نہیں سکتا
اگر محمدؐ کے کیے کا بدلہ انکے گھرانے سے نہ لیتا
میں نے ان کے بڑے بڑے بہادروں کو قتل کردیا
اور اپنے بدر کے مقتولوں کا حساب برابر کر دیا

کیا اس کی دادی ہندہ نے احد کے مقام پر حضرت حمزہؓ کا پیٹ پھاڑ کر اور ان کا جگر نکال کر چبایا نہیں تھا؟ جبکہ وہ کہہ رہی تھی:

احد کے دن میں حمزہؓ کے قتل پر خوش ہوئی
پھر میں نے اس کا پیٹ پھاڑا اور جگر نکال لیا

کیا اس کے دادا ابوسفیان نے احد کے دن شہید حمزہؓ کے جبڑے میں نیزہ بھونک کر یہ نہیں کہا تھا:

اب چکھ لے اپنی نافرمانی کا مزہ!

تب حلیس نامی ایک حبشی سردار نے اسے ایسا کرتے دیکھ کر کہا:

"اے بنی کنانہ! ذرا دیکھنا کہ قریش کا یہ رئیس اپنے چچازاد بھائی سے کیسا سلوک کر رہا ہے؟"

کیا اس کے دادا ابوسفیان نے بیعت عثمان کے روز ان کے روبرو یہ نہیں کہا تھا:

"اے بنی امیہ! اب اس (خلافت) سے ایک گیند کی طرح کھیلتے رہو۔ میں مدت سے امید کر رہا تھا کہ تم اسے ضرور حاصل کروگے اور اسے اپنی وراثت بنالوگے۔"

کیا ابوسفیان نے اسی روز ہی حضرت حمزہؓ کی قبر کو ٹھوکر مار کر یہ نہیں کہا تھا؟

اے ابوعمارہ! جس چیز کے لیے تم ہم سے لڑتے تھے، آج بنی امیہ کے نوجوان اس سے کھیل رہے ہیں۔

ہمارے بھائی بنی ہاشم چاہتے ہیں کہ محمد رسول اللہؐ کا نام دن میں پانچ مرتبہ بلند ہوتا رہے، لیکن ـــ بخدا! میں اس نام کو مٹا ہی ڈالوں گا۔

کیا یزید کے باپ معاویہ کی فوج نے بسر بن ارطاۃ کی زیر کمان مدینہ منورہ میں تیس ہزار مسلمانوں کو قتل نہیں کیا، ان کے گھر نہیں جلائے اور عبیداللہ بن عباس کے دو بچوں کو چھری سے ذبح نہیں کیا تھا؟ پس یزید اپنے قول و فعل میں اپنے دادا، دادی اور باپ کے نقش قدم پر چل رہا تھا۔

شہادت حسینؑ کے اثرات

خلیفہ یزید کی فوج نے اولاد رسولؐ کو قتل کردیا اور ان کی لاشیں مسخ کردیں، پھر عورتوں اور بچوں کو قیدی بنایا اور انہیں لیے ہوئے شہر شہر گھومتے رہے۔ سب

کچھ مسلمانوں کے علم میں تھا اور ان کی آنکھوں کے سامنے ہوا۔ یہ تمام سنگین واقعات امام حسینؑ کے ۸ ذی الحجہ کو مکہ سے روانہ ہونے کے دو ماہ کے اندر کربلا، کوفہ اور شام کے مقامات پر رونما ہوئے۔

حاجیوں کی مکہ سے واپسی کے بعد یزید کے خلاف امام حسینؑ کے قیام کی خبر دور دور تک پھیل گئی۔ قدرتی طور پر اس وقت کے مسلمان اِدھر اُدھر سے مزید معلومات حاصل کرنے کی کوشش کر رہے تھے۔ جب انہیں خاندان رسولؐ پر بیتے بعد دیگرے مصائب اور آلام کی خبریں ملیں تو وہ بے حد پریشان اور رنجیدہ ہوئے۔ جس مسلمان کو بھی اس سانحہ کی خبر ملی، اسے بے حد دکھ ہوا حتیٰ کہ خود یزید کے گھر میں اس دردناک سانحہ پر کہرام مچا۔ اس کے دربار میں اور پھر مسجد میں لوگوں نے یزید سے نفرت کا اظہار کیا۔ اسی پر بس نہیں ہوئی بلکہ حادثۂ کربلا کے بعد مسلمان دو گروہوں میں بٹ گئے۔

پہلا گروہ: یہ گروہ خلیفہ کے جھنڈے تلے جمع ہو گیا۔ اولادِ رسولؐ کے قتل، مدینہ کی بے حرمتی اور خانۂ کعبہ پر گولہ باری کی بنا پر ان لوگوں کی وفاداری میں کوئی فرق نہ آیا، بلکہ ان کی بے دینی اور بے رحمی میں اضافہ ہو گیا۔

دوسرا گروہ: یہ گروہ ان لوگوں کا تھا جو اس خلافت سے بیزار ہو گئے تھے۔ انہوں نے ارباب خلافت کی حرکتوں پر شدید گرفت کی اور ان کے مقابلے پر نکل آئے۔ ان میں اہل مدینہ کے علاوہ وہ لوگ بھی شامل تھے جو واقعۂ حرّہ میں اس خلافت کے ظلم کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے تھے۔

اس دوسرے گروہ سے پیشتر بھی خلافت کے مقابل کچھ تحریکیں اٹھتی رہیں۔ جس میں ائمہ اطہارؑ کے چند ایک مطیع اور حق شناس بھی شامل تھے۔ ان کی اس تحریک کی ابتدا امام حسینؑ کے قیام سے ہوئی:

۱۔ زہیر بن قین کہ عثمان کے حامی تھے، لیکن امام حسینؑ سے ملاقات کے بعد ان کے طرفدار ہو گئے۔

۲۔ حُر بن یزید ریاحی جو خلیفہ یزید کی فوج کے ایک سردار تھے، انہوں نے بھی اپنی غلطی کو محسوس کر لیا اور امام حسین علیہ السلام کے انصار میں شامل ہو کر ان کا دفاع کرتے ہوئے شہید ہو گئے۔

ان چند ایک حضرات کو معلوم ہو گیا تھا کہ خلافت وقت کی روش اسلام کے منافی ہے۔ انہوں نے ائمہ اہل بیتؑ کی امامت کا اقرار کیا اور اسلام کے اس آئین کو قبول کرنے کے لیے تیار ہو گئے جو رسول اکرمؐ پر بذریعہ وحی نازل ہوا اور پھر یکے بعد دیگرے ائمہ طاہرینؑ تک پہنچا تھا۔ اب یہ موقع آیا تھا کہ اس آئین کی کھلکر تبلیغ کی جائے۔ حالانکہ ایک عرصے سے اس کام کی ذمہ داری ائمہ اہلبیتؑ نے سنبھالی ہوئی تھی۔ چنانچہ امام سجاد علیہ السلام نے اپنی وفات کے وقت ہر بات سے پہلے اس کام کے لیے آگے کی راہ ہموار کرنے کا اہتمام کیا تھا۔

تبرکات رسولؐ کی امام محمد باقرؑ کو سپردگی

جب امام علیؑ بن الحسینؑ کا آخری وقت قریب آیا تو انہوں نے ایک صندوق نکلوایا اور اپنے فرزند محمد باقرؑ سے کہا:

اے محمد! اسے لے جاؤ!

تب اس صندوق کو چار اشخاص نے اٹھایا اور وہاں سے لے گئے۔

پھر جب امام علیؑ بن الحسینؑ کا وصال ہو گیا تو امام محمد باقرؑ نے ان سے کہا: اس میں تمہارے لیے کچھ بھی نہیں ہے۔ اگر اس میں کوئی چیز تمہارے لیے ہوتی تو ہمارے والد گرامی یہ صندوق تنہا مجھے نہ دے جاتے۔ اس میں فقط رسول اکرمؐ کے

ہتھیار ہیں۔

ایک اور روایت میں آیا ہے کہ اپنی زندگی کے آخری لمحوں میں امام سجادؑ نے اپنے فرزندوں پر نگاہ ڈالی جو آپ کے قریب موجود تھے۔ پھر اپنے بیٹے محمدؑ سے فرمایا:
اے محمد! یہ صندوق اپنے گھر لے جاؤ۔

آپ نے مزید فرمایا: "اس میں روپیہ پیسہ نہیں ہے، لیکن یہ متاع علم و دانش سے بھرپور ہے۔"

فقط امام سجادؑ نے ہی یہ کتابیں اپنے جانشین کو کھلے عام منتقل کیں۔ ان سے پہلے یا ان کے بعد کسی امام نے ایسا نہیں کیا۔ ان کا مقصد یہ تھا کہ اپنی رائے سے فتوے دینے والے حکم بن عتیبہ جیسے لوگوں کے مقابلے میں سرکار رسالت سے ورثے میں ملے ہوئے اسلامی اصول و احکام کو لوگوں تک پہنچانے کی خاطر امام محمد باقرؑ کے لیے ایک سازگار فضا بنا دیں۔

ایک دفعہ کسی مسئلہ میں حکم بن عتیبہ کا امام محمد باقرؑ سے اختلاف رائے ہو گیا۔ تب امام محمد باقرؑ نے اپنے بیٹے جعفر صادقؑ سے کہا:

اے بیٹے! اٹھو اور وہ عظیم کتاب لے آؤ۔

پھر آپ نے اس کتاب میں وہ مسئلہ دیکھا اور فرمایا:

"یہ کتاب امام علی مرتضیٰؑ کی ہے۔ اس میں وہ باتیں ہیں جو رسول اکرمؐ نے انہیں لکھوائی تھیں۔"

پھر فرمایا:

"اے حکم! تم، سلمہ اور ابو المقدام خواہ دنیا کے کسی بھی کونے میں چلے جاؤ ــــ تم وہ علم کہیں سے بھی حاصل نہیں کر سکتے ــــ جو ان لوگوں کے پاس ہے جن کے ہاں جبرئیلؑ آیا کرتے تھے۔"

پس امام محمد باقرؑ وہ پہلے امام تھے جنہوں نے لوگوں کو وہ کتابیں دکھائیں جو انہیں اپنے جد بزرگوار امام علی مرتضیٰؑ سے ملی تھیں جن میں رسول اکرمؐ نے مسلمانوں کے لیے اپنے ارشادات لکھوائے ہوئے تھے۔ امام محمد باقرؑ نے ان کتابوں میں سے کچھ چیزیں بعض لوگوں کو پڑھ کر سنائیں۔ ان کے جانشین حضرت امام جعفر صادقؑ بھی ان کی پیروی کرتے رہے تھے۔ آپ اکثر ان کتابوں سے حوالے دیا کرتے اور لوگوں کو بتاتے کہ وہ کیسے مرتب کی گئی تھیں۔ جیسا کہ انھوں نے فرمایا:

ان کتابوں میں وہ سب کچھ موجود ہے جس کی لوگوں کو ضرورت پڑ سکتی ہے حتیٰ کہ ان میں کسی کے بدن پر خراش لگانے تک کی سزا کا بھی ذکر ہے۔

اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مکتب خلفاء کے علماء سے ائمہ طاہرینؑ کا اختلاف ہو گیا۔ کیونکہ اس مکتب کے علماء احکام کے استنباط اور تشریح کے لیے زیادہ تر اپنی ذاتی رائے اور قیاس سے کام لیتے تھے۔ جبکہ ائمہ علیہم السلام محض رسول اکرمؐ کے ارشادات ہی پر انحصار کرتے تھے۔ جیسے امام صادق علیہ السلام نے فرمایا:

"میں وہ کہتا ہوں جو میرے والد گرامی نے کہا ــــ انہوں نے وہ کہا جو میرے دادا نے کہا ــــ میرے دادا نے وہ کہا جو امام حسینؑ نے کہا ــــ امام حسینؑ نے وہ کہا جو امام حسنؑ نے کہا ــــ امام حسنؑ نے وہ کہا جو امیرالمومنین امام علیؑ نے کہا ــــ امام علیؑ نے وہ کہا جو رسول اکرمؐ نے کہا ــــ اور جو کچھ رسول اکرمؐ نے کہا وہ ارشاد الٰہی ہے۔" [1]

---

[1] اصول کافی جلد ۱ صفحہ ۵۳

امام حسینؑ کی شہادت کے بعد بعض مسلمانوں نے یہ محسوس کر لیا کہ مکتب خلفاء حق پر نہیں ہے' اس بنا پر وہ اہلبیتؑ کی طرف مائل ہو گئے۔ چونکہ وہ اہلبیتؑ کا نقطۂ نظر سننے پر آمادہ تھے' اس لیے ائمہ علیہم السلام کو اس بات کا موقع مل گیا کہ وہ لوگوں کو ہدایت کریں اور انہیں بتائیں کہ اہلبیتؑ ان چیزوں کی تبلیغ اور اشاعت کرتے ہیں جو اللہ اور اس کے رسولؐ نے فرمائی ہیں۔ جب کسی مسلمان کو اس حقیقت کا پتا چل جائے تو وہ ائمہ علیہم السلام کے ارشادات کو لازماً قبول کرے گا۔ لہٰذا کچھ اشخاص اسلامی احکام کے بارے میں ان کی ہدایت پر عمل کرنے لگے۔ پھر رفتہ رفتہ ایسے لوگوں کی تعداد بڑھتی گئی اور صحیح اسلامی تعلیمات کی پیروی کرنے والے بہت سے معاشرے وجود میں آگئے۔ چونکہ ان لوگوں کو ایسے اشخاص کی ضرورت تھی جو ان کی رہنمائی کر سکیں' اس لیے ائمہ علیہم السلام نے اپنے ایسے وکیل مقرر کیے جو لوگوں کی رہنمائی کرتے اور ان سے شرعی واجبات بھی وصول کرتے تھے۔ لوگ اپنے مسائل میں عموماً ان وکیلوں سے رجوع کرتے تھے۔ تاہم جب کبھی ممکن ہوتا وہ امام وقت کی خدمت میں بھی حاضر ہوتے تھے۔

ان حالات میں امام محمد باقرؑ اور ان کے مابعد ائمہ علیہم السلام نے وقتاً فوقتاً ایسے مدارس قائم کیے جن میں اس زمانے کے بہترین لوگ حاضری دیتے تھے۔ چنانچہ ان مدارس میں امام وقت ان لوگوں کو اپنے آباء طاہرین کے واسطے سے اپنے جد اعلیٰ رسول اکرمؐ کی احادیث سنایا کرتے تھے۔

نیز امام علیؑ کی کتاب 'جامعہ' میں سے بھی احادیث بیان کیا کرتے تھے اور وہ جو احکام دین بیان فرماتے' اس کتاب سے ان کی سند بھی پیش کرتے تھے۔ امام صادقؑ کے زمانے میں یہ مدارس اتنے بڑھ گئے کہ جن میں شاگردوں کی تعداد چار ہزار بتائی جاتی ہے۔ ائمہ علیہم السلام جو احادیث بیان کرتے تھے'

ان کے شاگرد انہیں چھوٹی چھوٹی کتابوں کی شکل میں جمع کر لیتے' جن کو "اصول" کہا جاتا ہے۔ یہ سلسلہ اہلبیتؑ کے بارھویں امام یعنی مہدی علیہ السلام کے دور تک جاری رہا۔ یہاں تک کہ انہوں نے غیبت فرمائی اور لوگوں کی نگاہوں سے اوجھل ہو گئے۔ انہوں نے اپنے شیعوں کو ہدایت کی کہ ان کی غیبت کے زمانے میں نوبت بہ نوبت وہ ان چار نوابین سے رجوع کریں' جن کے نام یہ ہیں:

ا۔ عثمان بن سعید عمری

ب۔ محمد بن عثمان بن سعید عمری

ج۔ ابو القاسم حسین بن روح اور

د۔ ابو الحسن علی بن محمد سمری

ان نوابین نے تقریباً ستر سال تک امام علیہ السلام کی نیابت کا فریضہ ادا کیا۔ وہ امام اور ان کے شیعوں کے درمیان رابطے کا کام انجام دیتے تھے' حتیٰ کہ لوگ فقط ان نوابین ہی سے رجوع کرنے کے عادی ہو گئے۔

مکتب اہلبیتؑ کی احادیث سب سے پہلے کلینی نے جمع کیں۔ انہوں نے اپنی کتاب کو 'الکافی' کا نام دیا اور اس میں مکتب اہلبیتؑ کے علماء کی مرتب کردہ کئی ایک مشہور کتب احادیث کا بہت بڑا حصہ شامل کر دیا۔ اس کتاب کی تدوین کے ساتھ حدیث کی جمع آوری میں ایک نئے باب کا آغاز ہو گیا۔

امام حسینؑ کی شہادت کے بعد ائمہ علیہم السلام نے اصل اسلام کے احیاء کی انتھک کوششیں کیں۔ اس طرح رفتہ رفتہ انہوں نے اسلام کے اصل عقائد اور احکام کو بحال کر دیا۔ اس دوران میں اصلی حدیثوں کو وضعی حدیثوں سے الگ کرنے کا کام بھی مکمل ہو گیا اور حدیث و سنت کی تدوین کا کام بہت سی چھوٹی بڑی کتابوں کی صورت میں اپنی تکمیل کو پہنچ گیا۔ ائمہ علیہم السلام نے اسی نہج پر بہت سے لوگوں

کی فرداً فرداً ہدایت اور تربیت فرمائی۔ اس کی بدولت کئی ایک صحت مند اسلامی علمی مراکز قائم ہوگئے، جن میں ایسے صاحبان علم موجود تھے جو مکتب اہلبیتؑ کی کتب حدیث کی رہنمائی میں لوگوں کو پیش آنے والے ہر مسئلے کا حل تلاش کر سکتے تھے۔ اس دور کے خاتمے تک ائمہ علیہم السلام کا تبلیغی مشن مکمل ہوگیا جیسے رسول اکرمؐ نے اپنا تبلیغی مشن اپنی زندگی کے آخری سال میں مکمل کیا تھا۔ چنانچہ جب آپ نے رسالت کے فریضے کی تکمیل کر دی تو اس کے تھوڑے ہی دنوں کے بعد آپ کا وصال ہوگیا۔

اسی طرح اس دور کے خاتمے پر بھی اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت کاملہ کے مطابق امام مہدیؑ کی غیبت کا فیصلہ فرمایا اور انہیں اس وقت تک کے لیے لوگوں کی نگاہوں سے اوجھل کر دیا جس کا علم فقط اسی کو ہے۔ امام علیہ السلام نے مکتب اہلبیتؑ کے مجتہدین کو اپنی نیابت عامہ سے نوازا اور اپنے شیعوں کو حکم دیا کہ اس غیبت کے زمانے میں انہی مجتہدین سے رجوع کریں۔ اس کے بعد امام مہدی علیہ السلام کی غیبت کبریٰ کا آغاز ہوا۔ اس وقت سے مکتب اہلبیتؑ کے مجتہدین آپ کی نیابت کا فریضہ انجام دے رہے ہیں اور تبلیغ اسلام کی ذمہ داری اٹھائے ہوئے ہیں۔

مجتہدین — نائبین امام ہیں

مکتب اہلبیتؑ کے علماء نے رفتہ رفتہ تبلیغ اسلام کی ذمہ داری سنبھال لی۔ انہوں نے یہ ذمہ داری مکمل طور پر غیبت صغریٰ کے زمانے میں سنبھالی تھی لیکن غیبت کبریٰ کے دور میں ان کے فرائض اور بھی بڑھ گئے ہیں۔ وہ درسگاہیں جو ائمہ کے دور میں مسجدوں اور گھروں میں قائم تھیں، اب وہ حوزات علمیہ میں تبدیل ہوگئیں۔ چنانچہ وہ بڑے بڑے شہروں مثلاً شیخ مفید اور شیخ مرتضیٰ کے زمانے میں

بغداد میں اور شیخ طوسی کے عہد میں نجف اشرف میں قائم ہوئیں۔ اس کے بعد کربلا، حلہ، خراسان، اصفہان اور قم میں بھی ایسی ہی درسگاہیں قائم کی گئیں۔

اس وقت سے اب تک اسلامی تعلیمات کے طالب دنیا کے ہر کونے سے ان علمی مدارس میں جمع ہوتے ہیں۔ اس طرح وہ قرآن مجید کی مندرجہ ذیل آیت پر عمل کرتے ہیں:

"ان میں کی ہر قوم سے ایک جماعت اپنے گھروں سے کیوں نہیں نکلتی، تاکہ وہ علم دین حاصل کرے اور جب اپنی قوم کی طرف لوٹ کر آئے تو انہیں عذاب الٰہی سے ڈرائے۔"

(سورۂ توبہ۔ آیت ۱۲۲)

طالبان علم ان مدارس میں متبحر علماء سے تعلیم حاصل کرتے ہیں اور جب لوٹ کر اپنے شہروں کو جاتے ہیں تو دین اسلام کی تبلیغ اور خدمت میں مصروف ہو جاتے ہیں۔ وہ عہد بہ عہد اسی طرح اسلام کی خدمت کرتے رہے۔ ہر مشکل وقت میں انہوں نے اللہ اور اس کے رسولؐ کے دشمنوں کے خلاف جہاد کیا اور اسلام اور مسلمانوں کا دفاع کیا ہے۔ وہ ہر زمانے میں ان کافر، بے دین اور منافق لوگوں کے خلاف ہر قسم کے ہتھیاروں سے لڑتے رہے ہیں جو اسلام کو نابود کرنا چاہتے ہیں۔ حاصل یہ کہ امام علیہ السلام کی غیبت کے بعد ان کے یہ نائب شوکت اسلام کے علمبردار رہے ہیں اور علمبردار کو ہر جنگ لڑنا پڑتی ہے۔

اس سلسلے میں ہم مثال کے طور پر ان کوششوں کا ذکر کرتے ہیں جو علامہ مجلسی نے سنت رسولؐ کے احیاء کی خاطر اہلبیتؑ کی احادیث کی تشریح اور تفسیر بیان کرنے میں صرف کیں۔ جیسے ہم پہلے کہہ چکے ہیں کہ ثقۃ الاسلام کلینی — مکتب اہلبیتؑ کے پہلے فرد تھے، جنہوں نے احادیث کو مستقل ابواب کی شکل میں جمع و مرتب

کیا ہے۔ ان کے بعد دیگر علماء نے بھی خاص موضوعات کے تحت احادیث جمع کیں۔ مثلاً شیخ صدوق نے من لا یحضرہ الفقیہ میں شیخ طوسی نے تہذیب الاحکام اور استبصار میں اور شیخ حر عاملی نے وسائل الشیعہ میں وہ احادیث جمع کیں، جن کا تعلق احکام شریعت سے ہے۔ اس کے بعد علم و فضل کے آسمان پر علامہ مجلسی کا ستارہ چمکا اور انہوں نے شیخ کلینی کی الکافی کی طرز پر اپنی عظیم کتاب "البحار" لکھی اور اس میں تمام موضوعات پر احادیث جمع کر دیں۔ علامہ مجلسی نے اپنی کتاب میں قرآنی آیات اور احادیث کی تفسیر بیان کی اور ان میں سے کئی ایک کی حکمت پر بھی روشنی ڈالی، اس لحاظ سے وہ تمام محدثین پر سبقت لے گئے ہیں۔ اس کے علاوہ انہوں نے تاریخ و سیرت، عقائد و عبادات اور اخلاق و آداب پر بھی متعدد کتابیں لکھیں۔ چنانچہ فارسی اور عربی میں ان کی تصانیف کی تعداد ایک سو سے زیادہ ہے۔ "مرآۃ العقول" علامہ مجلسی کی شاہکار کتابوں میں سے ایک ہے جو الکافی کی شرح ہے۔ اس کتاب میں انہوں نے احادیث کے الفاظ کی تشریح کی ہے اور ان کی حکمت بیان کی ہے۔ نیز ہر حدیث کے بارے میں ان اصول و قواعد کے مطابق بحث کی ہے، جو علامہ حلیؒ اور ابن طاؤس کے زمانے سے محدثین میں مقبول رہے ہیں۔ پھر کئی احادیث ایسی بھی ہیں جن پر انہوں نے اپنے پیشروؤں سے اختلاف کیا ہے۔ مثلاً بعض احادیث کے بارے میں انہوں نے کہا:

"یہ عموماً ضعیف سمجھی جاتی ہے لیکن میرے نزدیک معتبر ہے۔" یا یہ کہ "میری رائے میں معتبر ہے۔"

اپنی اس کتاب کے سبب تالیف کے بارے میں وہ اس کے مقدمے میں یوں فرماتے ہیں:

"حدیث کی کتابیں پڑھاتے وقت میں ان کے حاشیے میں مختلف یادداشتیں

لکھ لیا کرتا تھا۔ چونکہ مجھے ڈر تھا کہ یہ یادداشتیں ضائع ہو جائیں گی اس لیے اپنی دوسری مصروفیات کے ساتھ میں نے انہیں جمع کرنا شروع کر دیا۔ میں نے اس کام کی ابتدا محمد بن یعقوب کلینی کی کتاب "الکافی" سے کی۔ کیونکہ مکتب اہلبیتؑ میں یہ اصولِ مذہب اور حدیث کی ایک عظیم اور جامع کتاب ہے اسلیے میں نے طے کیا کہ انکی اسناد پر بھی مختصراً بحث کروں کیونکہ وہ حدیث کی بنیاد ہیں۔

علاوہ ازیں احادیث کے مشکل الفاظ اور عبارات کی تشریح کروں گا۔ اس کے ساتھ ہی میں کسی کا نام لیے بغیر اور دوسرے شارحین کی ان باتوں کا ذکر کرنا چاہتا ہوں جو میں نے اپنے اساتذہ کی زبانی سنی ہیں۔ اس کتاب کی تالیف کا ایک اور سبب میرے فرزند عزیز محمد صادق کا اصرار ہے۔ چونکہ وہ ایک لائق اور فرمانبردار بیٹا ہے، اس لیے مجھے اس کی درخواست قبول کرنا پڑی۔ مجھے توقع ہے کہ اگر اس کتاب کی تکمیل سے پہلے ہی میری موت واقع ہو گئی تو وہ اسے مکمل کر دے گا۔[1]

اس سے پتا چلتا ہے کہ مرآۃ العقول ان شرحوں کا خلاصہ ہے جو علامہ مجلسی کے وقت تک لکھی گئیں، جن میں انھوں نے اپنی تحقیقات کا اضافہ کیا۔

جیسا کہ انھوں نے شرح کتاب الروضہ کے آغاز میں خود لکھا ہے کہ انہوں نے اس کتاب کو بارہ جلدوں میں تقسیم کر دیا تھا۔

پھر مختلف جلدوں کے آخر میں جو تاریخیں ثبت ہیں ان سے پتا چلتا ہے کہ بعد کی جلدیں پہلے اور پہلی جلدیں بعد میں لکھی گئی ہیں۔

---

[1] محمد صادق اپنے والد بزرگوار کی زندگی میں ہی وفات پا گئے اور یوں علامہ المجلسی کی اس خواہش کی تکمیل نہ ہو سکی کہ وہ ان کی وفات کے بعد ان کی کتاب مکمل کر دیں گے۔

(فیض القدسی، صفحہ ۳۰)

۱ـــ کتاب التوحید کے خاتمے پر یہ عبارت تحریر ہے:

"الکافی" کی کتاب التوحید کی یہ شرح اپنے کثیر مشاغل کے باوجود محمد باقر ابن محمد تقی المعروف بہ مجلسی نے ۱۰۹۸ ہجری میں ۷ ربیع الثانی کو مکمل کی[1] اور اس جلد کا مؤلف کے ہاتھ کا لکھا ہوا اصل مسودہ مشہد مقدس میں مکتبہ رضوی میں موجود ہے۔[2]

۲ـــ کتاب الحجۃ کے خاتمے پر یہ عبارت تحریر ہے:

میں کتاب المقاتل سے جو کچھ نقل کرنا چاہتا تھا' وہ یہاں ختم ہوتا ہے اور اس کے ساتھ ہی مرأۃ العقول کی دوسری جلد بھی تمام ہو گئی ہے۔ میں نے اس جلد میں کچھ اضافے کے ساتھ وہ متفرق یادداشتیں جمع کردی ہیں جو اس سے پہلے لکھی گئی تھیں۔

یاد رہے کہ میری یہ یادداشتیں بعض معاصر مصنفین نے اپنی کتابوں میں شامل کرلی ہیں لیکن انہیں اپنی ذاتی کاوش کے طور پر پیش کیا ہے۔ ربیع الثانی ۱۱۰۰ھ[3]

تیسری جلد کے خاتمے پر یہ لکھا ہے:

"مصروفیتوں اور پریشانیوں کے باوجود ان یادداشتوں کی تدوین رجب ۱۱۰۲ ہجری کے آخری ایام میں مکمل ہو گئی۔"[4]

---

[1] مرأۃ العقول طبع حجریہ ۱۳۱۹/۱۳۳۵ھ جلد ۱ صفحہ ۱۲۷ + طبع طہران ۱۳۹۴ھ جلد ۲ صفحہ ۳۵۵

[2] آخری کتاب میں بعض مخطوطات کا عکس دیا گیا ہے۔

[3] مرأۃ العقول طبع حجریہ جلد ۱ صفحہ ۲۷۳ + الحدیثیہ جلد ۴ صفحہ ۱۶۹

[4] مرأۃ العقول طبع حجریہ جلد ۱ صفحہ ۴۴۹ + الحدیثیہ جلد ۶ صفحہ ۲۸۷

اس جلد کا مؤلف کے ہاتھ کا لکھا ہوا ایک نسخہ تہران یونیورسٹی کی مرکزی لائبریری میں موجود ہے۔ اس کا نمبر شمار ۱۱۴۲ ہے۔

باب الذنوب کے آخر میں یہ جملہ لکھا ہوا ہے:

"محمد باقر ابن محمد تقی کی تحریر کردہ کتاب 'مرأۃ العقول' کا یہ حصہ یہاں ختم ہوتا ہے۔ ۱۰ جمادی الاولیٰ ۱۱۰۶ھ اول و آخر حمد خدا ہی کے لیے ہے۔"[1]

کتاب الکفر کے خاتمے پر یہ لکھا ہے:

"کثیر مصروفیات کے باوجود اللہ کے فضل سے یہ یادداشتیں ۲۳ صفر ۱۱۰۹ھ کو مکمل ہو گئیں۔"[2]

اس جلد کا مصنف کے ہاتھ کا لکھا ہوا ایک نسخہ تہران یونیورسٹی کی مرکزی لائبریری میں موجود ہے۔ اس کا نمبر شمار ۱۱۴۳ ہے۔

پھر انہوں نے باب دعاء طلب رزق کے خاتمے تک کی شرح احادیث کا یہ اسلوب برقرار رکھا۔ اس کے بعد انہوں نے جو تشریح کی ہے وہ بے حد مختصر ہے۔ بعض اوقات وہ فقط اتنا ہی کہتے ہیں:

"پہلی حدیث معتبر اور دوسری ضعیف ہے۔"

بعض اوقات وہ مفید جملوں کا اضافہ تو کرتے ہیں' لیکن پہلے طریقے کے برعکس مفصل شرح نہیں کرتے۔

ان مذکورہ مجلدات کا متن اور شرح سنگی طباعت کے ایڈیشن کی دو جلدوں پر مشتمل ہے اور بقیہ آٹھ جلدوں کا متن بھی دو جلدوں میں ہے۔

---

[1] مرأۃ العقول طبع الحدیثیہ جلد ۹ صفحہ ۴۳۱۔

[2] مرأۃ العقول طبع حجریہ جلد ۲ صفحہ ۴۳۱۔

انہوں نے کتاب الطہارت کی شرح کا آغاز اس جملے سے کیا: "یہ ..... کی تحریر کردہ ..... کی پانچویں جلد ہے" [1]

انہوں نے کتاب الصلوٰۃ کا خاتمہ ان الفاظ پر کیا:

"یہ کتاب ..... کی تشریح کا نقطۂ اختتام ہے، جو میں نے بہت سی مصروفیات کی بنا پر بڑی عجلت میں لکھی ہے" [2]

انہوں نے کتاب الحج کو ان الفاظ کے ساتھ ختم کیا:

"یہ کتاب ۱۰۸۹ھ کے ماہ جمادی الاولیٰ میں بدست مؤلف مکمل ہوئی" [3]

انہوں نے کتاب الروضہ کی ابتدا ان الفاظ سے کی:

"یہ ..... کی تحریر کردہ کتاب مرآۃ العقول کی بارھویں جلد ہے" [4]

مکمل کتاب کے خاتمے پر انہوں نے لکھا:

"مؤلف نے ان صفحات کی تحریر پنجشنبہ ۸ رجب ۱۰۷۶ھ کی رات کو مکمل کی۔ میں نے اپنی گوناگوں مصروفیات کی بنا پر، جن میں کچھ اور کتابوں کا لکھنا بھی شامل ہے، یہ کتاب بڑی عجلت میں لکھی ہے۔

مجھے امید ہے کہ میرے دینی بھائی اس پر تنقید کرنے میں انصاف سے کام لیں گے اور ان باتوں کو بلا غور و خوض رد نہیں کریں گے۔ [5]

---

[1] مرآۃ العقول جلد ۳ صفحہ ۲

[2] مرآۃ العقول جلد ۳ صفحہ ۱۸۳

[3] مرآۃ العقول جلد ۳ صفحہ ۳۶۳

[4] مرآۃ العقول جلد ۴ صفحہ ۲۴۸

[5] مرآۃ العقول جلد ۴ صفحہ ۴۳۷

ہم نے علامہ مجلسی کے جو اقوال پیش کیے ہیں، ان سے پتا چلتا ہے کہ وہ اپنے شاگردوں کو "الکافی" پڑھاتے وقت اس کے حاشیے پر یادداشتیں لکھا کرتے تھے۔ پھر انہوں نے ان یادداشتوں کو مرتب کیا اور ان میں اضافے کیے۔ انہوں نے کتاب کا پہلا حصہ ۱۰۹۸ھ میں مکمل کیا۔ پھر اس کام کو ۱۱۰۹ھ کے آخر تک جاری رکھا، جبکہ آپ بیمار رہنے لگے تھے۔ بہرحال یہ کام ہوتا رہا، حتیٰ کہ باب دعا طلب رزق کی شرح پوری ہوگئی۔ اس مرحلے پر پہنچ کر آپ کی وفات کا وقت آ گیا اور باقیماندہ یادداشتیں ویسی کی ویسی ہی رہ گئیں جیسی کہ تدریس حدیث کے وقت لکھی گئی تھیں۔ یہی وجہ ہے کہ وہ بڑی مختصر ہیں [1] اسی طرح بعد کی جلدوں پر وہی تاریخیں ثبت ہیں جن سے ظاہر ہے کہ وہ پہلے لکھی گئی تھیں۔

علامہ مجلسیؒ نے مرآۃ العقول ایسے وقت میں لکھی، جب وہ بعض دوسری کتابیں لکھنے میں بھی مشغول تھے۔ اس دوران میں وہ اپنا بیشتر وقت "البحار" پر صرف کر رہے تھے۔ جس کی پانچویں جلد رمضان ۱۰۷۷ھ میں اور گیارھویں جلد شوال ۱۰۷۷ھ میں مکمل ہوئی۔

پھر "البحار" کی تالیف کا کام انہوں نے اپنی زندگی کے آخری سال تک جاری رکھا اور اس دوران میں کئی اور کتابیں بھی تصنیف کیں۔ پھر اس کے علاوہ ان کا خاصا وقت اپنے ایک ہزار شاگردوں کی تعلیم و تربیت میں بھی صرف ہوتا تھا۔ ان کی دوسری مصروفیتوں میں نماز جمعہ و جماعت کی اقتدا کرنا اور مسجد میں وعظ و نصیحت کرنا، دینی مسائل میں فتویٰ دینا، محتاجوں کی مدد کرنا، امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا فریضہ ادا کرنا، جیسے ہندوؤں کے بت توڑنا وغیرہ۔ [2]

---

[1] مرآۃ العقول جلد ۴ صفحہ ۳۷۶ کی حدیث ۴۳۴ کی شرح کے لیے بحار کا حوالہ دیا گیا ہے۔

[2] سید عبدالحسین خاتون آبادی: وقائع السنین۔ ذکر حوادث ۱۰۹۸ھ

علاوہ ازیں دوسرے بہت سے ایسے کام بھی تھے جو انہیں شیخ الاسلام ہونے کی حیثیت سے کرنا پڑتے تھے۔ اس کے علاوہ حسین صفوی کے دورِ حکومت میں انہیں کاروبارِ سلطنت کی نگرانی بھی کرنا پڑی۔ چنانچہ ۱۱۱۱ھ میں جب ان کی وفات ہوئی تو ملک کے انتظامی معاملات میں بد انتظامی پیدا ہو گئی اور سلطان حسین صفوی کی بادشاہت کا خاتمہ ہو گیا۔ [1]

علامہ مجلسیؒ نے اسلام اور مسلمانوں کی جو خدمات انجام دیں، یہ ان کا ایک مختصر سا خاکہ ہے اور ان صفحات میں کچھ اور کہنا ممکن بھی نہیں ہے۔ تاہم ان کے زمانے کے سیاسی حالات پر انشاء اللہ ہم کسی دوسرے وقت بحث کریں گے۔ لہٰذا ہم فقط ان جملوں کو نقل کرنے پر اکتفا کرتے ہیں جو انہوں نے اس زمانے کی ذہنی کیفیت کے بارے میں لکھے ہیں۔ اس دور کے حالات اور موجودہ دور کے حالات میں گہری مماثلت ہے۔

علامہ مجلسیؒ کے دور اور آج کے دور میں مماثلت

علامہ مجلسیؒ مرآۃ العقول کے مقدمے میں تحریر فرماتے ہیں:

"میں دیکھتا ہوں کہ ہمارے دور کے لوگ قسم قسم کے انحرافی خیالات اور میلانات رکھتے ہیں۔ جہالت نے انہیں مختلف راستوں پر ڈال دیا ہے اور گوناگوں اغراض نے انہیں گمراہ کر دیا ہے۔ ان میں سے بعض ایسے ہیں جنہوں نے ان کفار کے سطحی خیالات

۱۔ وقائع السنین۔ ذکر حوادث ۱۱۱۱ھ

کو اپنا لیا ہے، جو احکام رسالت پر ایمان نہیں رکھتے۔ تاہم انہوں نے اپنے اس باطل فکری نظام کو حکمت و فلسفہ کا نام دے رکھا ہے اور وہ لوگ جو پہلے ہی پریشان خیالی اور حماقت کا شکار ہو چکے ہیں، انہی کو اپنے قائد و پیشوا تصور کرتے ہیں۔ وہ ان لوگوں کے دوست ہیں جو ان جھوٹے رہنماؤں کی حمایت کریں اور ان کے دشمن ہیں جو ان کی مخالفت کریں وہ ان جھوٹوں کے نقش قدم پر چلتے ہیں اور جو کوئی انہیں جھٹلائے وہ اسے رسوا کرنے میں پورا زور لگا دیتے ہیں اور ائمہ حق کے ارشادات کو چھپانے اور ان کی روشنی کو گل کرنے کی کوششوں میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کرتے۔ لیکن بے دین لوگ خواہ ان کی کتنی ہی مخالفت کیوں نہ کریں، اللہ تعالیٰ اپنے نور کو مکمل کرے گا۔

بعض لوگ ایسے بھی ہیں جو فقر و فنا کے حصول میں اہل بدعت کے مسلک کی پیروی کرتے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کے لیے دنیا اور آخرت میں بس بدبختی ہی ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کو اہل زمین کے سامنے اس طرح رسوا کرے گا، جیسے وہ اہل آسمان کی نظروں میں رسوا ہیں۔ وہ دین و شریعت پر نکتہ چینی کرتے ہیں۔ صحیح عقائد میں تحریف کرتے ہیں اور مذہبی مراسم میں بدعتوں کا آغاز کرتے ہیں۔ ان کو جن و انس کے شیاطین نے گھیر رکھا ہے اور وہ ان کے پھیلائے ہوئے شبہات کے اندھیرے میں ٹامک ٹوئیاں مار رہے ہیں۔

علامہ مجلسی اپنے زمانے کے لوگوں کی گمراہی کی شکایت کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ یہ لوگ یونانی فلسفے کو اسلامی علم و حکمت اور طریق فقر و فنا کو تصوف کا نام دیتے ہیں۔ علامہ کہتے ہیں کہ ان لوگوں نے دین میں بہت سی بدعتیں اور گمراہیاں داخل کر دی ہیں اور انہوں نے مسلمانوں کو ان اسلامی علوم سے دور کر دیا ہے، جو رسول اکرمؐ اور ان کے اہل بیتؑ نے عطا فرمائے ہیں۔

اگر اس زمانے میں لوگوں کی یہ حالت تھی تو پھر موجودہ دور کو کیا کہا جائے، جس میں حالات اور بھی بدتر ہو گئے ہیں۔ علامہ مجلسیؒ تو ان چیزوں کی شکایت کرتے ہیں جنہیں اس زمانے میں "اسلامی فلسفہ" اور اسلامی تصوف کا نام دیا جاتا تھا لیکن ہمارے ہمعصروں نے ان میں اسلامی جمہوریت اور اسلامی سوشلزم بلکہ بعض ممالک نے کچھ عرصے پہلے اسلامی مارکس ازم کا اضافہ بھی کر دیا ہے۔ صرف یہی نہیں بلکہ بعض اشخاص نے تو اسلامی تعلیمات میں ڈارون ازم جیسے یورپی نظریات کے لیے تائیدی مواد تلاش کرنے کی کوشش بھی کی ہے۔ ہمیں تو حیرت ہے کہ انہوں نے اب تک ڈارون کے نظریہ ارتقاء، فرائڈ کے نظریۂ جنسی آزادی اور جین پال سارتر کے نظریۂ وجودیت کو ڈارونی اسلامی نظریۂ ارتقاء، فرائڈی اسلامی نظریۂ جنسی آزادی اور سارتری اسلامی نظریہ وجودیت ایسی اصطلاحیں کیوں وضع نہیں کی ہیں۔

کیا ہی اچھا ہوتا اگر ہمارے ہم عصر فقط اتنی سی نامعقول باتوں پر ہی اکتفا کرتے لیکن انہوں نے ایک قدم آگے بڑھایا ہے اور مستشرقین کی کتابوں کے ترجمے کر کے یہودیت و نصرانیت کے وہ نظریات جو سراسر اسلام کی مخالفت پر مبنی ہیں، انہیں اسلام، پیغمبر اسلامؐ اور شخصیات اسلام کے تعارف کے نام پر مسلم معاشرے میں داخل کر دیا ہے۔ اس سے بھی زیادہ خطرناک بات یہ ہے کہ اعدائے اسلام نے ان لوگوں کو اسلامی معاشروں میں ہر دلعزیز بنایا، جنہوں نے ان کے اداروں میں تعلیم حاصل کی ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ یہی افراد اسلامی ممالک میں فکری رہنمائی کرنے لگے ہیں۔ اب تو وہ اس قدر جری ہو گئے ہیں کہ صرف علامہ مجلسیؒ جیسے اسلام کے قدیم علمبرداروں ہی کا مذاق نہیں اڑاتے، بلکہ دور حاضر کے علماء پر بھی پھبتیاں کستے ہیں۔ یوں وہ مسلم نوجوانوں کو اسلام کے قدیم و جدید سچے خادموں سے الگ کرنے میں کامیاب ہو گئے ہیں۔ اب مستشرقین اور ان کے یہ

شاگرد مسلم نوجوانوں کو خاتم النبیینؐ کے لائے ہوئے اسلام کی بجائے وہ اسلام سکھاتے ہیں جو یورپ کے دماغوں کی پیداوار ہے۔ وہ انہیں یہ باور کراتے ہیں کہ اسلام ایک غیر معمولی مظہر اور ایک ایسی تحریک ہے جس کا مقصد انسانی معاشرے کی اصلاح کرنا ہے۔ وہ چاہتے ہیں کہ مسلمان اسلام کے باطنی اور ماورائی پہلوؤں کو فراموش کر دیں۔

یہ ہماری بدقسمتی ہے کہ وہ مختلف حربوں سے کام لے کر اپنے اس مقصد میں بڑی حد تک کامیاب ہو چکے ہیں۔

سب سے بڑھ کر افسوس اس بات کا ہے کہ ہمارے دینی مدارس عقائد، سیرت، اخلاق اور تفسیر قرآن میں وارد احادیث کی تدریس پر اتنی توجہ نہیں دیتے جتنی احکامِ دین پر مشتمل احادیث کے پڑھانے پر صرف کرتے ہیں اور پھر وہ جدید مکاتب فکر کے اسکالروں کا سامنا نہیں کر پاتے۔

علامہ مجلسی نے اس مشکل کا ایک حل تجویز کیا ہے جو ہمارے دور میں بھی قابل عمل ہے۔

وہ فرماتے ہیں:

میں نے سیدھا راستا اختیار کیا، قرآنی آیات اور ان احادیث کا مطالعہ کیا جو متفقہ طور پر معتبر تسلیم کی جاتی ہیں۔ اس مطالعہ کے بعد مجھے پتا چلا کہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے معاملات سے تعلق رکھنے والی کوئی بات ہماری مرضی پر نہیں چھوڑی بلکہ اس نے حکم دیا ہے کہ ہم رسول اللہؐ پر ایمان لائیں اور ان کی پیروی کریں۔ جنہیں ہدایت دینے اور نجات کا راستہ دکھانے کے لیے بھیجا گیا ہے۔ نیز اللہ تعالیٰ نے ہمیں اپنی کتاب اور اپنے رسولؐ کے ذریعے حکم دیا ہے کہ ہم اہلبیت رسولؐ کی طرف رجوع کریں۔ ان کے احکام پر عمل کریں اور ان سے وابستہ رہیں۔ کیونکہ رسول اکرمؐ نے انہیں قرآن

کا ہمسر قرار دیا، علم کتاب سے معمور فرمایا، حکمت اسلام اور اجرائے احکام کا درس دیا ہے۔

وہ سلامتی کا دروازہ ہیں، ذریعہ نجات ہیں اور اللہ تعالیٰ نے معجزات سے ان کی تائید کی ہے۔ پھر آخری امامؑ کی غیبت کے بعد ہمیں حکم دیا گیا ہے کہ ہم کتابوں سے رجوع کریں اور ان معتبر حاکمانِ شرع سے رہنمائی حاصل کریں جو ائمہ علیہم السلام کے آثار اور احادیث کے امانتدار ہوں۔ مجھے جو احساس ہوا وہ میں آپ تک پہنچا رہا ہوں، وہ یہ ہے کہ ان کی احادیث ہی علم کا واحد سرچشمہ ہیں۔ ان کے آثار میں ہی نجات کا راستہ ملتا ہے۔ لہٰذا اس نے اپنی توجہ ان کی طرف مبذول کردی اور معارف کے حصول کے لیے انہی پر تکیہ کیا ہے۔

مجھے اپنی جان کی قسم! کہ وہ حقائق کے موتیوں سے بھرپور سمندر ہیں۔ وہ ایک ایسا خزانہ ہیں جو فقط اسی کو حاصل ہو سکتا ہے جو ان پر ایمان رکھتا ہو۔ اللہ کے فضل سے میں ان کے آثار کو ضائع ہونے سے بچانے میں کامیابی حاصل کرنے کے بعد ان کے نام کے جھنڈے بلند کر رہا ہوں۔ میں نے اس کے لیے سخت جدوجہد کی اور اس بات کی کوئی پروا نہیں کی کہ نکتہ چین کیا کہہ رہے ہیں۔ [1]

میں نے اس غالب اور رحم والے خدا پر بھروسہ رکھا، جو مجھے اس وقت دیکھتا ہے جب میں قیام کرتا ہوں اور سجدہ کرنے والوں میں شامل ہوتا ہوں۔ [2]

---

[1] اے مجلسی کبیر! اس وجہ سے لوگ تم پر تنقید کرتے ہیں اور برا کہتے ہیں

[2] مقدمہ مرآۃ العقول

شیخ کلینیؒ نے بھی اپنی کتاب 'الکافی' کے مقدمے میں ایسے ہی خیالات کا اظہار کیا ہے، وہ کہتے ہیں:

"ہاں! تو میں سمجھتا ہوں کہ ہمارے زمانے کے لوگ جہالت کو فروغ دینے کے لیے متحد ہو گئے ہیں اور انہیں علم و دانش میں کوئی دلچسپی نہیں رہی۔ چونکہ وہ جہالت پر قانع ہیں اور علماء کی جانب کوئی توجہ نہیں دیتے اس لیے علم اور اہل علم تقریباً ناپید ہو گئے ہیں۔"

پھر وہ کہتے ہیں:

پس ایک عقلمند انسان کے لیے لازم ہے اور باشعور شخص پر فرض ہے کہ وہ علم دین حاصل کرے۔

جیسا کہ قول معصوم ہے:

جس نے اپنا دین کتاب اللہ اور سنتِ رسولؐ سے لیا ہے وہ پہاڑ سے زیادہ راسخ ہو گا۔ لیکن جو شخص لوگوں کی سنی سنائی باتوں پر ایمان لاتا ہے، لوگ اسے گمراہ کر سکتے ہیں۔

پھر فرماتے ہیں:

"یہی وجہ ہے کہ ان دنوں لوگوں میں باطل عقائد اور کافرانہ نظریات رواج پا گئے ہیں۔"

مزید کہتے ہیں:

"لوگ ہر اس نقلی چیز کو قبول کر لیتے ہیں جو بظاہر دلفریب ہو۔"

مؤلف کی رائے

اب میں کہتا ہوں کہ موجودہ دور کے حالات بھی شیخ کلینیؒ، علامہ مجلسیؒ کے

ادوار کے حالات سے مختلف نہیں ہیں۔ پس جب مرض وہی ہے تو اس کا علاج بھی وہی ہونا چاہیے جو ان بزرگوں نے تجویز کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے آخری رسولؐ کو مبعوث کر کے لوگوں پر حجت قائم کی ہے۔ پھر آنحضرتؐ نے انہیں تبلیغ فرمائی کہ میرے بعد سب لوگ ائمہ اہلبیتؑ سے رہنمائی حاصل کریں۔

علاوہ ازیں ائمہ علیہم السلام نے اپنے صحابہ کو وہ تمام اسلامی علوم منتقل کر دیے جن کی بنی نوع انسان کو قیامت تک ضرورت پڑ سکتی ہے۔

ائمہ علیہم السلام کے صحابہ نے ان کی احادیث کو کتابوں میں جمع کر دیا اور اس وقت سے مکتب اہلبیتؑ کے علماء نسل در نسل ان احادیث کا مطالعہ کر کے اسلامی علوم میں تخصص حاصل کر رہے ہیں۔ لہٰذا جو شخص دینی معاملات میں ائمہ علیہم السلام کی پیروی کرے وہ راہِ راست پر ہے اور جو ان سے اختلاف کرے اس کی گمراہی یقینی ہے۔ 'الکافی' اور اس کی شرح 'مرأۃ العقول' ایسی کتابوں میں شامل ہیں جن میں احادیث جمع کی گئی ہیں۔

ان کتابوں کے جدید ایڈیشن دستیاب ہیں۔ پس اللہ تعالیٰ ہمیں ان سے استفادہ کرنے کی توفیق دے اور گمراہی سے بچائے۔ بحق محمد و آل محمد علیہم السلام۔

حدیث کساء

(خلفاء کے مکتب میں)

حاکم نے اپنی کتاب "مستدرک علی الصحیحین" میں جعفر ابن ابی طالب کے فرزند عبداللہ سے نقل کیا ہے کہ[1] انہوں نے کہا: جب رسول خداؐ نے مشاہدہ کیا کہ رحمتِ خداوندی کا نزول ہو رہا ہے تو آپ نے فرمایا: "میرے پاس بلاؤ!"

صفیہ نے عرض کیا: "یا رسول اللہؐ! کسے بلائیں؟"

آپ نے فرمایا: "میرے اہل بیت علیؑ، فاطمہؑ، حسنؑ اور حسینؑ کو بلاؤ!"

---

[1] حاکم مستدرک علی الصحیحین جلد ۳ صفحات ۱۴۷-۱۴۸

عبداللہ کے والد جعفر ابن ابی طالب ہیں جن کا لقب "ذی الجناحین" (دو پروں والا) ہے اور والدہ اسماء بنت عمیس خثعمیہ ہیں۔ عبداللہ کی ولادت حبشہ میں ہوئی جہاں ان کے والدین ہجرت کر کے گئے تھے۔ انہوں نے رسول اکرمؐ کی زیارت بھی کی۔ آپ ۸۰ھ ہجری کے بعد فوت ہوئے۔ تفصیل کے لیے دیکھیے اُسد الغابہ جلد ۳ صفحہ ۱۳۳

جب وہ آگئے تو رسول اکرمؐ نے ان پر اپنی کساء (چادر) ڈال دی اور پھر اپنے مبارک ہاتھ بلند کیے اور کہا: "اے پروردگار! یہ میری آل ہے۔ پس محمدؐ اور اس کی آل پر درود بھیج"۔

خدا نے بھی یہ آیت نازل کی: اِنَّمَا یُرِیۡدُ اللّٰہُ لِیُذۡھِبَ عَنۡکُمُ الرِّجۡسَ اَھۡلَ الۡبَیۡتِ وَ یُطَھِّرَکُمۡ تَطۡھِیۡرًا۔ (سورۂ احزاب۔ آیت ۳۳)

"اے اہل بیت رسولؐ! خدا تو بس یہ چاہتا ہے کہ تمہیں ہر طرح کی نجاست سے دور رکھے اور مکمل طور پر پاک اور پاکیزہ رکھے"۔

حاکم نے اس حدیث کی سند کو صحیح مانا ہے۔[1]

چادر کی قسم

(ا) عائشہ[2] کی روایت

مسلم[3] حاکم[4] بیہقی[5] طبری[6] ابن کثیر[7] اور سیوطی[8] نے عائشہ

---

[1] حاکم عبداللہ نیشاپوری کے فرزند ابو عبداللہ محمد ہیں (متوفی ۴۰۵ھ) حاکم وہ لقب ہے جو اہل سنت بلند رتبے پر فائز راویان کو دیتے ہیں۔ انکے نزدیک پہلا رتبہ محدث کا، پھر حافظ کا، پھر حجت کا اور اسکے بعد حاکم کا ہے۔ مزید معلومات کے لیے کتاب "المختصر فی علم رجال الاثر" صفحہ ۱۷ سے رجوع کریں [2] عائشہ ابوبکر کی سب سے بڑی بیٹی تھیں۔ ہجرت کے سترہ مہینے بعد رسول اکرمؐ کی زوجیت میں آئیں اور ۵۷، ۵۸ یا ۵۹ ہجری میں وفات پائی۔ ابوہریرہؓ نے نماز جنازہ پڑھائی اور بقیع میں دفن ہوئیں۔ [3] صحیح مسلم باب فضائل اہل بیتؑ جلد ۷ صفحہ ۱۳۵ [4] مستدرک۔ [5] السنن الکبریٰ بیہقی۔ باب اہل بیت نبیؐ کون ہیں جلد ۲ صفحہ ۱۴۹ [6] تفسیر طبری جلد ۲۲ صفحہ ۵ [7] تفسیر ابن کثیر جلد ۳ صفحہ ۴۸۵ [8] تفسیر الدر المنثور سیوطی جلد ۵ صفحات ۱۹۸ - ۱۹۹۔

سے یوں روایت کیا ہے (درج ذیل الفاظ صحیح مسلم کے ہیں):

عائشہ کا کہنا ہے کہ ایک دن رسول اکرمؐ باہر آئے۔ اس وقت انہوں نے ایک منقش عبا جو سیاہ بالوں سے بُنی ہوئی تھی کندھے پر ڈال رکھی تھی۔ پہلے حسنؑ آئے اور آنحضرتؐ نے انہیں عبا کے نیچے جگہ دی۔ پھر حسینؑ آئے اور انہیں بھی عبا کے نیچے جگہ دی۔ پھر فاطمہؑ آئیں اور وہ بھی عبا کے نیچے بیٹھ گئیں۔ پھر علیؑ آئے اور انہیں بھی آنحضرتؐ نے دوسروں کیساتھ عبا کے نیچے بٹھا لیا اور پھر فرمایا:

"اے رسولؐ کے اہل بیتؑ! خدا تو بس یہ چاہتا ہے کہ تمہیں ہر طرح کی نجاست سے دُور رکھے اور مکمل طور پر پاک اور پاکیزہ کر رکھے"۔

(ب) ام سلمہ[1] کی روایت

طبری اور قرطبی نے آیت تطہیر کی تفسیر بیان کرتے ہوئے ام سلمہ سے یوں نقل کیا ہے: "جب آیۂ تطہیر نازل ہوئی تو رسول خداؐ نے علیؑ، فاطمہؑ، حسنؑ اور حسینؑ کو بلایا اور انہیں خیبری چادر اوڑھا دی"۔[2]

ایک اور حدیث میں ام سلمہ سے یوں روایت کیا گیا ہے کہ: "انہیں ایک عبا اڑھا دی"۔[3] سیوطی اور ابن کثیر نے بھی اس کا ذکر کیا ہے۔

---

[1] ام سلمہ جن کا نام ہند تھا، ابی امیہ قریشی مخزومی کی بیٹی تھیں۔ ان کے پہلے شوہر ابو سلمہ بن عبد الاسد جنگ احد میں زخمی ہونے کے بعد انتقال کر گئے اور پھر انہیں رسول اکرمؐ کی زوجیت میں آنے کا شرف حاصل ہوا۔ ام سلمہ نے امام حسینؑ کی شہادت کے بعد وفات پائی (اُسد الغابہ اور تہذیب التہذیب)۔ [2] یہ روایت ابو سعید نے ام سلمہ سے نقل کی ہے اور تفسیر طبری میں آیت تطہیر کی تفسیر کے ذیل میں بیان کی گئی ہے۔ [3] تفسیر طبری جلد ۲۲ صفحہ ۶ کے مطابق شہر بن حوشب نے ام سلمہ سے نقل کی ہے اور ابن کثیر نے اپنی تفسیر میں جلد ۳ صفحہ ۴۸۵ پر اسکی جانب اشارہ کیا ہے۔

خاندانِ رسولؐ اور ان کا چادر کے نیچے بیٹھنے کا انداز

۱ - عمر بن ابی سلمہ[1] کی روایت ہے :

طبری اور ابن کثیر دونوں نے اپنی تفسیروں میں اور ترمذی نے اپنی صحیح میں اور طحاوی نے اپنی کتاب مشکل الآثار میں روایت کیا ہے کہ (حدیث کے الفاظ طبری کے ہیں) آیت تطہیر ام سلمہ کے گھر میں رسول خداؐ پر نازل ہوئی۔ رسول خدا نے حسنؑ، حسینؑ اور فاطمہؑ کو اپنے آگے بٹھالیا اور علیؑ کو بھی اپنے پیچھے بٹھالیا اور پھر اپنے اوپر اور سب پر ایک عبا ڈال دی اور کہا :

"یہ میرے اہل بیتؑ ہیں اے پروردگار! نجاست ان سب سے دُور رکھ اور انہیں مکمل طور پر پاکیزہ رکھ۔"[2]

ب - واثلہ بن اسقع[3] اور ام سلمہ[4] کی روایت میں یوں آیا ہے کہ :

---

[1] عمر بن ابی سلمہ قریشی مخزومی رسول اکرمؐ کے ربیب (یعنی بیوی کے پہلے خاوند کی اولاد) تھے۔ ان کی والدہ ام سلمہ تھیں۔ وہ حبشہ میں پیدا ہوئے اور جنگ صفین میں حضرت علیؑ کے ہمراہ تھے۔ امام علیؑ نے انہیں بحرین اور فارس کا والی اور حاکم مقرر کیا تھا۔ وہ ۸۳ھ میں مدینہ میں فوت ہوئے (اسد الغابہ جلد ۴ صفحہ ۷۹)

[2] صحیح ترمذی جلد ۱۲ صفحہ ۸۵۔ تفسیر طبری آیت تطہیر کی تفسیر کے ذیل میں (جلد ۲۲ صفحہ ۷) ابن کثیر (جلد ۳ صفحہ ۴۸۵) مشکل الآثار (جلد ۱ صفحہ ۳۳۵)۔

[3] مستدرک علی الصحیحین (جلد ۲ صفحہ ۴۱۶ اور جلد ۳ صفحہ ۱۴۷)۔ مجمع الزوائد (جلد ۹ صفحہ ۱۶۷)۔ مشکل الآثار (جلد ۱ صفحہ ۳۳۵)۔ واثلہ اسقع بن کعب لیثی کے فرزند تھے۔ جنگ تبوک کے قریب کے زمانے میں اسلام قبول کیا۔ کچھ عرصہ رسول اکرمؐ کے خادم رہے اور ۸۳ھ کے بعد دمشق یا بیت المقدس میں فوت ہوئے (اسد الغابہ جلد ۵ صفحہ ۷۷)۔

[4] تفسیر طبری (جلد ۲۲ صفحہ ۶)۔ تفسیر ابن کثیر (جلد ۳ صفحہ ۴۸۳)۔ در المنثور سیوطی (جلد ۵ صفحہ ۱۹۸)۔ سنن بیہقی (جلد ۲ صفحہ ۱۵۲)۔ مسند احمد بن حنبل (جلد ۴ صفحہ ۱۷۰)۔

"رسول خداؐ نے علیؑ اور فاطمہؑ کو اپنے سامنے بٹھایا اور حسنؑ و حسینؑ کو اپنے گھٹنوں پر یا اپنی گود میں بٹھایا۔"

حاکم نے بھی اپنی مستدرک میں اور ہیثمی نے مجمع الزوائد میں اس حدیث کو واثلہ سے نقل کیا ہے۔ حاکم کا کہنا ہے کہ یہ حدیث علیٰ شرطِ شیخین صحیح ہے یعنی بخاری اور مسلم جن کی حدیث کی کتابوں کو صحیح مانا گیا ہے یہ حدیث ان کی شرطِ صحت کو پورا کرتی ہے۔

نیز طبری، ابن کثیر اور سیوطی نے بھی اپنی تفاسیر میں اور سنن بیہقی نے سنن الکبریٰ میں اور احمد بن حنبل نے اپنی مسند میں یہ حدیث ام سلمہ سے نقل کی ہے۔

اہل بیتؑ کے جمع ہونے کا مقام

۱ - ابو سعید خُدری کی روایت : سیوطی نے در المنثور میں ابو سعید خدری سے نقل کیا ہے :

ایک دن جبکہ ام سلمہ کی باری تھی جبرئیلؑ نے آیت تطہیر رسول خداؐ پر نازل کی یعنی : اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيْرًا ۔

ابو سعید کہتے ہیں کہ : رسول اکرمؐ نے حسنؑ، حسینؑ، فاطمہؑ اور علیؑ کو بلایا اور انہیں اپنے گرد بٹھالیا اور ایک کپڑا ان پر ڈالا اور فرمایا :

"اے پروردگار! یہ میرے اہل بیتؑ ہیں۔ نجاست کو ان سے دُور رکھ اور انہیں پاک اور پاکیزہ رکھ۔"

ام المومنین اُم سلمہ نے جو پردے کی اوٹ میں تھیں آنحضرتؐ سے عرض کیا : "کیا میں بھی ان میں سے ہوں؟"

حضورؐ نے فرمایا : "نہیں۔ تمہارا اپنا مقام اور مرتبہ ہے اور تم بھلائی

تم بھلائی کے راستے پر ہو۔" [1]

آیت تطہیر کی تفسیر

(ب) ام سلمہ کی روایت : آیت تطہیر کی تفسیر میں تفسیر ابن کثیر، درمنثور، سنن بیہقی، تاریخ بغداد اور مشکل الآثار میں روایت کی گئی ہے (حدیث کے الفاظ تفسیر ابن کثیر کے ہیں) کہ ام سلمہ بیان کرتی ہیں : میرے گھر میں آیت تطہیر نازل ہوئی۔ فاطمہ ؑ، علی ؑ، حسن ؑ اور حسین ؑ بھی میرے گھر میں تھے۔ رسول خدا ؐ نے انہیں ایک چادر سے جو کہ آپ اوڑھے ہوئے تھے ڈھانپ دیا اور پھر فرمایا :

"اے میرے پروردگار! یہ میرے اہل بیت ؑ ہیں۔ نجاست کو ان سے دُور رکھ اور انہیں پاک و پاکیزہ رکھ۔" [2]

اسی طرح حاکم نے بھی مستدرک میں خود ام سلمہ سے روایت کی ہے کہ : یہ آیت میرے گھر میں نازل ہوئی۔ صحیح ترمذی [3] میں باب فضائل فاطمہ ؑ اور

---

[1] تفسیر درالمنثور۔ آیت تطہیر کے ذیل میں (جلد ۵ صفحہ ۱۹۸)۔ حدیث کے دوسرے ذرائع سے پتا چلتا ہے کہ ابوسعید خُدری نے یہ حدیث ام سلمہ سے نقل کی ہے۔

ابوسعید سعد بن مالک انصاری خزرجی خدری ہیں۔ انہوں نے جنگ خندق اور اسکے بعد ہونیوالی جنگوں میں شرکت کی اور ۶۰ یا ۶۴ ھ کے بعد فوت ہوئے (اسد الغابہ جلد ۲ صفحہ ۲۸۹)

[2] سنن بیہقی (جلد ۲ صفحہ ۱۵۰)۔ تفسیر ابن کثیر آیت کے ذیل میں (جلد ۱ صفحہ ۴۸۳) سیوطی، درمنثور (جلد ۵ صفحہ ۱۹۸)۔ مستدرک حاکم (جلد ۲ صفحہ ۴۱۶)۔ تاریخ بغداد خطیب (جلد ۹ صفحہ ۱۲۶)۔ مشکل الآثار (جلد ۱ صفحہ ۳۳۴)۔

[3] ترمذی کا کہنا ہے کہ حضرت فاطمہ ؑ کی فضیلت کے بارے میں روایت عمر بن ابی سلمہ، ابن مالک۔ ابی الحمراء، معقل بن یسار اور عائشہ نے نقل کی ہے۔

ریاض النضرہ اور تہذیب التہذیب میں یہ روایت یوں آئی ہے کہ رسول اکرم ؐ نے فرمایا :

"بار الٰہا! یہ میرے خاص اہلبیت ہیں۔ نجاست کو ان سے دُور رکھ اور انہیں پاکیزہ رکھ۔" [1]

مسند احمد بن حنبل میں آیا ہے کہ ام سلمہ نے کہا : میں نے گھر کے اندر جھانکا اور کہا : "یا رسول اللہ ؐ! کیا میں بھی ان کے ساتھ ہوں؟" آنحضرت ؐ نے مجھے جواب دیتے ہوئے دو دفعہ فرمایا : "تم بھلائی کے راستے پر ہو۔" (اِنَّكِ عَلٰى خَيْرٍ) [2]

حاکم نے مستدرک میں یوں روایت کی ہے کہ :

ام سلمہ نے کہا : "یا رسول اللہ ؐ! کیا میں آپ کے اہل بیت میں سے نہیں ہوں؟"

آنحضرت ؐ نے فرمایا : "تم خیر پر ہو۔ لیکن میرے اہل بیت یہ ہیں : اے پروردگار میرے اہل بیت اور میرا خاندان سب سے زیادہ سزاوار ہیں۔" [3]

---

[1] صحیح ترمذی۔ باب فضائل فاطمہ ؑ (جلد ۱۳ صفحات : ۲۴۸ - ۲۴۹)۔ تہذیب التہذیب۔ باب احوالات حسن ؑ (جلد ۲ صفحہ ۲۹۷)۔ الریاض النضرہ (جلد ۲ صفحہ ۲۴۸)۔ یہ بیان کرتے ہوئے کہ حضرت علی ؑ، ان کی زوجہ اور ان کے فرزند اہل بیت ؑ کے مصداق ہیں۔

[2] مسند احمد بن حنبل (جلد ۶ صفحہ ۲۹۲)۔

[3] مستدرک حاکم (جلد ۲ صفحہ ۴۱۶)۔ آیت تطہیر کی تفسیر کے سلسلہ میں

آیت تطہیر کے نزول کے وقت گھر میں کون کون موجود تھا:

تفسیر سیوطی اور مشکل الآثار میں ام سلمہ سے نقل کیا گیا ہے (حدیث کے الفاظ سیوطی کے ہیں) کہ: جب آیت تطہیر میرے گھر میں رسول اکرم پر نازل ہوئی تو اس وقت سات افراد گھر میں موجود تھے: جبرئیلؑ، میکائیلؑ، علیؑ، فاطمہؑ، حسنؑ، حسینؑ اور میں جو کہ گھر کے دروازے پر کھڑی تھی۔

میں نے رسول اکرمؐ سے کہا: "کیا میں آپ کے اہل بیتؑ میں سے ہوں؟"

آنحضرتؐ نے جواب میں دو دفعہ فرمایا: تمہاری عاقبت بخیر ہے۔ تم پیغمبرؐ کی بیویوں میں سے ہو۔[1] لیکن رسولؐ کے اہل بیتؑ میں سے نہیں ہو۔

آیت کے نزول کے وقت اہلبیتؑ کی کیا وضع تھی:

تفسیر طبری میں ابو سعید خدری نے ام سلمہ سے نقل کیا ہے کہ: آیت تطہیر ام سلمہ کے گھر میں نازل ہوئی۔ ام سلمہ فرماتی ہیں کہ میں گھر کے دروازے پر بیٹھی ہوئی تھی۔ تفسیر طبری میں ام سلمہ سے یہ روایت بھی کی گئی ہے کہ: "اہل بیتؑ رسول اکرمؐ کے اردگرد ایک فرش پر جمع ہو گئے۔ آنحضرتؐ نے انہیں ایک چادر میں چھپالیا جو آپ کے کندھے پر ڈالی ہوئی تھی اور فرمایا:

"اے پروردگار، یہ میرے اہل بیتؑ ہیں۔ ان سے نجاست کو دور کردے[2] اور انہیں پاک و پاکیزہ رکھ۔"

---

[1] درالمنثور کے ذیل میں (جلد ۵ صفحہ ۱۹۸) مشکل الآثار (جلد ۱ صفحہ ۳۳۳)

[2] جامع البیان طبری جلد ۲۲ صفحہ ۷، تفسیر آیت تطہیر

پھر اس حالت میں کہ وہ سبھی فرش پر جمع تھے، آیت تطہیر نازل ہوئی۔ ام سلمہ کہتی ہیں کہ میں نے رسول اکرمؐ سے عرض کیا: "یا رسول اللہؐ! کیا میں بھی اہل بیت میں سے ہوں؟" خدا کی قسم آنحضرتؐ نے یہ امتیاز مجھے نہیں دیا کہ میں اہلبیت میں شامل ہوں اور فرمایا: "تم بھلائی کے راستے پر ہو۔"[1]

آیت کے الفاظ کی شرح:

راغب اصفہانی اپنی گرانمایہ کتاب "مفردات القرآن" میں "رَوَدَ" کے مادہ میں لکھتے ہیں: "جب اَرَادَ اللّٰہُ کہا جائے تو اس کے معنی یہ ہیں کہ خدا نے حکم دیا ہے کہ یوں ہو یا نہ ہو یا یہ کہ اس نے تمہارے لیے آفت کا یا رحمت کا ارادہ کیا ہے۔"

علاوہ ازیں وہ "رجس" کے مادہ میں لکھتے ہیں "رجس" پلید چیز کو کہتے ہیں۔

پھر کہتے ہیں: "رِجْس" کی چار قسمیں ہیں، یا کوئی چیز طبیعی طور پر پلید ہوتی ہے مثلاً مردار یا از روئے عقل پلید ہوتی ہے مثلاً جوا اور یا شرعاً پلید ہوتی ہے مثلاً کسی کو خدا کا شریک ٹھہرانا اور یا جو وجوہات بیان کی گئی ہیں ان سب کی بنا پر پلید ہوتی ہے (یہاں تک راغب کے کلام کا خلاصہ تھا):

قرآن مجید میں ارشاد ہوا ہے:

إِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْأَنصَابُ وَالْأَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ فَاجْتَنِبُوهُ ۔

---

[1] جامع البیان طبری - آیت تطہیر کے ذیل میں (جلد ۲۲ صفحہ

"بلاشبہ شراب خوری، جوا، شرط لگانا اور بت پلید ہیں اور شیطانی اعمال میں سے ہیں۔ پس ان سے بچے رہو۔"

قرآن مجید میں ایک اور مقام پر ارشاد ہوا ہے:

فَاجْتَنِبُوا الرِّجْسَ مِنَ الْاَوْثَانِ.

"بتوں سے جو کہ پلیدی ہے دوری اختیار کرو۔"

خداوند تعالیٰ یہ بھی فرماتا ہے کہ:

اِلَّآ اَنْ يَّكُوْنَ مَيْتَةً اَوْ دَمًا مَّسْفُوْحًا اَوْ لَحْمَ خِنْزِيْرٍ فَاِنَّهٗ رِجْسٌ.

"بجز اس کے کہ وہ مردار ہو یا بہتا ہوا خون یا سور کا گوشت ہو کیونکہ یہ پلید ہیں۔"

خداوند تعالیٰ کا یہ بھی ارشاد ہے کہ:

كَذٰلِكَ يَجْعَلُ اللّٰهُ الرِّجْسَ عَلَى الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ.

"جو لوگ ایمان نہیں لاتے خدا ان پر پلیدی کو اسی طرح مسلط کر دیتا ہے۔"

اور مومنین کو منافقین سے پرہیز کرنے کی ہدایت کرتے ہوئے فرماتا ہے:

فَاَعْرِضُوْا عَنْهُمْ اِنَّهُمْ رِجْسٌ.

"ان سے منہ پھیر لو اور دوری اختیار کرو کیونکہ وہ پلید ہیں۔"

خدا نے قوم ہودؑ کے بارے میں فرمایا:

قَالَ قَدْ وَقَعَ عَلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ رِجْسٌ وَّغَضَبٌ.

اور (ہودؑ) نے کہا کہ یقیناً تمہارے پروردگار کی طرف سے پلیدی اور غضب تمہارے شامل حال ہو گیا ہے۔

جہاں تک لفظ "تطہیر" کا تعلق ہے وہ اس آیت میں اسی طرح ہے جس طرح سورہ آل عمران کی ۴۲ ویں آیت میں آیا ہے:

وَاِذْ قَالَتِ الْمَلٰٓئِكَةُ يٰمَرْيَمُ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰكِ وَطَهَّرَكِ وَاصْطَفٰكِ عَلٰى نِسَآءِ الْعٰلَمِيْنَ.

"اور فرشتوں نے کہا کہ:

"اے مریمؑ! خدا نے تمہیں چن لیا ہے اور پاک کیا ہے اور تمہیں دنیا کی عورتوں میں برگزیدہ بنایا ہے۔"

احادیث میں آیت تطہیر کی تفسیر

اس حدیث میں کساء کا لفظ عبا کی طرح ایک ایسی اوڑھنے کی چیز کے معنوں میں ہے جو لباس کے اوپر پہنی جاتی ہے۔

سیوطی نے اپنی تفسیر میں عبد اللہ ابن عباس سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہؐ نے فرمایا: "خدا نے اپنی مخلوق کو دو حصوں میں تقسیم فرمایا اور ہمیں اس میں بہترین قرار دیا۔"

پھر دوران گفتگو فرمایا: "پھر قبیلوں کو خاندانوں میں تقسیم کیا اور ہمیں بہترین خاندان میں رکھا اور خدا کے اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ ..... فرمانے کا یہی مقصد ہے۔ پس میں اور میرے اہل بیتؑ سب گناہوں سے پاک اور پاکیزہ ہیں۔" [1]

---

[1] در المنثور۔ آیت کی تفسیر (جلد ۵ صفحہ ۱۹۹)، عبد اللہ آنحضرتؐ کے چچا عباس کے فرزند تھے ہجرت سے تین سال قبل پیدا ہوئے اور ۶۸ھ میں طائف میں وفات پائی (اسد الغابہ)۔

اور ضحاک بن مزاحم کی روایت کردہ حدیث کے مطابق سیوطی نے جو نقل کی ہے رسول اکرمؐ نے فرمایا:

"ہم وہ اہل بیت ہیں جنہیں خدا نے پاکیزہ کر دیا ہے۔ ہم نبوت کے درخت سے ہیں اور رسالت کے مقام یا اس جگہ سے ہیں جہاں فرشتوں کی آمد و رفت ہوتی ہے اور رحمت کے گھر اور علم کی کان سے ہیں۔" [1]

تفسیر طبری اور ذخائر العقبیٰ میں ابو سعید خدری سے نقل کیا گیا ہے کہ رسول اکرمؐ نے فرمایا:

"آیت تطہیر یعنی اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰہُ ..... پانچ اشخاص کے بارے ہیں یعنی میرے اور علیؑ، حسنؑ، حسینؑ اور فاطمہؑ کے لیے نازل ہوئی ہے۔" [2]

نیز مشکل الآثار میں ام سلمہ سے نقل کیا گیا ہے:

"یہ آیت اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰہُ ..... رسول خداؐ، علیؑ، فاطمہؑ، حسنؑ اور حسینؑ کے لیے نازل ہوئی ہے۔ ان پر خدا کا درود ہو۔" [3]

---

[1] در المنثور۔ آیت کی تفسیر میں (جلد ۵ صفحہ ۱۹۹) ابو القاسم یا ابو محمد ضحاک مزاحم ہلالی کے فرزند ہیں۔ ابن حجر کا کہنا ہے کہ وہ ایک ایسے راستگو ہیں جو بہت سی روایات بغیر سند کے نقل کرتے ہیں۔ ان کا تعلق راویوں کے پانچویں طبقے سے ہے یعنی اس طبقے سے جن لوگوں کا انتقال سنہ ۱۰۰ھ کے بعد ہوا۔ (تقریب التہذیب جلد اول صفحہ ۳۷۳)۔

[2] تفسیر طبری (جلد ۲۲ صفحہ ۵) ذخائر العقبیٰ۔ طبری (صفحہ ۲۴) اور تفسیر سیوطی (جلد ۵ صفحہ ۱۹۸)۔

[3] مشکل الآثار (جلد ۱ صفحہ ۳۳۲)۔

صحیح مسلم میں روایت کی گئی ہے کہ جب رسول اکرمؐ کے صحابی زید بن ارقم سے سوال کیا گیا کہ اہل بیت کون ہیں اور کیا آنحضرتؐ کی بیویاں اہلبیت ہیں تو انہوں نے جواب دیا کہ خدا کی قسم نہیں (وہ اہل بیت نہیں ہیں)۔ عورت کچھ مدت شوہر کے ساتھ رہتی ہے۔ پھر اگر وہ اسے طلاق دیدے تو وہ اپنے باپ کے گھر اور اپنی قوم کی طرف لوٹ جاتی ہے۔ جبکہ اہل بیتِ رسولؐ وہ ہیں جو ان کے ساتھ حقیقی رشتہ رکھتے ہیں اور ان کے وہ اہل خانہ ہیں جن پر صدقہ حرام ہے۔ [1]

ہیثمی نے مجمع الزوائد میں ابی سعید خدری سے نقل کیا ہے کہ:

"اہل بیت وہ لوگ ہیں جن سے خدا نے نجاست اور ناپاکی دور کر دی ہے۔ پھر انہیں اپنے مبارک ہاتھ کی انگلیوں پر گنا اور فرمایا: رسول خداؐ، علیؑ، فاطمہؑ، حسن اور حسین۔" [2]

آیت اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰہُ ..... کے بارے میں طبری نے اپنی تفسیر میں قتادہ کی زبانی کہا ہے کہ: "اہل بیت وہ ہیں جنہیں خدا نے ہر بدی اور ناپاکی سے پاک کر دیا ہے اور اپنی رحمت ان کے شامل حال کر دی ہے۔" [3]

---

[1] صحیح مسلم۔ باب فضل علیؑ (جلد ۷ صفحہ ۱۲۳) زید بن ارقم انصاری خزرجی ہیں۔ رسول اکرمؐ نے انہیں ان کی کم سنی کی وجہ سے لڑنے والوں میں شامل نہیں کیا لیکن وہ جنگ احد کے بعد کی جنگوں میں شریک ہوئے اور جنگ صفین میں بھی حضرت علیؑ کے ہمراہ تھے۔ امام حسینؑ کی شہادت کے بعد کوفہ میں فوت ہوئے (اسد الغابہ جلد ۲ صفحہ ۱۹۹)۔ [2] مجمع الزوائد ہیثمی۔ باب فضائل اہلبیتؑ (جلد ۹ صفحات ۱۶۵، ۱۶۷)۔

[3] تفسیر طبری۔ آیت کی تفسیر (جلد ۲۲ صفحہ ۵) در المنثور (جلد ۵۔ صفحہ ۱۹۹)۔

قتادہ نام کے چار اشخاص ہیں (سدوسی، رہاوی، قیسی اور انصاری) جو سب کے سب ثقہ ہیں۔ ان کے بارے میں مفصل معلومات کے لیے تقریب التہذیب (جلد ۲ صفحہ ۱۲۳) سے رجوع کریں۔

اسی طرح طبری نے آیت "اِنَّمَا یُرِیۡدُ اللّٰہُ ....." کی تفسیر میں کہا ہے کہ:

"بلاشبہ خدا نے یہ چاہا ہے کہ بدی اور نازیبا کاموں سے تم اہل بیتؑ کو دُور رکھے اور تمہیں ہر اس ناپاکی اور پلیدی سے پاکیزہ رکھے جو گناہگار لوگوں میں پیدا ہو جاتی ہے۔" [۱]

رسول اکرمؐ نے آیت کے نزول کے بعد کیا کیا:

مجمع الزوائد میں ابی برزہ سے نقل کیا گیا ہے کہ انہوں نے کہا: میں نے سترہ مہینے [۲] رسول اکرمؐ کے ساتھ نماز پڑھی۔ جب آپ نماز کے لیے نکلتے تو حضرت فاطمہؑ کے گھر کے دروازے پر جاتے اور "اَلصَّلٰوۃُ عَلَیۡکُمۡ" (تم پر درود ہو) کہنے کے بعد آیت تطہیر کی تلاوت فرماتے۔ [۳]

تفسیر سیوطی میں ابن عباس سے روایت کی گئی ہے کہ: "میں اس بات کا گواہ ہوں کہ رسول اکرمؐ پورے نو مہینے ہر روز نماز کے وقت علی بن ابیطالبؑ کے گھر کے دروازے پر آتے اور فرماتے: "اے اہلبیت! تم پر درود و سلام اور خدا کی برکتیں ہوں، اسکے بعد آیت اِنَّمَا یُرِیۡدُ اللّٰہُ لِیُذۡہِبَ عَنۡکُمُ الرِّجۡسَ ..... کی تلاوت فرماتے۔" آنحضرتؐ یہ عمل دن میں پانچ مرتبہ انجام دیتے تھے [۴]

---

[۱] تفسیر طبری (جلد ۲۲۔ صفحہ ۵)۔

[۲] سترہ مہینے کی مدت جو اس روایت میں بیان کی گئی ہے شاید لکھنے والوں کی غلطی کی وجہ سے ہے۔ بہرحال صحیح مدت سات مہینے ہے۔

[۳] مجمع الزوائد جلد ۹ صفحہ ۱۶۹)۔ ابو برزہ اسلمی کو صحابۂ رسولؐ میں شمار کیا جاتا ہے وہ سنہ ۶۰ھ یا سنہ ۶۴ھ میں فوت ہوئے (اسد الغابہ جلد ۵ صفحہ ۱۴۶)۔

[۴] تفسیر درالمنثور (جلد ۵ صفحہ ۱۹۹)۔

اور صحیح ترمذی، مسند احمد بن حنبل، مسند طیالسی، مستدرک علی الصحیحین، اسد الغابہ، نیز طبری، ابن کثیر اور سیوطی کی تفسیروں میں انس بن مالک سے نقل کیا گیا ہے کہ (حدیث ترمذی سے نقل کی گئی ہے): رسول اکرمؐ چھ مہینے تک ہر روز صبح کی نماز کے وقت حضرت فاطمہؑ کے گھر کے سامنے سے گزرتے تھے اور فرماتے تھے:

"اے میرے اہل بیتؑ نماز! کیونکہ یقیناً خدا نے چاہا ہے کہ نجاست کو تم سے دُور رکھے۔" [۱]

استیعاب، اسد الغابہ، مجمع الزوائد، مشکل الآثار اور طبری کے علاوہ تفسیر ابن کثیر اور تفسیر ابن سیوطی میں ابی الحمراء [۲] سے نقل کیا گیا ہے کہ (حدیث کی عبارت سیوطی سے نقل کی گئی ہے): مجھے آٹھ مہینے کا عرصہ یاد ہے کہ رسول اکرمؐ جب بھی صبح کی نماز کے لیے جاتے تھے تو حضرت فاطمہؑ کے دروازے پر آتے

---

[۱] مستدرک علی الصحیحین (جلد ۳ صفحہ ۱۵۸) صاحب مستدرک کا کہنا ہے کہ یہ حدیث شرط بہ شرط نقل مسلم صحیح ہے لیکن اسے نقل نہیں کیا گیا۔ اسد الغابہ (جلد ۵ صفحہ ۵۲۱) مسند احمد بن حنبل (جلد ۳ صفحہ ۲۵۸)، تفسیر طبری (جلد ۲۲ صفحہ ۵)، ابن کثیر (جلد ۳ صفحہ ۴۸۳) درالمنثور (جلد ۵ صفحہ ۱۹۹) مسند طیالسی (جلد ۴ صفحہ ۲۷۴) اور اس نے رسول اکرمؐ کے عمل کی مدت ایک مہینہ نقل کی ہے۔

سورۂ احزاب کی آیت کی تفسیر کے لیے۔ صحیح ترمذی (جلد ۲ صفحہ ۸۵) اور کنز العمال (جلد ۷ صفحہ ۱۰۳) کے پہلے ایڈیشن سے رجوع کریں۔

انس بن مالک خزرجی ہیں۔ وہ روایت کرتے ہیں کہ میں دس سال رسول اکرمؐ کی خدمت میں رہا۔ وہ نوّے سال کی عمر پا کر فوت ہوئے۔

[۲] ابی الحمراء رسول اکرمؐ کے آزاد کردہ ہیں۔ کہا گیا ہے کہ ان کا نام ہلال بن حارث تھا۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ نام ہلال بن ظفر تھا۔ (اسد الغابہ جلد ۵ صفحہ ۱۷۴)

تھے اور اپنے ہاتھ دروازے کے دونوں طرف رکھتے اور فرماتے تھے:

"نماز ـــ نماز ـــ اے اہل بیت! خدا نے یقیناً ارادہ کر لیا ہے کہ ہر نجاست کو تم سے دُور رکھے اور تمہیں مکمل طور پر پاکیزہ رکھے۔"

دوسری روایت میں کہا گیا ہے کہ رسول اکرمؐ نے یہ عمل چھ مہینے، سات مہینے، آٹھ مہینے یا نو مہینے تک جاری رکھا۔ [1]

مجمع الزوائد اور تفسیر سیوطی میں اختلافِ لفظی کے ساتھ ابو سعید خُدری سے نقل کیا گیا ہے کہ:

رسول اکرمؐ چالیس دن تک صبح کے وقت حضرت فاطمہؑ کے دروازے پر آتے تھے اور فرماتے تھے:

"اے اہل بیت رسولؐ! تم پر خدا کا درود و سلام اور برکتیں ہوں۔ نماز (قائم رکھو) خدا تم پر رحمت کرے کیونکہ بلاشبہ خدا نے چاہا ہے کہ نجاست تم سے دُور رہے اور تم پاکیزہ ہو جاؤ۔ میں (جو کہ خدا کا رسولؐ ہوں) ان لوگوں کا دشمن ہوں جو تم سے جنگ کریں اور ان لوگوں کا دوست ہوں جو تم سے صلح کریں اور تمہاری اطاعت کریں۔" [2]

---

[1] اسی آیت کی تفسیر میں ابی الحمراء کی روایات: استیعاب (جلد ۲ صفحہ ۵۹۸)، طبری، ابن کثیر اور سیوطی کی تفاسیر میں آئی ہیں۔ انکے حالات زندگی استیعاب (جلد ۵ صفحہ ۶۳)، اُسد الغابہ (جلد ۵ صفحہ ۱۷۴)، مجمع الزوائد (جلد ۹ صفحات ۱۲۱-۱۶۸) اور مشکل الآثار (صفحہ ۳۳۸) میں بیان کیے گئے ہیں۔

[2] مجمع الزوائد (جلد ۹ صفحہ ۱۶۹)، تفسیر سیوطی (جلد ۵ صفحہ ۱۹۹)

اہل بیتؑ کے بارے میں آیت تطہیر سے استدلال

۱۔ حسن بن علیؑ

حاکم اپنی کتاب مستدرک علی الصحیحین میں حسن بن علی علیہ السلام کے فضائل کے باب میں اور ہیثمی اہل بیتؑ کے باب میں روایت کرتے ہیں کہ: حسن بن علیؑ نے اپنے پدر گرامی کی شہادت کے موقع پر ایک خطبے میں لوگوں سے فرمایا:

"اے لوگو! جو شخص ہمیں پہچانتا ہے وہ تو پہچانتا ہے اور جو شخص نہیں پہچانتا وہ جان لے کہ میں حسنؑ بن علیؑ ہوں اور رسولؐ کا فرزند ہوں اور رسولؐ کے وصی کا فرزند ہوں میں خوشخبری دینے والے کا فرزند ہوں۔ میں اس شخص کا فرزند ہوں جو دنیا والوں کے لیے نذیر (ڈرانے والا) تھا۔ میں اس شخص کا فرزند ہوں جو حق تعالیٰ کے اذن سے لوگوں کو اس کی طرف (یعنی اللہ کی طرف) بلاتا تھا۔ میں سراج منیر کا فرزند ہوں اور میں رسول خداؐ کے اہل بیتؑ میں سے ہوں جن کے پاس جبرئیل آیا کرتے تھے اور جن کے پاس سے اوپر جاتے تھے اور میں ان اہلبیت میں سے ہوں جن سے خدا نے نجاست دُور کر دی ہے اور جنہیں پاکیزہ کر دیا ہے۔" [1]

مجمع الزوائد میں اور تفسیر ابن کثیر میں آیا ہے کہ (حدیث مجمع الزوائد سے نقل کی گئی ہے):

اپنے والد علی ابن ابیطالبؑ کے شہید ہو جانے کے بعد حسن بن علیؑ

---

[1] مستدرک علی الصحیحین۔ باب فضائل حسنؑ بن علیؑ (جلد ۳ صفحہ ۱۷۲)

مسلمانوں نے خلیفہ بنے۔ ایک دن جب وہ لوگوں کو نماز پڑھا رہے تھے، اچانک ایک شخص مجمع میں سے اٹھ کر ان کی طرف دوڑا اور ایک خنجر ان کی ران میں پیوست کر دیا جس کے نتیجے میں وہ چند مہینے بیمار رہے۔ صحتیاب ہو جانے کے بعد انہوں نے منبر سے ایک خطبہ دیا جس میں فرمایا:

"اے اہل عراق! ہمارے بارے میں خدا سے ڈرو اور پرہیزگاری اختیار کرو۔ ہم تمہارے حاکم ہیں اور تمہارے مہمان ہیں۔ ہم وہ اہل بیت ؑ ہیں جن کے بارے میں خدا نے آیت تطہیر نازل فرمائی ہے۔"

آپ نے اس بارے میں اتنی مفصل گفتگو فرمائی کہ مسجد میں موجود تمام لوگ رونے لگے اور ہیثمی نے کہا ہے کہ یہ حدیث طبرانی نے بھی نقل کی ہے اور یہ بھی کہا ہے کہ اس کے تمام راوی ثقہ ہیں۔ [1]

ب۔ اُمِّ سَلمہؓ

طحاوی نے مشکل الآثار میں عمرۂ ہمدانی سے نقل کیا ہے کہ اس نے کہا: میں ام سلمہ کی خدمت میں پہنچا اور انہیں سلام کیا۔

انہوں نے پوچھا: "تم کون ہو؟"

میں نے جواب دیا: "عمرۂ ہمدانی ہوں۔" پھر میں نے کہا: اے ام المومنین! مجھے اس شخص کے بارے میں بتایئے جو ان دنوں قتل ہوا ہے (علی ابن ابیطالب ؑ) کیونکہ کچھ لوگ اس کے محب ہیں اور کچھ لوگ اس کے لیے دل میں بغض رکھتے ہیں۔"

ام سلمہ نے پوچھا: "کیا تم اس سے محبت کرتے ہو یا اسے دشمن سمجھتے ہو؟"

---

[1] مجمع الزوائد باب فضائل اہلبیت ؑ (جلد ۹ صفحہ ۱۷۲) تفسیر ابن کثیر ذیل آیت تطہیر (جلد ۳ صفحہ ۴۸۶)

میں نے جواب دیا: "میں نہ اس کا دوست ہوں اور نہ دشمن۔۔۔" [1]

ام سلمہ نے آیت تطہیر کے نزول کی داستان بیان کرنی شروع کی اور بالآخر کہا: "پس خدا نے آیت تطہیر نازل کی۔ جب یہ آیت نازل ہوئی تو گھر میں جبرئیل ؑ، رسول خدا ؐ، علی ؑ، فاطمہ ؑ، حسن ؑ اور حسین ؑ کے علاوہ اور کوئی نہ تھا۔"

میں نے رسول اکرم ؐ سے عرض کیا: "کیا میں اہلبیت ؑ میں سے ہوں؟"

آپ نے فرمایا: "بلاشبہ تمہارے لیے خدا کے یہاں خیر ہے۔"

لیکن میں چاہتی تھی کہ آنحضرت ؐ بجائے یہ جملہ کہنے کے یہ فرماتے کہ "ہاں تم بھی اہلبیت ؑ میں سے ہو۔" میرے نزدیک آپ کا یہ کہنا ہر اس چیز سے بہتر ہوتا جس پر آفتاب اپنی روشنی ڈالتا ہے۔ [2]

ج۔ سعد بن ابی وقاص:

خصائص نسائی میں سعد بن ابی وقاص کے بیٹے عامر [3] سے نقل کیا گیا ہے کہ اس نے کہا: معاویہ نے سعد سے کہا "تم ابوتراب کو برا بھلا کیوں نہیں کہتے اور گالیاں کیوں نہیں دیتے؟"

اس نے جواب دیا "میں نے رسول اکرم ؐ سے علی ؑ کی تین فضیلتوں کے بارے میں سن رکھا ہے اور اسی لیے میں انہیں گالیاں نہیں دیتا۔ اگر مجھے ان

---

[1] یہاں سے حدیث کا کچھ حصہ حذف کر دیا گیا ہے۔ [2] مشکل الآثار (جلد ۱ صفحہ ۳۳۶)

[3] عامر سعد بن ابی وقاص کا فرزند تھا۔ سب صاحبان صحاح نے اس کی حدیثیں نقل کی ہیں۔ ابن حجر کا کہنا ہے عامر ثقہ ہے اور راویوں کے تیسرے طبقہ سے تعلق رکھتا ہے۔ وہ ۱۰۴ھ میں فوت ہوا (تقریب التہذیب جلد ۱ صفحہ ۳۸۷)۔

تین فضیلتوں میں سے ایک بھی حاصل ہوتی تو میں اسے سرخ بالوں والے قیمتی اونٹوں سے بہتر سمجھتا۔"

جب رسول خدا نے علیؑ کو مدینہ میں اپنا قائم مقام بنایا تو انہوں نے سوال کیا: "یا رسول اللہؐ! کیا آپ مجھے عورتوں اور بچوں کے ساتھ مدینہ میں چھوڑ رہے ہیں (تاکہ خدا کی راہ میں جہاد سے محروم رہ جاؤں) اور مجھے اس بات کی اجازت نہیں دے رہے کہ آپ کے ساتھ جنگ میں شرکت کروں۔"

میں نے رسول خداؐ سے سنا کہ آپ نے فرمایا:

"کیا تم یہ نہیں چاہتے کہ تمہارا رتبہ میری نسبت ویسا ہی ہو جیسا کہ ہارونؑ کا موسیٰؑ کی نسبت سے تھا۔ اس فرق کے ساتھ کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا؟"

اور پھر میں نے رسول اکرمؐ کو جنگ خیبر میں یہ فرماتے ہوئے سنا کہ:

"کل میں ایک ایسے شخص کے ہاتھ میں پرچم دوں گا جو خدا اور اس کے رسولؐ کو دوست رکھتا ہے اور خدا اور اس کا رسولؐ بھی اسے دوست رکھتے ہیں۔"

ہر ایک کو توقع تھی کہ یہ انتخاب اس کے حصے میں آئے گا لیکن آنحضرتؐ نے علیؑ کو بلوا بھیجا۔ جب علیؑ آئے تو ان کی آنکھوں میں تکلیف تھی۔ آنحضرتؐ نے ان کی آنکھوں پر اپنے دہن مبارک کا لعاب لگایا اور وہ ٹھیک ہو گئیں۔ پھر آپ نے پرچم علیؑ کے ہاتھ میں دیا۔

اور آیت تطہیر کے نزول کے وقت آنحضرتؐ نے علیؑ، فاطمہؑ، حسنؑ اور حسینؑ کو بلایا اور فرمایا: "اے پروردگار! یہ میرے اہل بیت ہیں۔" ؎

؎ خصائص نسائی (صفحہ ۴)۔

اس آیت کی تفسیر میں ابن جریر طبری، ابن کثیر اور حاکم نے مستدرک میں اور طحاوی نے مشکل الآثار میں نقل کیا ہے (حدیث طبری سے ہے) کہ سعد نے کہا: رسول اکرمؐ نے وحی کے نزول کے وقت علیؑ اور ان کے دو بیٹوں اور فاطمہؑ کو بلایا اور انہیں اپنی چادر میں چھپا لیا اور پھر فرمایا: "یہ میرے اہل ہیں اور میرے اہل بیتؑ ہیں۔" ؎

د۔ ابن عباس

۱۔ تاریخ طبری اور تاریخ ابن اثیر میں آیا ہے کہ (روایت طبری کی ہے):

عمر نے ابن عباس سے گفتگو کرتے ہوئے کہا: افسوس! خدا کی قسم تم بنی ہاشم کے دل حسد سے بھرے ہوتے ہیں اور وہ ختم نہیں ہوتا اور تم لوگ ایسا کینہ رکھتے ہو جو زائل نہیں ہو سکتا۔

ابن عباس نے جواب میں کہا: اے امیر المومنین! خاموش رہیے۔ ان لوگوں کے دلوں سے حسد اور کینہ منسوب نہ کیجیے جنہیں "خدا نے نجاست سے دور رکھا ہے اور پاکیزہ کر دیا ہے۔" کیونکہ رسول اللہؐ کا دل بھی بنی ہاشم کے دلوں میں سے ہے۔

۲۔ امام احمد بن حنبل کی مسند، نسائی کی خصائص، محب طبری کی ریاض النضرہ اور ہیثمی کی مجمع الزوائد ؎ میں آیا ہے کہ (الفاظ مسند احمد کے ہیں):

؎ تفسیر طبری (جلد ۲۲ صفحہ ۷)، ابن کثیر (جلد ۳ صفحہ ۴۸۵) عبارت طبری سے نقل کی گئی ہے۔ مستدرک حاکم (جلد ۳ صفحہ ۱۴۷) مشکل الآثار (جلد ۱ صفحہ ۳۳۶ اور جلد ۲ صفحہ ۳۳) تاریخ طبری (جلد ۵ صفحہ ۳۱)

عمرو بن میمون ؎۲ سے نقل کیا گیا ہے کہ اس نے کہا: میں ابن عباس کے پاس بیٹھا تھا، اتنے میں نو آدمی آئے اور کہنے لگے کہ اے ابن عباس یہاں خلوت کرادیجیے یا ہمارے ساتھ چلیے کیونکہ ہم آپ سے کچھ کہنا چاہتے ہیں:

ابن عباس نے جواب دیا: میں تمہارے ساتھ چلتا ہوں (راوی کہتا ہے کہ یہ واقعہ اس زمانے کا ہے جب ابن عباس ابھی نابینا نہیں ہوتے تھے. راوی یہ بھی کہتا ہے کہ ان لوگوں نے باتیں کرنی شروع کیں لیکن ہماری سمجھ میں کچھ نہ آیا کہ کیا کہہ رہے ہیں۔ اتنے میں ابن عباس اپنے کپڑے جھٹکتے ہوئے آئے اور کہا: حیف ہے ان لوگوں پر! یہ اس شخص کو برا بھلا کہہ رہے ہیں جس کی دس فضیلتیں ہیں.... اور بعد میں انہوں نے کہا: رسول خدا نے اپنا کپڑا علیؑ، فاطمہؑ، حسنؑ اور حسینؑ کے سر پر پھیلا دیا اور فرمایا:

اِنَّمَا یُرِیۡدُ اللّٰہُ لِیُذۡہِبَ عَنۡکُمُ الرِّجۡسَ اَہۡلَ الۡبَیۡتِ وَ یُطَہِّرَکُمۡ تَطۡہِیۡرًا۔

؎۱ پوری حدیث مسند احمد کے پہلے ایڈیشن (جلد ۱ صفحہ ۳۳۱) اور دوسرے تحقیق شدہ ایڈیشن (جلد ۵ حدیث ۳۰۶۲) میں ہے اور اس میں ابن عباس نے امام علی بن ابیطالبؑ کی دس فضیلتیں نقل کی ہیں اور نسائی نے اسے اپنی کتاب خصائص (صفحہ ۱۱) میں نقل کیا ہے۔ الریاض النضرۃ (جلد ۲ صفحہ ۲۶۹)۔ مجمع الزوائد (جلد ۹ صفحہ ۱۱۹)۔

؎۲ عمرو میمون اودی کا فرزند ہے۔ تابعین میں سے اور ثقہ ہے۔ اس کی حدیثیں صاحبان حدیث نے نقل کی ہیں۔ ۷۴ھ ہجری میں کوفہ میں فوت ہوئے۔ (تقریب التہذیب جلد ۲ صفحہ ۸۰)

۴۔ واثلہ بن اسقع:

طبری نے آیت تطہیر کی تفسیر میں احمد بن حنبل نے اپنی مسند میں، حاکم نے (جو حدیث کو شیخین کے نزدیک صحیح سمجھتے ہیں) اپنی مستدرک میں، بیہقی نے اپنی سنن میں، طحاوی نے مشکل الآثار میں اور ہیثمی نے مجمع الزوائد میں کہا ہے کہ (حدیث کے الفاظ طبری کے ہیں) ابو عمار ؎۱ کہتا ہے:

میں واثلہ بن اسقع کے پاس بیٹھا تھا۔ محفل میں موجود لوگ علیؑ کی باتیں کرنے لگے اور انہیں گالیاں دیں۔ جب محفل برخاست ہوگئی اور لوگ جانے لگے تو واثلہ نے مجھ سے کہا: تم بیٹھو تاکہ میں تمہیں اس شخص کے بارے میں کچھ بتاؤں جسے یہ گالیاں دے رہے تھے۔

پھر اس نے کہا: میں رسول اکرمؐ کی خدمت میں حاضر تھا کہ علیؑ، فاطمہؑ، حسنؑ اور حسینؑ آگئے۔ پھر آنحضرتؐ نے اپنی چادر ان کے اوپر ڈال دی اور فرمایا:

"اے میرے پروردگار! یہ میرے اہل بیت ہیں۔ نجاست کو ان سے دور رکھ اور انہیں پاک و پاکیزہ رکھ۔" ؎۲

؎۱ ابو عمار، شداد بن عبد اللہ قریشی دمشقی ہیں۔ راویوں کے چوتھے طبقے سے تعلق رکھتے ہیں اور ثقہ ہیں۔ ان کی حدیثیں صاحبان صحاح نے نقل کی ہیں (تقریب التہذیب جلد ۱ صفحہ ۳۴۷)۔

؎۲ مشکل الآثار طحاوی (جلد ۱ صفحہ ۳۴۶) تفسیر طبری (جلد ۲۲ صفحہ ۶) مسند احمد بن حنبل (جلد ۴ صفحہ ۱۰۷) جس کی روایت میں اس کے جملوں "پس اسے گالیاں دیں" اور "یہ شخص جسے تم نے برا بھلا کہا" کے کچھ الفاظ حذف کردیے گئے ہیں۔ مجمع الزوائد (جلد ۹ صفحہ ۱۶۷)۔ مستدرک حاکم (جلد ۲ صفحہ ۴۱۶ اور جلد ۳ صفحہ ۱۴۷)۔ سنن بیہقی (جلد ۲ صفحہ ۱۵۲)۔

اُسد الغابہ میں شداد بن عبد اللہ سے روایت کی گئی ہے کہ: فاجعۂ کربلا کے بعد جب امام حسینؑ کا سر دربار میں لایا گیا تو شامیوں میں سے ایک شخص نے حسینؑ اور ان کے والد علی علیہ السلام پر لعنت کی۔ واثلہ بن اسقع (جس کے سامنے یہ لعنت کی گئی تھی) اپنی جگہ سے اٹھے اور کہنے لگے: "بخدا! رسول خداؐ کے کے یہ الفاظ سننے کے بعد جو انہوں نے اہلبیتؑ کے بارے میں کہے تھے: اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيْرًا. میں نے ہمیشہ علیؑ، فاطمہؑ، حسنؑ اور حسینؑ کو دوست رکھا ہے۔" [1]

اسی طرح ام سلمہ کی روایت:

مسند احمد بن حنبل، تفسیر طبری اور مشکل الآثار میں روایت کی گئی ہے کہ (حدیث کے الفاظ مسند احمد کے ہیں) شہر بن حوشب [2] کہتا ہے:

جب امام حسینؑ کی شہادت کی خبر ام المومنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا کو ملی اور انہوں نے سنا کہ اہل عراق نے امام حسینؑ پر لعنت کی ہے تو میں نے انہیں یہ کہتے ہوئے سنا کہ: انہوں نے حسینؑ کو قتل کر دیا۔ خدا انہیں قتل کرے کیونکہ انہوں نے حسینؑ کو دھوکا دیا اور انہیں مصیبت میں ڈالا۔ ان پر خدا کی لعنت ہو کیونکہ میں نے رسول اکرمؐ سے سنا ہے کہ .... (اور آخر میں کہا کہ) آنحضرتؐ نے ایک خیبری چادر لی اور ان سب پر ڈال دی اور فرمایا: "خداوندا! یہ میرے اہل بیت ہیں۔ نجاست کو ان سے دور رکھ اور انہیں

---

[1] اُسد الغابہ (جلد ۲ صفحہ ۲۰) [2] شہر بن حوشب اشعری شامی کا تعلق راویوں کے تیسرے طبقے سے ہے۔ وہ ایک راست گو راوی ہے جس کی حدیثیں صاحبانِ صحاح نے نقل کی ہیں (تقریب التہذیب جلد ۱ صفحہ ۳۵۰)۔

پاک اور پاکیزہ کر دے۔" [1]

ایک دوسری روایت امام زین العابدین علیہ السلام سے ہے:

طبری، ابن کثیر اور سیوطی میں سے ہر ایک نے آیت تطہیر کی تفسیر بیان کرتے ہوئے روایت کی ہے کہ:

علی بن الحسینؑ نے ایک شامی مرد سے فرمایا: "کیا تم نے سورۂ احزاب میں یہ آیت نہیں پڑھی: "اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ...

اس نے کہا: "کیا آپ ان میں سے ہیں؟"

امامؑ نے فرمایا: "ہاں!" [2]

یہ پوری روایت مقتل خوارزمی میں یوں بیان کی گئی ہے:

جب امام حسینؑ کے قتل ہو جانے کے بعد امام علی بن حسینؑ (زین العابدینؑ) اہل بیت کے دیگر افراد کے ساتھ شام پہنچے تو انہیں مسجد دمشق کی سیڑھیوں کے پاس قیدیوں کی جگہ ٹھیرایا گیا۔ ایک پیر مرد ان کے پاس آیا اور کہنے لگا: شکر ہے اس خدا کا جس نے تمہیں ہلاکت تک پہنچایا اور بندگانِ خدا کو تمہارے مردوں کے ہاتھ سے رہائی بخشی اور امیر المومنین (یزید) کو تم پر فتح عطا کی۔

امام زین العابدینؑ نے اپنا چہرہ اس شخص کی طرف پھیرا اور فرمایا: "اے پیر مرد! کیا تم نے قرآن پڑھا ہے؟"

اس نے جواب دیا: "ہاں!"

---

[1] ہم نے یہ حدیث مختصر کر کے بیان کی ہے۔ مکمل حدیث کے لیے مسند احمد بن حنبل (جلد ۶ صفحہ ۲۹۸) تفسیر طبری (جلد ۲۲ صفحہ ۶) مشکل الآثار (جلد ۱ صفحہ ۳۳۵) ملاحظہ فرمائیں۔

[2] تفسیر طبری (جلد ۲۲ صفحہ ۷) ابن کثیر (جلد ۳ صفحہ [illegible]۸۶) [illegible] المنثور (جلد [illegible] صفحہ ۱۹۹)

امام ؑ نے فرمایا: "کیا تم نے آیت "مودت قربیٰ" پڑھی ہے؟" ؎۱

اس شخص نے اثبات میں جواب دیا تو امام ؑ نے فرمایا: "کیا تم نے آیت وَاعْلَمُوْۤا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَیْءٍ فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ وَ لِلرَّسُوْلِ وَلِذِی الْقُرْبٰی بھی پڑھی ہے؟"

جب اس شخص نے دوبارہ اثبات میں جواب دیا تو امام سجاد ؑ فرمانے لگے: "اے شخص خدا کی قسم ان آیتوں میں قربیٰ (رسول اکرم ؐ کے قرابتدار) سے مراد ہم لوگ ہیں، اور کیا تم نے آیت تطہیر پڑھی ہے؟"

بوڑھے نے جواب دیا: "ہاں، میں نے پڑھی ہے۔"

امام ؑ نے فرمایا: "ہم وہی اہل بیت ہیں جن کے لیے آیت تطہیر خاص طور پر نازل ہوئی ہے۔"

بوڑھے نے کہا: "میں آپ کو خدا کی قسم دیتا ہوں، کیا آپ رسول اکرم ؐ کے اہل بیت ہیں؟

آپ نے فرمایا: "ہاں، خدا گواہ ہے کہ رسول اکرم ؐ ہمارے جد ہیں اور

؎۱ (اے رسول ؐ!) لوگوں سے کہہ دیجیے کہ میں تم سے رسالت کا کوئی اجر نہیں مانگتا بجز اس کے کہ میرے اقربا کو دوست رکھو (سورۂ شوریٰ۔ آیت ۲۳)

؎۲ اے رسول ؐ! اپنے اقربا کو ان کا حق مرحمت فرما دیجیے (سورہ بنی اسرائیل آیت ۲۶)

؎۳ جان لو کہ تم جو مال غنیمت حاصل کرو اس کا پانچواں حصہ (خمس)، خدا اور رسول ؐ اور رسول ؐ کے قرابتداروں کا ہے (سورۂ انفال۔ آیت ۴۱)

بلاشبہ ہم وہی لوگ ہیں۔"

یہ سن کر بوڑھا خاموش ہوگیا اور جو کچھ اس نے کہا تھا اس پر پشیمان ہوا۔ پھر اس نے اپنا سر آسمان کی طرف بلند کیا اور کہا: "اے پروردگار! میرے دل میں اس خاندان کے بارے میں جو بغض تھا میں اس سے توبہ کرتا ہوں اور آلِ محمد ؐ کے دشمنوں سے ــــ خواہ وہ انسانوں میں سے ہوں یا جنات میں سے ــــ بیزار ہوں۔" ؎۱

حدیث کساء کے بارے میں جو روایات بیان کی گئی ہیں ہم انہیں پر اکتفا کرتے ہیں کیونکہ یہ اس شخص کے لیے کافی ہیں جو قرآن مجید سے تمسک رکھنا چاہتا ہو اور اس نے اس کی تفسیر بھی رسول اکرم ؐ سے حاصل کی ہو۔ بلاشبہ اس بات میں اس شخص کے لیے یاددہانی ہے جو دل رکھتا ہو یا سننے والے کان رکھتا ہو اور سچی بات کی گواہی دیتا ہو۔

گزشتہ روایات کا خلاصہ

حدیث کساء کی جو داستان گزشتہ روایات میں بیان کی گئی ہے اس کا خلاصہ یہ ہے:

ایک دن جبکہ ام المومنین ام سلمہ کی باری تھی اور رسول اکرم ؐ ان کے گھر میں تھے آپ نے یہ دیکھ کر کہ خدا کی رحمت نازل ہو رہی ہے فرمایا: "میرے پاس بلاؤ ــــ میرے پاس بلاؤ ــــ"

جب آپ سے دریافت کیا گیا کہ کسے بلایا جائے تو آپ نے فرمایا: "میرے اہل بیت کو ــــ علی ؑ، فاطمہ ؑ، حسن ؑ اور حسین ؑ کو۔"

؎۱ مقتل خوارزمی (جلد ۲ صفحہ ۶۱) مطبوعہ نجف اشرف

پس وہ رسول اکرمؐ کے پاس ایک فرش پر جمع ہوگئے۔ پھر آنحضرتؐ نے خود اپنے آپ کو اور انہیں ایک خیبری چادر میں جو سیاہ بالوں سے بنی ہوئی تھی لپیٹ لیا اور فرمایا:

"اے پروردگار! یہ میری آل ہیں۔ یہ میرے اہل بیت ہیں۔ پس درود بھیج محمدؐ اور آل محمدؐ پر ——" اور خدا نے یہ آیت نازل فرمائی:

إِنَّمَا يُرِيدُ اللَّهُ لِيُذْهِبَ عَنكُمُ الرِّجْسَ أَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيرًا ۔

یہ آیت اس وقت نازل ہوئی جب اہل بیتِ رسولؐ ان کے اردگرد جمع تھے۔ چنانچہ آیت کے نازل ہونے کے بعد آنحضرتؐ نے فرمایا:

"اے پروردگار! یہ میرے اہل بیتؑ ہیں۔ پس نجاست کو ان سے دُور کردے اور انہیں پاک و پاکیزہ رکھ۔"

ام المومنین پردے کی اوٹ میں تھیں۔ وہ فرماتی ہیں:

میں گھر کے دروازے پر بیٹھی تھی اور گھر کے اندر سات افراد تھے یعنی رسول اکرمؐ، جبرئیلؑ، میکائیلؑ، علیؑ، فاطمہؑ، حسنؑ اور حسینؑ۔ میں نے گھر کے اندر جھانکا اور کہا: "یا رسول اللہؐ! کیا میں بھی آپ کے اہل بیت میں سے ہوں؟"

پھر وہ کہتی ہیں کہ خدا کی قسم انہوں نے ہاں میں جواب نہیں دیا لیکن فرمایا: "تم بھلائی کے راستے پر ہو —— تم بھلائی کے راستے پر ہو —— تم رسولؐ کی بیویوں میں سے ہو۔"

ایک دوسری روایت میں کہا گیا ہے کہ ام سلمہ نے سوال کیا: "کیا میں اہل بیت میں سے نہیں ہوں؟"

آنحضرتؐ نے جواب دیا: "پس تم خیر پر ہو اور فقط یہ میرے اہل بیت ہیں۔"

رسول اکرمؐ نے اس داستان میں اپنے اہل بیت کو پوری امت سے ممتاز کیا ہے اور اپنے قول اور فعل سے آیت تطہیر کی تشریح اور تفصیل بیان فرمائی ہے۔ آپ نے فرمایا: "میں اور میرے اہل بیت پاک اور پاکیزہ ہیں" اور مسجد میں مسلمانوں کے سامنے اس بات کا اعلان کیا کیونکہ ہر نماز کے وقت آپ علیؑ اور فاطمہؑ کے گھر کے دروازے پر آتے تھے اور فرماتے تھے: "اے اہل بیتِ رسولؐ! تم پر خدا کا درود، رحمت اور برکتیں ہوں۔" پھر آیت تطہیر کی تلاوت فرماتے۔

ایک اور روایت میں کہا گیا ہے کہ جب صبح کی نماز کا وقت ہوتا تھا رسول اکرمؐ ہر روز علیؑ کے گھر کے دروازے پر آتے تھے اور اپنے دونوں ہاتھ گھر کے دروازے کی جانب رکھتے اور فرماتے تھے:

بعض صحابہ کا کہنا ہے کہ آنحضرتؐ کا یہ عمل (یعنی حضرت علیؑ کے گھر کے دروازے پر آنا) مسلسل چھ مہینے تک انجام دیا اور بعض دوسروں نے یہ مدت سات مہینے، آٹھ مہینے یا نو مہینے بتائی ہے اور بعض نے ان ہندسوں میں کمی بیشی کردی ہے جس کے ذہن میں جو ہندسہ تھا وہ اس نے نقل کردیا ہے۔ آنحضرتؐ نے یہ طریقہ اس لیے اختیار فرمایا کہ آپ اپنے قول اور فعل سے امت اسلامیہ کو ذہن نشین کرادیں کہ آیت تطہیر کی مصداق کونسی ہستیاں ہیں۔

اس سلسلے میں آنحضرتؐ نے جو کوشش فرمائی وہ اس بنا پر تھی کہ آپ پر یہ لازم تھا کہ مندرجہ ذیل آیت کے مضمون پر عمل فرمائیں:

"ہم نے آپ پر ذکر (قرآن) نازل کیا ہے تاکہ جو احکام لوگوں کے لیے نازل کیے گئے ہیں آپ ان سے صاف صاف بیان کردیں شاید وہ لوگ غور و فکر کریں۔" (سورۂ نحل - آیت ۴۴)

اہل بیتؑ کے بارے میں آیت تطہیر کے نزول کا واقعہ اس زمانے میں اس قدر مشہور تھا کہ کئی ایک حضرات کی گفتگو میں اسے شہادت کے طور پر پیش کیا گیا ہے ان میں سے ایک امام حسن علیہ السلام ہیں جو خود اصحاب کساؑ میں شامل ہیں۔ انہوں نے اپنے پدر بزرگوار کی وفات کے بعد ایک خطبہ میں ارشاد فرمایا:

"میں ان اہل بیت میں سے ہوں جن سے خدا نے نجاست کو دُور رکھا ہے اور انہیں پاک اور پاکیزہ کر دیا ہے۔"

اسی طرح اپنے زخمی ہونے کے بعد امام حسن علیہ السلام نے ایک خطبے میں فرمایا:

"ہم ان اہل بیت میں سے ہیں جن کے بارے میں خداوند عالم نے آیت تطہیر نازل فرمائی ہے۔"

اور اسی طرح ام سلمہ نے یہ آیت عمرۃ ہمدانی کو پڑھ کر سنائی۔ عمرہ نے حضرت علیؑ کی شہادت کے بعد ان کے بارے میں ام سلمہ سے سوال کیا تھا جس کے جواب میں ام المومنین نے اس آیت کی تلاوت فرمائی۔

جب معاویہ نے سعد بن ابی وقاص کو کہا کہ وہ علیؑ کو برا بھلا کہے تو اس نے بھی امیرالمومنین کی فضیلت کے بارے میں اس آیت سے استدلال کیا۔

مزید برآں ایک گروہ نے ابن عباس کے سامنے علیؑ کو گالیاں دیں تو انہوں نے بھی آیت تطہیر کو جناب امیرؑ کے دس فضائل میں شمار کیا۔

واثلہ نے بھی جو کہ صحابیٔ رسولؐ ہیں آیت تطہیر کو ان لوگوں کو جھٹلانے کے لیے بطور شہادت پیش کیا جو حضرت علیؑ کو گالیاں دے رہے تھے۔

جب ام سلمہ کو امام حسین علیہ السلام کی شہادت کی خبر ملی اور انہوں نے

یہ سنا کہ اہل عراق نے امام علیہ السلام پر لعنت کی ہے تو انہوں نے بھی یہ داستان اور آیت نقل کی اور ام سلمہ کی داستان سے ملتی جلتی داستان میں واثلہ نے بھی یہی عمل انجام دیا۔

امام زین العابدینؑ نے بھی اس شامی مرد کے سامنے جو یزید کی تعریف کر رہا تھا اور اہل بیت کو برا بھلا کہہ رہا تھا یہی آیت پڑھی۔

حدیثِ کساء

(اہلبیتؑ کے مکتب میں)

۱۔ اُم المومنین اُم سلمہؓ کی روایت:

(۱) شہر بن حوشب:

شہر بن حوشب بیان کرتے ہیں کہ ایک روز میں ام المومنین ام سلمہؓ کی خدمت میں سلام عرض کرنے حاضر ہوا تو ان سے پوچھا: اے ام المومنینؓ! آیۂ تطہیر اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰہُ..... کے متعلق آپ کی کیا رائے ہے؟ ام المومنینؓ نے فرمایا: اس روز میں خیبری چادر اوڑھے رسول اکرمؐ کے پاس بستر پر بیٹھی ہوئی تھی کہ اتنے میں فاطمہ زہراؑ اپنے دونوں بیٹوں حسنؑ اور حسینؑ کے ساتھ وہاں تشریف لائیں۔ رسول اکرمؐ نے ان سے پوچھا: "فاطمہؑ! تمہارے ابن عم کہاں ہیں؟" فاطمہ زہراؑ نے بتایا کہ وہ گھر پہ ہیں۔ رسول اکرمؐ نے ان سے کہا: جاؤ، انہیں بلا لاؤ۔ ام المومنین ام سلمہؓ نے کہا کہ جب فاطمہؑ، علیؑ

کو بلا لائیں تو رسول اکرمؐ نے وہ خیبری چادر مجھ سے لیکر خود اوڑھ لی اور علیؑ، فاطمہؑ، حسنؑ اور حسینؑ کو اس چادر میں لے لیا اور دعا کی:

اَللّٰھُمَّ ھٰؤُلَاۤءِ اَھْلُ بَیْتِیْ فَاَذْھِبْ عَنْھُمُ الرِّجْسَ وَ طَھِّرْھُمْ تَطْھِیْرًا۔

(اے اللہ! یہ ہیں میرے اہلبیت الخ) ام المومنین سلمہؓ نے اپنا کلام جاری رکھتے ہوئے کہا: میں رسول اکرمؐ کے پیچھے بیٹھی ہوئی تھی۔ پس میں نے ان سے کہا: "یا رسول اللہ! میرے ماں باپ آپ پر فدا ہو جائیں! میرے لیے کیا حکم ہے؟" آپ نے فرمایا: "تم یقیناً نیکی کے راستے پر ہو۔" اس لیے میں صاف کہتی ہوں کہ آیت تطہیر رسول اکرمؐ، علیؑ، فاطمہؑ، حسنؑ اور حسینؑ کے لیے نازل ہوئی ہے۔[1]

آیۂ تطہیر رسول اکرمؐ، علیؑ، فاطمہؑ، حسنؑ و حسینؑ کے لیے نازل ہونے کے بارے میں ام المومنین سلمہؓ سے ایک اور حدیث بھی روایت کی گئی ہے۔ آپ فرماتی ہیں کہ آیت اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰہُ..... میرے گھر میں نازل ہوئی تھی۔ ایک روز جبکہ رسول اکرمؐ چادر اوڑھے ہوئے مصلے پر بیٹھے تھے۔ پھر میں نے دیکھا کہ آپ نے اپنے اہلبیتؑ کو چادر میں لے لیا اور فرمایا:

اَللّٰھُمَّ اِنَّ ھٰؤُلَاۤءِ اَھْلُ بَیْتِیْ فَاَذْھِبْ عَنْھُمُ الرِّجْسَ کَمَا اَذْھَبْتَ عَنْ اٰلِ اِسْمَاعِیْلَ وَاِسْحَاقَ وَیَعْقُوْبَ وَطَھِّرْھُمْ مِنَ الرِّجْسِ کَمَا طَھَّرْتَ اٰلَ لُوْطٍ وَّاٰلَ عِمْرَانَ وَاٰلَ ھَارُوْنَ۔

اے اللہ! یہ میرے اہلبیت ہیں۔ ان سے برائی کو اس طرح دور فرما جس طرح

---

[1] تفسیر فرات صفحہ ۱۲۱ تفسیر مجمع البیان جلد ۸ صفحہ ۳۵۶ بحار الانوار جلد ۳۵ صفحہ ۲۱۳

تو نے آل اسماعیلؑ، آل اسحاقؑ اور آل یعقوبؑ سے برائی کو دور فرمایا اور ان کو پاک و پاکیزہ رکھا جس طرح تو نے آل لوطؑ، آل عمرانؑ اور آل ہارونؑ کو پاک و پاکیزہ رکھا۔ ام المومنین ام سلمہؓ فرماتی ہیں کہ اس وقت میں نے کہا: یا رسول اللہؐ! کیا مجھے بھی آپ لوگوں کے ساتھ چادر کے اندر آنے کی اجازت ہے؟ رسول اکرمؐ نے فرمایا: "بے شک تم نیکی پر اور نبیؐ کی ازواج میں سے ہو۔" اس پر راوی کی بیٹی نے کہا: اے ام المومنینؓ! ان اہلبیتؑ کے نام بھی تو بتایئے۔ ام سلمہؓ نے بتایا فاطمہؑ، علیؑ، حسنؑ اور حسینؑ۔ [1]

(ب) <u>ابو عبداللہ جدلی:</u>

ابو عبداللہ جدلی بیان کرتے ہیں کہ: ایک دن میں ام المومنین بی بی عائشہؓ کی خدمت میں حاضر ہوا اور پوچھا کہ آیت تطہیر اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰہُ ...... کہاں نازل ہوئی تھی؟ انہوں نے فرمایا: "ام سلمہؓ کے گھر میں۔" اور یہ تو ام سلمہؓ بھی کہتی ہیں کہ اگر تم عائشہؓ سے پوچھو تو وہ بھی تمہیں ضرور بتائیں گی کہ یہ آیت میرے ہی گھر میں اتری ہے۔ ام سلمہؓ نے خود مجھے بتایا کہ ایک دن جبکہ رسول اللہؐ میرے گھر میں تھے۔ آپ نے پوچھا: "کوئی ہے جو علیؑ، فاطمہؑ اور ان کے دو بیٹوں کو بلا لائے۔" میں نے کہا: "یا رسول اللہؐ! میرے سوا اور کوئی نہیں ہے۔ پھر میں نے ردا اوڑھی اور جا کر ان سب کو بلا لائی۔ علیؑ آ کر رسول اللہؐ کے سامنے بیٹھ گئے۔ حسنؑ اور حسینؑ آپ کے دائیں بائیں بیٹھے اور فاطمہ زہراؑ آپ کے پیچھے بیٹھیں۔ تب آپ نے ان چاروں کو اپنی خیبری چادر میں لے لیا۔ اور فرمایا: الٰہی ہم تیری طرف آئے ہیں، آگ کی طرف نہیں۔ یہ میں اور میری

---

[1] تفسیر فرات صفحہ ۱۲۶ - بحار الانوار جلد ۵ صفحہ ۲۱۵

عترت و اہلبیت ہیں۔ ان کا گوشت میرا گوشت ہے اور ان کا خون میرا خون ہے۔ میں نے عرض کی: یا رسول اللہؐ! مجھے بھی اپنے ساتھ شامل کر لیجئے۔ آنحضرتؐ نے فرمایا: اے ام سلمہؓ! تمہارے لیے یہی کافی ہے کہ تم میری نیک بیویوں میں سے ہو۔ اس کے بعد یہ آیت نازل ہوئی: اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰہُ .....

(ج) <u>عبداللہ بن معین:</u>

ام سلمہ کے آزاد کردہ غلام عبداللہ بن معین سے مروی ہے کہ ام سلمہؓ نے فرمایا: آیت تطہیر میرے گھر میں نازل ہوئی تھی۔ آپ فرماتی ہیں کہ رسول اللہؐ نے مجھے حکم دیا کہ کسی کے ذریعے علیؑ، فاطمہؑ، حسنؑ اور حسینؑ کو بلا بھیجوں۔ چنانچہ جب وہ سب آنحضرتؐ کے پاس آ گئے تو آپ نے علیؑ کو اپنے دائیں طرف اور حسنؑ کو بائیں طرف جبکہ حسینؑ کو اپنے پیٹ پر اور فاطمہؑ کو اپنے پیروں کے پاس بٹھایا۔ پھر آپ نے تین دفعہ فرمایا:

اَللّٰھُمَّ ھٰؤُلَآءِ اَھْلِیْ وَعِتْرَتِیْ فَاَذْھِبْ عَنْھُمُ الرِّجْسَ وَطَھِّرْھُمْ تَطْھِیْرًا۔

ام المومنین ام سلمہؓ فرماتی ہیں کہ میں نے عرض کی: یا رسول اللہؐ! کیا میں بھی ان میں سے ہوں۔ آنحضرتؐ نے فرمایا: بیشک تم نیکی کے راستے پر ہو۔ انشاء اللہ۔ [1]

(د) <u>دعبل خزاعی کے بھائی:</u>

دعبل خزاعی کے بھائی کا بیان ہے کہ امام علی رضا علیہ السلام اپنے آباء طاہرین کے توسط سے ام المومنین ام سلمہ سے روایت کرتے ہیں کہ ----

---

[1] تفسیر فرات صفحہ ۱۲۴ - بحار الانوار جلد ۵ صفحہ ۲۱۵

ام المومنین نے فرمایا: آیت تطہیر میری باری کے دن اور میرے گھر میں نازل ہوئی۔ اس روز رسول خداؐ میرے پاس بیٹھے ہوئے تھے۔ پس آپ نے علیؑ، فاطمہؑ، حسنؑ اور حسینؑ کو وہاں بلایا۔ پھر ان پر ایک فدکی (خیبری) چادر ڈالدی اور فرمایا:

اَللّٰهُمَّ هٰؤُلَاءِ اَهْلُ بَيْتِي اَللّٰهُمَّ اَذْهِبْ عَنْهُمُ الرِّجْسَ وَطَهِّرْهُمْ تَطْهِيْرًا۔

جبرئیل امینؑ جو کہ پہلے ہی سے وہاں آئے ہوئے تھے کہنے لگے: یا رسول اللہؐ! میں بھی آپ صاحبان میں سے ہوں۔ آنحضرتؐ نے فرمایا: "ہاں اے جبرئیل! تم ہم میں سے ہو۔" ام المومنین ام سلمہؓ فرماتی ہیں کہ اسی لمحے میں نے عرض کی: کیا میں بھی آپ اہل بیتؑ میں سے ہوں؟ اور کیا میں بھی آپ لوگوں کے ساتھ چادر میں داخل ہو سکتی ہوں؟ آنحضرتؐ نے فرمایا: اے ام سلمہؓ تم اپنی جگہ پر ہی رہو۔ بیشک تم نیکی کے راستے پر اور نبی کی ازواج میں سے ہو۔ اس وقت جبرئیلؑ نے کہا: یا رسول اللہؐ! پڑھیے:

اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيْرًا۔

اور اس طرح یہ آیت رسول اللہؐ، علیؑ، فاطمہؑ، حسنؑ اور حسینؑ کی شان میں نازل ہوئی۔ ۱؎

۲۔ امام حسینؑ کی روایت:

زید بن علی اپنے والد امام زین العابدینؑ سے اور وہ اپنے والد امام حسین علیہ السلام سے روایت کرتے ہیں کہ ایک روز رسول خداؐ، ام المومنین ام سلمہؓ

۱؎ امالی الشیخ جلد ۱ صفحہ ۲۷۰ - بحار الانوار جلد ۳۵ صفحہ ۲۰۹

کے گھر میں تشریف رکھتے تھے۔ ام المومنین نے آنحضرت کی خدمت میں حلوہ پیش کیا تو آنحضرتؐ نے علیؑ، فاطمہؑ، حسنؑ اور حسینؑ کو وہاں بلوایا اور ان سب نے مل کر حلوہ کھایا۔ بعد میں آنحضرت نے ان چاروں کو ایک خیبری چادر میں لے لیا اور فرمایا: اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ...... اس کے ساتھ ہی ام المومنین ام سلمہؓ نے عرض کی: یا رسول اللہؐ! کیا میں بھی ان کے ساتھ ہوں؟ آنحضرتؐ نے فرمایا: "تم نیکی کے راستے پر ہو؟" ۱؎

۳۔ ابو سعید خدریؓ کی روایت:

(ا) ابو سعید خدریؓ رسول خداؐ سے روایت کرتے ہیں کہ محمدؐ اور ان کے اہلبیتؑ کی شان میں آیت تطہیر اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ....... اس وقت نازل ہوئی جب رسول اکرمؐ نے علیؑ، فاطمہؑ، حسنؑ اور حسینؑ کو جمع کیا اور ان پر ایک خیبری چادر ڈال دی اور فرمایا: اَللّٰهُمَّ هٰؤُلَاءِ اَهْلُ بَيْتِي فَاَذْهِبْ عَنْهُمُ الرِّجْسَ وَطَهِّرْهُمْ تَطْهِيْرًا۔

ام المومنین ام سلمہؓ اس وقت دروازے میں کھڑی تھیں۔ انہوں نے عرض کی: یا رسول اللہؐ! کیا میں بھی اہلبیت میں سے ہوں؟ حضور نے فرمایا: تم نیکی پر ہو۔ ۲؎

(ب) عطیہ

عطیہ سے روایت ہے کہ میں نے اس آیت اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ.... کے متعلق ابو سعید خدریؓ سے پوچھا تو انہوں نے کہا: یہ آیت رسول اللہؐ، علیؑ

۱؎ کنز جامع الفوائد صفحہ ۲۰۳، ۲۰۴ - بحار الانوار جلد ۳۵ صفحہ ۲۱۳

۲؎ فضائل ابن شاذان صفحہ ۹۹ - بحار الانوار جلد ۳۵ صفحہ ۲۱۲، ۲۱۳

فاطمہؑ، حسنؑ اور حسینؑ کے لیے نازل ہوئی ہے۔ [1]

۴۔ امام محمد باقرؑ کی روایت :

امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا: اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ ..... رسول اللہؐ، علی ابن ابی طالبؑ، فاطمہؑ، حسنؑ اور حسینؑ کی شان میں ام المومنین ام سلمہؓ کے گھر میں نازل ہوئی تھی۔ رسول اللہؐ نے علیؑ، فاطمہؑ، حسنؑ اور حسینؑ کو وہاں بلوایا ان کو ایک خیبری چادر اڑھائی اور ان کے ساتھ خود بھی اوڑھ لی اور فرمایا:

اَللّٰهُمَّ هٰؤُلَاءِ اَهْلُ بَيْتِيَ الَّذِيْنَ وَعَدْتَنِيْ فِيْهِمْ مَا وَعَدْتَنِيْ اَللّٰهُمَّ اَذْهِبْ عَنْهُمُ الرِّجْسَ وَطَهِّرْهُمْ تَطْهِيْرًا

ام سلمہؓ نے عرض کی: یارسول اللہؐ! کیا میں بھی اہل بیت میں شامل ہوں؟ آنحضرتؐ نے فرمایا: نہیں! مگر تم نیکی کے راستے پر ہو۔ [2]

آیت تطہیر نازل ہونے کے بعد رسول اللہؐ نے کیا کیا:

۱۔ ابو سعید خدریؓ کی روایت :

ابو سعید خدری بیان کرتے ہیں کہ آیت تطہیر کے نازل ہونے کے بعد رسول اللہؐ چالیس دن تک نماز فجر کے وقت فاطمہ زہراؑ کے دروازے پر آ کر کہتے رہے:

اے اہل بیت اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهٗ! اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيْرًا اَنَا حَرْبٌ لِّمَنْ حَارَبْتُمْ وَسِلْمٌ لِّمَنْ سَالَمْتُمْ.

[1] بحار الانوار جلد ۳۵ صفحہ ۲۰۸

[2] بحار الانوار جلد ۳۵ صفحہ ۲۰۶

اے اہل بیتؑ! تم پر خدا کی طرف سے سلامتی، رحمتیں و برکتیں ہوں۔ اے اہل بیت اللہ تو چاہتا ہے کہ تم سے ہر طرح کی نجاست کو دور رکھے اور تمہیں پاک و پاکیزہ رکھے۔ جو تم سے جنگ کرے، میری اس سے جنگ ہے اور جو تم سے صلح کرے میری بھی اس سے صلح ہے۔ [1]

۲۔ ابو حمراءؓ کی روایت :

ابو حمراءؓ بیان کرتے ہیں کہ میں نو ماہ یا دس ماہ تک رسول خداؐ کی خدمت میں رہا اور اس مدت کے ۹ مہینے ہونے میں کوئی شک نہیں ہے۔ ان دنوں میں دیکھتا تھا کہ رسول اللہؐ صبح صادق کے وقت گھر سے نکلتے اور علیؑ فاطمہؑ، حسنؑ اور حسینؑ کے دروازے پر تشریف لاتے اور پھر دروازے کے دونوں جانب ہاتھ رکھ کر فرماتے: اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهٗ، اَلصَّلٰوةُ يَرْحَمُكُمُ اللّٰهُ! یعنی تم پر اللہ کی رحمتیں اور برکتیں ہوں۔ "نماز" اللہ تم پر رحم کرے۔ وہ لوگ جواب دیتے وَعَلَيْكُمُ السَّلَامُ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهٗ یارسول اللہؐ! رسول اللہؐ فرماتے: اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ ..... [2]

یہ روایت ابو حمراء سے کچھ دوسرے الفاظ میں بھی نقل کی گئی ہے اور بعض روایتوں میں يَاْخُذُ بِعِضَادَتَيِ الْبَابِ کی بجائے اَخَذَ بِعِضَادَتَيِ الْبَابِ کے الفاظ ہیں۔ یعنی مضارع کا نہیں بلکہ ماضی کا صیغہ استعمال ہوا ہے۔ [3]

[1] تفسیر فرات صفحہ ۱۳۲۔ بحار الانوار جلد ۳۵ صفحہ ۲۰۸

[2] تفسیر فرات صفحہ ۱۲۳، ۱۲۴۔ بحار الانوار جلد ۳۵ صفحہ ۲۱۴

[3] امالی الشیخ جلد ۱ صفحہ ۲۵۷

۳۔ امیرالمومنین امام علی علیہ السلام کی روایت:

حارث بیان کرتے ہیں کہ امام علی علیہ السلام نے فرمایا: رسول اللہؐ ہر صبح ہمارے گھر تشریف لاتے اور فرماتے تھے: اَلصَّلٰوۃَ رَحِمَکُمُ اللّٰہُ اَلصَّلٰوۃَ اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰہُ لِیُذْھِبَ عَنْکُمُ الرِّجْسَ اَھْلَ الْبَیْتِ وَیُطَھِّرَکُمْ تَطْھِیْرًا [1]

۴۔ امام محمد باقر علیہ السلام کی روایت:

وَاْمُرْ اَھْلَکَ بِالصَّلٰوۃِ وَاصْطَبِرْ عَلَیْھَا اپنے گھروالوں کو نماز کا حکم دو اور تم خود بھی اس کے پابند رہو۔ سورہ طٰہٰ آیت ۱۳۲ کے متعلق امام محمد باقرؑ بیان کرتے ہیں کہ میرے والد محترم امام زین العابدین علیہ السلام نے فرمایا: آیت تطہیر علیؑ، فاطمہؑ، حسنؑ اور حسینؑ کے بارے میں نازل ہوئی تھی۔ رسول اکرمؐ ہر صبح فاطمہ زہراؑ کے گھر پر آتے اور فرماتے:

اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ اَھْلَ الْبَیْتِ وَرَحْمَۃُ اللّٰہِ وَبَرَکَاتُہٗ اَلصَّلٰوۃَ یَرْحَمُکُمُ اللّٰہُ اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰہُ لِیُذْھِبَ عَنْکُمُ الرِّجْسَ اَھْلَ الْبَیْتِ وَیُطَھِّرَکُمْ تَطْھِیْرًا [2]

یہ روایت دوسرے الفاظ میں بھی آئی ہے:

وَاْمُرْ اَھْلَکَ بِالصَّلٰوۃِ وَاصْطَبِرْ عَلَیْھَا اپنے گھروالوں کو نماز کا حکم دو اور تم خود بھی اس کے پابند رہو۔ سورہ طٰہٰ ۱۳۲ کے بارے میں صاحب تفسیر القمی لکھتے ہیں: اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں رسول اللہؐ کو حکم دیا کہ وہ اپنے اہلبیت کو خصوصی طور پر نماز کی تلقین کریں تاکہ دوسروں کو معلوم ہو جائے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک اہلبیت محمدؐ کا وہ خاص درجہ ہے جو دوسروں کو حاصل نہیں کیوں کہ

---

[1] مجالس المفید صفحہ ۱۸۸۔ امالی الشیخ صفحہ ۵۵۔ بحار الانوار جلد ۳۵ صفحہ ۲۰۸

[2] کنز الفوائد صفحہ ۱۶۱، ۱۶۲، ۱۸۸۔ بحار الانوار جلد ۲۵ صفحہ ۲۲۰

عام لوگوں کے ساتھ اہل بیتؑ کو بھی نماز ادا کرنے کا حکم دیا گیا تھا اور انہیں خصوصی طور پر حکم دیا گیا ہے۔ اس آیت کے نازل ہونے کے بعد رسول خداؐ ہر روز علیؑ، فاطمہؑ، حسنؑ اور حسینؑ کے گھر آتے اور فرماتے: اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ وَرَحْمَۃُ اللّٰہِ وَبَرَکَاتُہٗ۔ پھر آنحضرتؐ دروازے کو دونوں طرف سے پکڑ کر فرماتے تھے: الصلوۃ الصلوۃ یَرْحَمُکُمُ اللّٰہُ! اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰہُ...... مدینہ منورہ گواہ ہے کہ اپنے وقت وصال تک رسول اللہؐ ہر روز ایسا ہی کرتے رہے۔ چنانچہ رسول خداؐ کے خدمتگار ابوحمراء کا کہنا ہے کہ میں نے رسول خداؐ کو یہ عمل کرتے ہوئے دیکھا ہے [1]

۵۔ امام جعفر صادق علیہ السلام کی روایت:

امام جعفر صادق علیہ السلام اپنے آباء مطہرین سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہؐ ہر روز صبح کے وقت علیؑ، فاطمہؑ، حسنؑ اور حسینؑ کے دروازے پر تشریف لاتے اور فرماتے: اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الْمُحْسِنِ الْمُجْمِلِ الْمُنْعِمِ الْمُفْضِلِ الَّذِیْ بِنِعْمَتِہٖ تَتِمُّ الصَّالِحَاتُ سَمِعَ سَامِعٌ بِحَمْدِ اللّٰہِ وَنِعْمَتِہٖ وَحُسْنِ بَلَآئِہٖ عِنْدَنَا نَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ النَّارِ نَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ صَبَاحِ النَّارِ نَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ مَسَآءِ النَّارِ اَلصَّلٰوۃَ یَا اَھْلَ الْبَیْتِ اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰہُ......

سب تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں جو احسان کرنے والا، بھلائی کرنیوالا نعمت عطا کرنیوالا ہے۔ جس کی نعمت اور توفیق سے نیک امور انجام پاتے ہیں۔ سننے والا ہماری طرف سے خدا کی حمد سن لے۔ ہم اس کی حمد اس لیے کرتے ہیں کہ وہ ہمیں نعمتیں عطا کرتا اور آزمائشوں سے گزارتا ہے۔ ہم آتش دوزخ سے خدا کی پناہ مانگتے ہیں۔ ہم جہنم کی صبح سے خدا کی پناہ مانگتے ہیں اور ہم جہنم کی شام

---

[1] تفسیر القمی صفحہ ۵۳۱، ۵۳۰۔ بحار الانوار جلد ۳۵ صفحہ ۲۰۷

سے خدا کی پناہ مانگتے ہیں۔

نماز اے اہل بیتؑ ۔۔۔ [1]

ابو سعید خدریؓ بیان کرتے ہیں کہ: جب آیت مبارکہ وَأْمُرْ أَهْلَكَ ... نازل ہوئی تو رسول اللہؐ نو ماہ تک ہر نماز کے وقت علیؑ و فاطمہؑ کے دروازے پر آتے اور فرماتے: اَلصَّلٰوۃ یَرْحَمُکُمُ اللّٰہُ اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰہُ ...

امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے اپنے اہل بیتؑ کو نماز پڑھنے کی خصوصی تاکید کی ہے تاکہ لوگوں کو یہ معلوم ہو جائے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک اہل بیت رسولؐ کا خاص مرتبہ ہے جو دوسرے لوگوں کے لیے نہیں۔ اس لیے پہلے انہیں عام لوگوں کے ساتھ تلقین کی گئی۔ پھر خاص طور پر ان کو نماز قائم کرنے کا حکم دیا گیا۔ [2]

علامہ مجلسیؒ فرماتے ہیں: یہ روایت ابن عقدہ نے بھی اپنی سند سے اہل بیتؑ اور دیگر افراد جیسے ابو برزہ اور ابو رافع وغیرہ سے مختلف طریقوں سے نقل کی ہے [3] اسی طرح آیت وَأْمُرْ أَهْلَكَ بِالصَّلٰوۃِ کے ضمن میں امام جعفر صادقؑ سے ایسی ہی ایک اور روایت تفسیر کشاف وغیرہ میں بھی نقل ہوئی ہے۔ [4]

---

[1] بحار الانوار صفحہ ۳۶ ، ۳۷

[2] بحار الانوار جلد ۵ صفحہ ۲۱۲ - مجمع البیان۔ طبرسی جلد ۷ صفحہ ۳۷

[3] بحار الانوار جلد ۲۵ صفحہ ۲۱۳

[4] تفسیر فرات صفحہ ۱۲۶

آیت تطہیر کو اہلبیت کی فضیلت میں پیش کرنیوالے افراد

اوّل: امیر المومنین امام علی ابن ابیطالبؑ:

امام صادق علیہ السلام اپنے والد محترم کی سند سے بیان کرتے ہیں کہ امام علی علیہ السلام نے فرمایا: بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے ہم اہل بیتؑ کو فضیلت عطا کی اور ایسا کیونکر نہ ہو جبکہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں ظاہری و باطنی ہر قسم کی برائی سے پاک رکھا ہے۔ لہٰذا ہم ہی راہ حق پر ہیں۔ [1]

دوم: امام حسن علیہ السلام:

امام حسن علیہ السلام نے آیت تطہیر کو دوبار بطور حجت پیش کیا۔

(ا) امیر المومنین امام علی علیہ السلام کی شہادت کے بعد جب لوگوں نے امام حسنؑ کی بیعت کی تو آپ نے ایک خطبے میں فرمایا: اے لوگو! جو مجھے پہچانتا ہے وہ تو پہچانتا ہے اور جو نہیں پہچانتا وہ پہچان لے کہ میں حسنؑ بن علیؑ ہوں میں اس مقدس شخصیت کا فرزند ہوں جو لوگوں کو بشارت دینے والے، ڈرانے والے، ان کو خدا کے حکم سے اس کی طرف بلانے والے اور سراج منیر ہیں میں ان اہلبیت میں سے ہوں جن کے گھر جبرئیلؑ آتے جاتے تھے۔ میں ان اہلبیتؑ میں سے ہوں جن سے اللہ تعالیٰ نے ہر برائی دور کی اور ان کو پاک و پاکیزہ رکھا۔ [2]

(ب) جب امام حسنؑ نے معاویہ سے صلح کی تو فرمایا:

امام حسنؑ نے معاویہ سے صلح کی تو اس وقت معاویہ کی تقریر کے بعد آپ نے خطبہ دیا اور فرمایا: اے لوگو! میری بات غور سے سنو۔ اپنے دل اور کان کھلے

---

[1] کنز الفوائد صفحہ ۲۳۶ - بحار الانوار جلد ۲۵ صفحہ ۲۱۳ - ۲۱۴

[2] بحار الانوار جلد ۲۵ صفحہ ۲۱۴ اور جلد ۴۳ صفحہ ۳۶۱، ۳۶۲ - کنز الفوائد صفحہ ۲۳۷، ۲۳۸

دکھو۔ ہم اہلبیت رسولؐ ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اسلام کے ذریعے ہماری عزت افزائی
کی۔ ہمیں برگزیدہ کیا۔ ہمیں منتخب کیا، ہمیں چن لیا، ہمیں مقبول کیا اور ہر قسم کے
رجس سے دور رکھا اور پاک و پاکیزہ رکھا۔

چنانچہ رجس کے ایک معنی شک کرنا بھی ہیں۔ پس ہمیں خدائے برحق کی
ذات اور اس کے دین کے بارے میں کبھی شک نہیں ہوا اور نہ کبھی ہوگا۔ اس نے
ہمیں ہر قسم کی کمزوری اور گمراہی سے پاک رکھا ہے اور ہم پر اس کی نعمت دائمی
ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: إِنَّمَا يُرِيدُ اللَّهُ لِيُذْهِبَ عَنكُمُ
الرِّجْسَ أَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيرًا۔

جب یہ آیت نازل ہوئی تو رسول اللہؐ نے مجھے، میرے بھائی، میرے والد
اور میری والدہ کو جمع کیا اور ہمیں ام المومنین ام سلمہؓ کی ایک خیبری چادر میں
لے لیا اور خود بھی وہ چادر اوڑھ لی۔ یہ واقعہ ام المومنین ام سلمہؓ کے گھر اور ان
کی باری کے دن پیش آیا۔ پھر رسول اللہ نے یہ دعا مانگی:

اَللّٰهُمَّ هٰؤُلَاءِ اَهْلُ بَيْتِيْ وَهٰؤُلَاءِ اَهْلِيْ وَعِتْرَتِيْ فَاَذْهِبْ
عَنْهُمُ الرِّجْسَ وَطَهِّرْهُمْ تَطْهِيْرًا۔

ام سلمہؓ نے عرض کی: یا رسول اللہؐ! کیا میں بھی زیر چادر آسکتی ہوں؟
آنحضرتؐ نے فرمایا: اللہ تم پر رحم کرے، تم نیکی کے راستے پر ہو۔ بھلائی کی طرف
جا رہی ہو۔ میں تم سے راضی ہوں لیکن یہ منزلت تو صرف میرے اور ان کے لیے
مخصوص ہے۔ اس کے بعد تا حیات رسول اللہؐ ہر روز صبح کے وقت ہمارے گھر
آتے اور فرماتے: اَلصَّلٰوةُ يَرْحَمُكُمُ اللّٰهُ اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ..... [1]

---

[1] بحار الانوار جلد ۱۰ صفحہ ۱۴۱، ۱۴۲ - امالی الشیخ جلد ۱۰ صفحہ ۱۴

۳۔ ام المومنین ام سلمہؓ

عمرہ ہمد بنت افعی سے روایت ہے کہ ایک دفعہ ام المومنین ام سلمہؓ نے مجھ
سے پوچھا: کیا تم عمرہ ہو؟ میں نے کہا جی ہاں، میں ہی عمرہ ہوں۔ پھر عمرہ نے پوچھا
چند روز پہلے آپ لوگوں میں جس شخص نے وفات پائی ہے۔ کیا آپ بتائیں گی کہ یہ
کوئی پسندیدہ شخص تھا یا نہیں؟ ام المومنین ام سلمہؓ نے کہا: کیا تجھے اس سے
محبت ہے۔ عمرہ نے کہا مجھے ان سے محبت ہے نہ دشمنی۔ اس کا اشارہ امیرالمومنین
امام علیؑ کی طرف تھا۔ ام المومنین ام سلمہؓ نے کہا: جس گھر میں آیت تطہیر...
إِنَّمَا يُرِيدُ اللَّهُ..... نازل ہوئی۔ اس میں جبرئیلؑ، محمدؐ، علیؑ، فاطمہؑ،
حسنؑ اور حسینؑ اور میرے سوا کوئی نہیں تھا۔ پس میں نے آنحضرتؐ سے عرض کی:
یا رسول اللہؐ کیا میں بھی آپ کے اہل بیتؑ میں سے ہوں؟ حضورؐ نے فرمایا:
تم میری نیک بیویوں میں سے ہو۔ اے عمرہ! اگر رسول اللہؐ میری بات پر ہاں
فرما دیتے تو میرے نزدیک ہر اس چیز سے بہتر ہوتا جس پر آفتاب اپنی روشنی ڈالتا
ہے۔ [1]

۴۔ امام زین العابدین علی بن حسینؑ

روایت ہے کہ جب اہل بیت شام میں داخل ہوئے تو ان کو دوسرے
قیدیوں کی طرح مسجد کے دروازے کی سیڑھیوں کے قریب کھڑا کر دیا گیا۔ ان
میں نوجوان علی بن الحسین زین العابدین بھی تھے۔ اسی عالم میں اہل شام میں
سے ایک پیر مرد وہاں آیا اور ان کو مخاطب کر کے کہنے لگا: سب تعریفیں اللہ
کے لیے ہیں جس نے تم کو قتل کروایا، تباہ کروایا اور فتنہ و فساد کی بیخ کنی کروائی۔

---

[1] تفسیر فرات صفحہ ۱۲۶، خصال باب السبعۃ الحدیث ۱۳، کنز الفوائد صفحہ ۲۳۷ -
بحار الانوار جلد ۵ صفحہ ۲۱۴، جلد ۳ صفحہ ۲۰۹ - امالی الصدوق ۲۱۹

اہل بیتؑ نے اس بارگوئی کا کوئی جواب نہیں دیا۔ جب اس پیرمرد کی بات ختم ہوئی تو علی بن الحسینؑ نے فرمایا: تم نے یہ آیت پڑھی ہے:

قُلْ لَّآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِى الْقُرْبٰى.

اے رسولؐ! کہدو کہ میں تم سے رسالت کا کوئی اجر نہیں مانگتا سوائے اس کے کہ تم میرے اقربا کو دوست رکھو۔[1] اس نے کہا ہاں پڑھی ہے۔ امام نے فرمایا: ہم لوگ ہی ان کے وہ اقربا ہیں۔ پھر امام نے پوچھا: کیا تم نے یہ آیت پڑھی ہے؟ وَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰى حَقَّهٗ. اے رسولؐ! اپنے اقربا کو ان کا حق مرحمت فرمایئے۔[2] پیرمرد نے کہا پڑھی ہے۔ پھر امام نے پوچھا: کیا یہ آیت بھی پڑھی ہے؟ اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ ......[3] پیرمرد نے کہا ہاں پڑھی ہے۔ امام نے فرمایا: ہم ہی اہلبیت ہیں۔ تب اس شامی بوڑھے نے آسمان کی طرف ہاتھ اٹھا کر تین دفعہ کہا اَللّٰهُمَّ اِنِّىْ اَتُوْبُ اِلَيْكَ اَللّٰهُمَّ اِنِّىْ اَبْرَاُ اِلَيْكَ مِنْ عَدُوِّ اٰلِ مُحَمَّدٍ وَّمِنْ قَتَلَةِ اٰلِ مُحَمَّدٍ.

اے اللہ! میں توبہ کرتا ہوں۔ میں آل محمدؐ کے اور اہل بیتؑ کے قاتلوں سے بیزار ہوں۔ بے شک میں نے قرآن پڑھا ہے لیکن آج سے پہلے مجھے ان آیات کی حقیقت کا کوئی علم نہیں تھا۔[4]

---

[1] سورۂ شوریٰ۔ آیت ۲۳

[2] سورۂ بنی اسرائیل۔ آیت ۲۶

[3] سورۂ احزاب۔ آیت ۳۳

[4] امالی الصدوق المجلس ۳۱ حدیث ۳۔ احتجاج طبرسی صفحہ ۱۵۷۔ لہوف طاؤس اور بحار الانوار جلد ۴۵ صفحہ ۱۵۶ - ۱۶۶

۵۔ زید بن علی بن حسینؑ

ابو جارود کا کہنا ہے کہ زید بن علی بن حسینؑ نے فرمایا: جاہل لوگ گمان کرتے ہیں کہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ازواج النبی سے خطاب کیا ہے۔ بلاشبہ یہ لوگ جھوٹے اور گنہگار ہیں۔ بخدا اس سے ازواج النبی مراد ہوتیں تو اللہ تعالیٰ یوں فرماتا: لِيُذْهِبَ عَنْكُنَّ الرِّجْسَ وَيُطَهِّرَكُنَّ تَطْهِيْرًا. یعنی مونث کا صیغہ استعمال کیا جاتا جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَاذْكُرْنَ مَا يُتْلٰى فِىْ بُيُوْتِكُنَّ - وَلَا تَبَرَّجْنَ - وَلَسْتُنَّ كَاَحَدٍ مِّنَ النِّسَآءِ.

حدیث کساء سے متعلق ایک اور روایت:

شیعہ اور سنی کتابوں میں مذکورہ ساری روایتیں اس بات پر متفق ہیں کہ آیت تطہیر رسول اللہؐ پر ام المومنین ام سلمہؓ کے گھر میں نازل ہوئی جبکہ آپ کے اہل بیتؑ آپؐ کے اردگرد بیٹھے ہوئے تھے۔ آنحضرتؐ نے انہیں اپنی چادر میں لے رکھا تھا۔ ان روایتوں کے برعکس صرف ایک ہی روایت ہمیں ایسی ملتی ہے جس کی سند معروف و مشہور نہیں۔ اس روایت کے مطابق یہ واقعہ ایک دوسری صورت میں فاطمہ زہراؑ کے گھر میں پیش آیا تھا تاہم یہ خبر واحد اپنی سند اور متن کے لحاظ سے ان کثیر روایتوں کا مقابلہ نہیں کر سکتی اور اس سے روایات میں تناقض کا سوال بھی پیدا نہیں ہوتا۔ اس لیے ہم اس کی سند اور متن پر بحث کرنے کی ضرورت محسوس نہیں کرتے۔

التماس سورۃ الفاتحہ

سیدہ فاطمہ رضوی بنت سید حسن رضوی

سید ابوزر شہرت بلگرامی ابن سید رضوی

سید مظاہر حسین نقوی ابن سید محمد نقوی

سید محمد نقوی ابن سید ظہیر الحسن نقوی

سید الطاف حسین ابن سید محمد علی نقوی

سیدہ امّ حبیبہ بیگم

حاجی شیخ علیم الدین

شمشاد علی شیخ

مسیح الدین خان

فاطمہ خاتون

شمس الدین خان

یا صاحب الزمانؑ ادرکنی

خدمتگارانِ مکتبِ اھلبیت (ع)

سید حسن علی نقوی

حسّان ضیاء خان

سعد شمیم

حافظ محمد علی جعفری